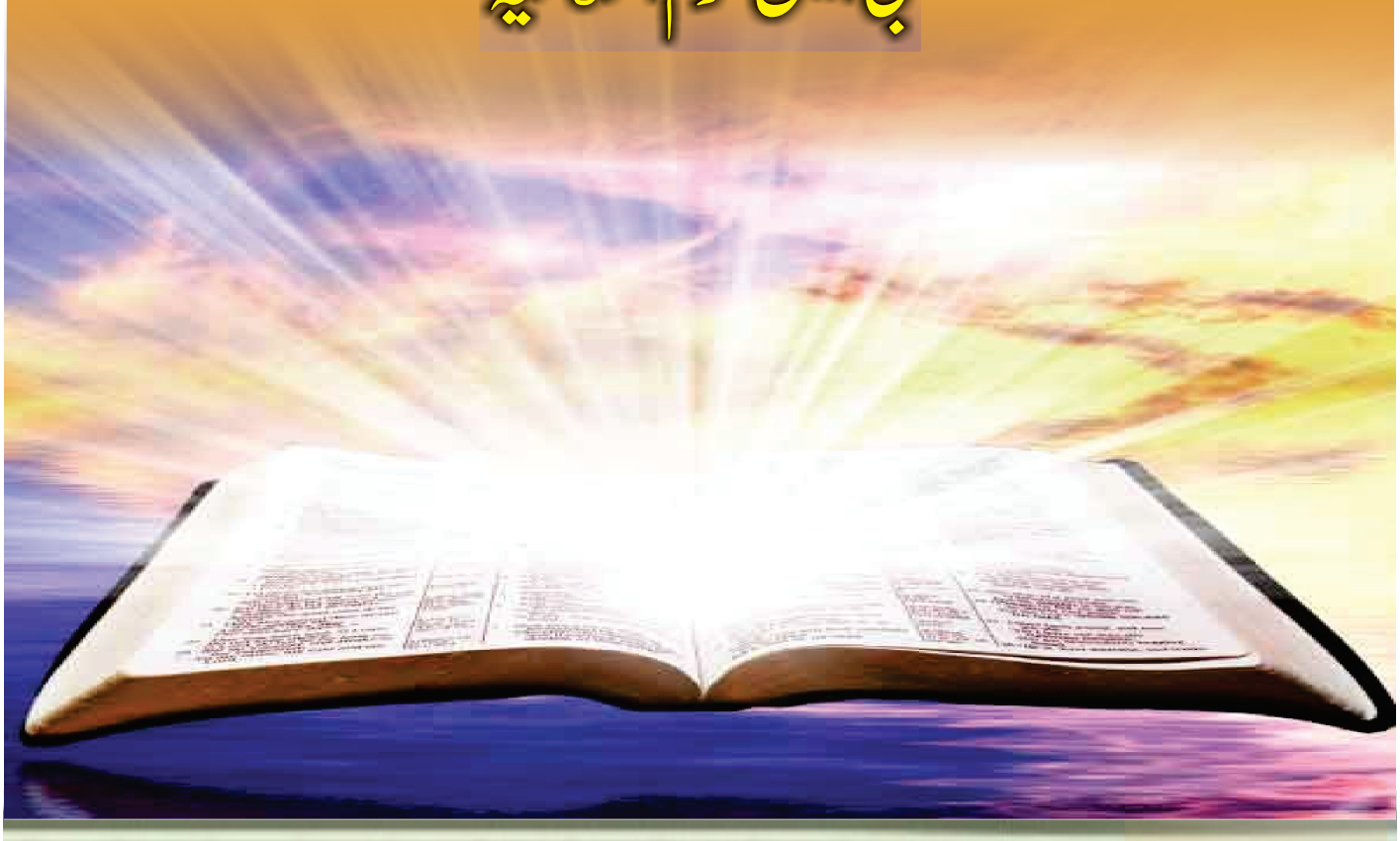
مطالعہ مسیحیت

یونٹ 1-9

کورس کوڈ: 4958

بی ایس علوم اسلامیہ



شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مطالعہ مسیحیت

یونٹ 1-9 کورس کوڈ: 4958 بی ایس علوم اسلامیہ

تصنیف وتالیف

ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مطالعات بین المذاہب



شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ایڈیشن: : اول

اشاعت اول : 2024ء

نگران طباعت : ڈاکٹر سرمد اقبال

لے آؤٹ : مشتاق حسین

پرنٹرز : علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین: پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن

تصنیف وتالیف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد سجاد
پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن
پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ (ڈائریکٹر، پنجاب یونیورسٹی)

کورس رابطہ کار: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

فہرست

صفحہ نمبر

تقریظ 5

تقریظ شعبہ کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ 6

پیش لفظ 7

کورس کا تعارف 8

یونٹ نمبر1 حضرت عیسیٰؑ: سیرت تاریخ وتعلیمات 9

یونٹ نمبر2 مسیحیت کا آغاز وارتقاء 31

یونٹ نمبر3 مسیحیت کے عقائد وافکار 47

یونٹ نمبر4 مسیحیت کے ابتدائی فرقے 67

یونٹ نمبر5 مسیحیت کا مقدس دینی ادب 85

یونٹ نمبر6 جزیرۃ العرب میں مسیحیت کا آغاز وارتقاء 107

یونٹ نمبر7 صلیبی جنگوں کے اسباب واثرات 131

یونٹ نمبر8 مسیحیت کا سیاسی پس منظر اور کشمکش 155

یونٹ نمبر9 پروٹسٹنٹ اصلاحات اور کلیسائی بحران: اثرات اور چیلنجز 177

تقریظ

موجودہ دور میں اقوامِ عالم متعدد فکری، سیاسی، اقتصادی، سماجی، قانونی اور تکثیری چیلنجز کا سامنا کر رہی ہیں۔ ایسے میں انفرادی، گروہی اور ریاستی مفادات نے مختلف اقوام کے اندر ایک تناؤ کی کیفیت پیدا کر رکھی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے مختلف نسلی، لسانی، مذہبی اور سماجی و سیاسی تعصبات نے پرامن بقائے باہمی کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ مفادات اور تعصبات کی چپقلش نے کبھی مذہبی رنگ تو کبھی سیاسی رنگ اور بسا اوقات نسلی رنگ اختیار کرتے ہوئے مختلف اقوام اور رنگ و نسل کے کروڑوں انسانوں کو لقمۂ اجل بنا ڈالا ہے۔ دنیا کو درپیش مشکلات کے حل، اور اس میں رہنے والوں کی زندگی میں امن، خوشحالی، توازن اور ترقی کے لیے جن چیزوں پر پھر سے اصرار کیا جانے لگا ہے، ان میں سے ایک دنیا کے مختلف مذاہب کے درمیان مکالمے کی ثقافت کو زندہ کرنا ہے۔ موجودہ عالمی بحران مذہبی، سماجی، سیاسی، اقتصادی اور معاشی طور پر دنیا کو بری طرح متاثر کر رہا ہے جس کے باعث مختلف معاشروں میں بے چینی، نفرت اور اضطراب کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اس لئے مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کو دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اور خواہش کے طور پر محسوس کیا جا رہا ہے۔ یہاں یہ امر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ ہر مذہب کی اپنی زبان اور روایات ہوتی ہیں جو عوام کو بنیادی انسانی قدریں عطا کرتی ہے۔ جس سے انسانی معاشرہ بہتری کی طرف بڑھتا ہے اور یہ قدریں اس سوسائٹی کے نگران کا کردار ادا کرتی ہیں۔ آج دنیا کے کسی بھی ملک میں ہونے والے واقعات کو بیک وقت پوری دنیا میں دیکھا جاتا ہے اور یہ دنیا کی مختلف تہذیبوں کے افراد پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جہاں شعور و آگہی دیتے ہیں وہاں یہ مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے پیروکاروں کے بارے مثبت یا منفی رویوں کو بھی جنم دیتے ہیں اس لئے ایسی کوششوں کی عالمی سطح پر ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے جس سے مذاہب کے درمیان مثبت رابطہ پیدا کر کے دنیا میں اس حوالے سے پائی جانے والی مشکلات کو کم کیا جا سکے۔ جب مختلف مذاہب کے لوگ مکالمے کے ذریعے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھتے اور سمجھتے ہیں تو ان کی باہمی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور ان کے دل میں ایک دوسرے کے لئے نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب "مطالعہ مسیحیت" ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ کی بہترین کاوش ہے، جسے عصر حاضر کے تناظر میں مسیحیت کو سمجھنے کے لئے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ امید ہے طلبہ اور اہل علم اس سے بہتر انداز میں استفادہ کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود، وائس چانسلر،

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تقریظ

تاریخ دعوتِ اسلامی کے دو پہلو بہت نمایاں اور اہم ہیں۔ پہلا یہ کہ مسلمان جس علاقے میں بھی فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، وہاں کے غیر مسلموں کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی اور انھیں جبراً اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ مذہبی افہام و تفہیم کا خوش گوار ماحول پیدا کیا، جہاں غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی اور دوسرے مذاہب کے بارے میں جاننے اور ان کا جائزہ لینے کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ ان دونوں پہلوؤں نے مذہبی مکالمے (dialogue) کی ایک شکل پیدا کر دی تھی۔ مغرب کی موجودہ علمی دنیا میں مذہبی مطالعہ و تحقیق کو خاص موضوع کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن مغرب کے کچھ مفکرین کا اسلوب اس معاملے میں متعصبانہ اور جانب دارانہ ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں نے مذاہب کے مطالعہ و جائزے کی جو روایت قائم کی ہے وہ بہت مضبوط اور صداقت و دیانت داری پر مبنی ہے۔ مسلم علماء و محققین کی جانب سے مطالعہ مذاہب پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ البیرونی کی کتاب 'فی تحقیق ما للھند'، ابن حزم کی کتاب 'الفصل فی الملل والاھواء والنحل'، علامہ عبدالکریم شہرستانی کی کتاب 'کتاب الملل والنحل'، علامہ ابن تیمیہ کی کتاب 'الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح'، علامہ ابن قیم کی کتاب 'ھدایۃ الحیاریٰ فی اجوبۃ الیھود والنصاریٰ'، عہد جہاں گیر میں مرتب شدہ کتاب 'دبستان مذاہب'، سر سید احمد کی کتاب 'تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علی ملۃ الاسلام' اور مولانا عنایت اللہ چریاکوٹی کی کتاب 'بشریٰ' وغیرہ شامل ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان مطالعہ مذاہب کے اس روایت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ان کے درمیان اب تو خود اپنے مذہب کے مطالعے کا بھی شوق کم ہو گیا ہے۔ مغرب نے جس طرح سے 'استشراق' کے نام پر اسلام اور اسلامی تہذیب کو تعصب پر مبنی بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہوا ہے، اس کے پیشِ نظر مذاہب کے مطالعے کے سلسلے میں قدیم مسلم روایت کو دوبارہ ان کے سامنے متعارف کرانا بہت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مطالعۂ مذاہب کے سلسلے میں مغربی و اسلامی نقطہ نظر کے درمیان موازنے کا کام بھی ہونا چاہیے۔ زیر نظر کتاب "مطالعہ مسیحیت" ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ کی بہترین کاوش ہے، جسے اس مذہب کو سمجھنے کے لئے عصر حاضر کے سیاسی اور عالمگیریت کے تناظر میں بہترین طریقے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ امید ہے طلبہ اور اہل علم اس سے بہتر انداز میں استفادہ کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر شاہ محی الدین ہاشمی

،ڈین، شعبہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پیش لفظ

مطالعہ مذاہب عالم سے مراد مختلف مذاہب کے بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا ایسا ناقدانہ اور عادلانہ جائزہ لینا جس سے ہر ایک مذہب کی قدر و قیمت، خوبیاں اور خامیاں پوری طرح روشن ہو جائیں ۔ مطالعہ مذاہب عالم کا بنیادی مقصد یہ کہ دنیا میں پائے جانے والے مشہور مذاہب اور معروف ادیان کی تعلیمات کا غیر متعصابہ تقابل اور غیر جانبدرانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز تمام مذاہب کی خوبیوں، بنیادی عقائد، عبادات اور رسوم کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے۔ مطالعہ مذاہب کے دوران اگر کسی دین کی خوبی سامنے آئی تو اسے بلا تکلف سراہا جائے۔ نیز اگر کوئی خامی ہے تو اسے دلیل اور برہان کے ساتھ رد کیا جائے تاکہ حق تک رسائی ممکن ہو۔ مذاہب عالم کے مطالعے سے مراد یہ ہے کہ مذہب کا حقیقی محور کیا ہے۔ کیا بنیادی تعلیمات مذہب کی مشترک ہیں؟ مذہب کی تسلیم شدہ کتب لفظی و معنوی لحاظ سے محفوظ ہیں یا ان میں تبدیلی کی گئی۔ مذاہب کی کتب انسانی زندگی کے ہر شعبے کی راہنمائی کرتی ہیں یا مخصوص شعبوں کی طرف۔ بانیانِ مذاہب کے حالات زندگی کہاں تک تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ مندرجہ بالا شرائط جس میں مذہب میں بھی موجود ہو وہی مذہب اس قابل ہے کہ اس کو مانا جائے اور وہی انسانیت کی فلاح کا حقیقی مذہب ہے۔ اسلام کے پاس روحانی، عقلی، مادی، اجتماعی اور سیاسی تاثیر کی جو قوت ہے وہ کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔ ان تمام پہلوؤں سے مذاہب عالم کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ اس سے نہ صرف فکری لحاظ سے مستشرقین و مستغربین کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ اقدامی پوزیشن میں آکر مذاہب عالم اور جملہ افکار و نظریات پر اسلام کو غالب کر سکتے ہیں اور پھر یہ فکری غلبہ عسکری غلبے کی جانب لے جائے گا۔ ایک محقق اور داعی دین کے لیے مطالعہ مذاہب بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے ذریعے محقق اور داعی مخاطب اقوام کی نفسیات، تاریخ، تمدن و ثقافت اور عقیدے سے واقف ہوتا ہے۔ ان کے عقائد و شریعت میں واقع کمزوریوں کو نمایاں کر کے ان کے سامنے غور و فکر اور تحقیق کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ عصر حاضر میں مسیحیت کی تفہیم کے تناظر میں یہ کتاب ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ کی عمدہ کاوش، لگن اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور طلباء و طالبات کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد غلام شمس الرحمان

چیئرمین، شعبہ مطالعات بین المذاہب

کورس کا تعارف

زیر نظر کورس ''مطالعہ مسیحیت'' کے عنوان سے بی ایس علوم اسلامیہ مطالعات بین المذاہب کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔اس کورس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسیحیت کے مطالعے کو تاریخی تناظر سے عصر حاضر تک آسان فہم بنایا جائے۔ طلبہ کو مسیحیت کی مختلف جہات کو مسیحی مآخذ اور قرآن کے تناظر میں روشناس کرایا جائے تاکہ طلبہ میں "مسیحیت" کو جامع طور پر سمجھنے کی صلاحیت اور عصر حاضر کے سماجی مسائل کو اس کتاب کے تناظر میں اخذ کرنے کی مناسبت پیدا ہو جائے۔ کورس کل 9 یونٹس پر مشتمل ہے۔چونکہ کتاب تالیفی نوعیت کی ہے،اس لئے ہر یونٹ کے فٹ نوٹس میں مصادر و مآخذ کو بیان کر دیا گیا ہے، جس میں شریک تمام مصنفین و مؤلفین کا راقم تہہ دل سے مشکور ہے۔راقم اپنے والد محمد سمیع اللہ، والدہ محترمہ، اہلیہ محترمہ واہل خانہ، بہن بھائیوں کے اور تمام اساتذہ کرام خصوصاً ڈاکٹر محمد عبداللہ، ڈائریکٹر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی کا تہ دل سے شکر گزار ہے جن کی دعاؤں، سرپرستی اور رہنمائی سے یہ توفیق اور مقام ملا اور انہوں نے نظر ثانی کے لئے بھی وقت فراہم کیا۔اور ڈاکٹر محمد سجاد بانی چیئرمین، شعبہ مطالعات بین المذاہب، اور استاد محترم ڈاکٹر محمد عبداللہ (پنجاب یونیورسٹی) کا نہایت شکر گزار ہے جنہوں نے اس کتاب کی تصویب اور نظر ثانی کی۔ڈین کلیہ و عربی وعلوم اسلامیہ ڈاکٹر شاہ محی الدین ہاشمی اور چیئرمین شعبہ مطالعات بین المذاہب ڈاکٹر غلام شمس الرحمان کے انتظامی و علمی تعاون پر ان کا ممنون ہوں، اس کے علاوہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے اکیڈمک پلاننگ اور کورس پروڈکشن کے ڈائریکٹر ڈاکٹر زاہد مجید، سینئیر ریسرچ آفیسر ڈاکٹر محمود احمد، سینئیر ایڈیٹر عنبرین اعجاز اور دیگر تمام ٹیم ممبران کا بروقت مسودہ کی ایڈیٹنگ کرنے پر نہایت ممنون ہے۔اور بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہماری مخلصانہ کاوشوں کو قبول و منظور فرما کر ہر خاص و عام کے لیے مفید بنائے۔آمین ثم آمین۔

ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ، اسسٹنٹ پروفیسر،

شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،

اسلام آباد

یونٹ: 1

حضرت عیسیٰؑ: سیرت تاریخ و تعلیمات

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ
نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر غلام شمس الرحمان،
ڈاکٹر محمد عبداللہ

فہرست

یونٹ کا تعارف 11

یونٹ کے مقاصد 11

حضرت عیسیٰؑ کا تعارف 12

قرآنِ مجید میں تذکرہ 12

اناجیل اور قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کا مقام و مرتبہ 14

حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ ولادت 16

حضرت مریمؑ کی آغوشِ مادر میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام 18

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا مقام 19

حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی ولادت کی وجہ سے شبہ کا قرآنی جواب 19

ولادت عیسیٰؑ سے متعلق مسیحی روایات 19

حضرت مسیحؑ کی مصر کی جانب ہجرت 21

تعلیم و تربیت 22

حضرت عیسیٰؑ کا دورِ نبوت 23

حضرت عیسیٰ کی اصلاح کی کوششیں اور یہود کی مخالفت 24

یہوداہ کی غداری 25

یسوع مسیحؑ کی گرفتاری 26

یہودیوں کی طرف سے مسیحؑ کی تکفیر اور صلیب سے متعلق مسیحی و اسلامی نقطہ نظر 27

خود آزمائی 30

جوابات 30

یونٹ کا تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالی کے بر گزیدہ بندے اور رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت سے کسی کو انکار نہیں۔ ہاں یہود نے آپ کی مخالفت کی اور اپنی فطرت کے مطابق شروع سے آخر تک آپ کو ستایا۔ آپ علیہ السلام کو اللہ جل شانہ نے بہت سارے معجزات عطا کئے۔ یہود نے ان معجزات کا مشاہدہ کیا لیکن اس کے باوجود انکار کرتے رہے۔ آپ علیہ السلام کی ولادت عام انسانوں کی ولادت جیسی نہ تھی، جو دراصل قدرت اور مشیت خداوندی کا نتیجہ تھی، جس سے آپ کے کمال کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا تھا، لیکن ان لوگوں نے اس سے غلط نتیجہ اخذ کیا اور نامناسب قسم کی باتیں کہنا شروع کیں۔ آپ علیہ السلام اور آپ کی والدہ محترمہ سے غلط اور ناروا باتیں منسوب کیں۔ (العیاذ باللہ) جس طرح آپ علیہ السلام کی ولادت عام قاعدہ سے ہٹ کر ہوئی اسی طرح آپ کی وفات بھی دوسرے انسانوں کی وفات سے مختلف رہی۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اٹھایا جبکہ یہود آپ کو صلیب پر لٹکانا چاہتے تھے۔ آپ علیہ السلام سے یہود کی مخالفت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ انہیں اپنی پیروی اور اطاعت کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے تئیں اہل شریعت سمجھ کر اس کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں! ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت موسی علیہ السلام آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ یہود نے حضرت عیسی علیہ السلام کے خلاف اتنا پروپیگنڈا کیا کہ اس کا اثر ان حضرات پر بھی ہوا جو آپ کے ماننے اور چاہنے والے کہلاتے ہیں۔ اس اثر کا اظہار انہوں نے زبانی بھی کیا اور تحریری بھی۔ قرآن مجید نے اس بارے میں صراحت کر دی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح ایک نبی ہیں۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کو (انجیل) بھی عطا ہوئی۔ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰؑ سے متعلق منفی عقائد کی سختی سے تردید کی۔ اس یونٹ میں حضرت عیسیٰؑ کی حیات و تاریخ پر جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. حضرت عیسیٰؑ کا تعارف اور قرآن مجید کی سورتوں میں ان کا تذکرہ کر سکیں۔
2. اناجیل اور قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کے مقام و مرتبے پر بحث کر سکیں۔
3. حضرت حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ ولادت، اور حضرت مریمؑ کی آغوشِ مادر میں حضرت عیسیٰؑ کے کلام کے واقعات بیان کر سکیں۔
4. حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا مقام، حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی ولادت کی وجہ سے شبہ کا قرآنی جواب، اور ولادت عیسیٰؑ سے متعلق مسیحی روایات کی تفصیل بیان کر سکیں۔

5 حضرت مسیحؑ کی مصر کی جانب ہجرت اور تعلیم و تربیت کے واقعات پر روشنی ڈال سکیں۔

6 حضرت عیسیٰؑ کے دورِ نبوت کے واقعات و نصائح پر روشنی ڈال سکیں۔

7 حضرت عیسیٰ کی اصلاح کی کوششیں، یہوداہ کی غداری اور گرفتاری کے واقعے کی تفصیل بیان کر سکیں۔

8 یہودیوں کی طرف سے مسیحؑ کی تکفیر اور صلیب سے متعلق مسیحی و اسلامی نقطہ نظر بیان کر سکیں۔

حضرت عیسیٰؑ کا تعارف

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں سے انتہائی ممتاز ہستی ہیں۔ ان کی ذات سے منسوب مذہب "مسیحیت" کے پیروکار دنیا میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ مسیحی عقیدہ تثلیث اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ مسیحیت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر چڑھ کے جمیع انسانیت کے گناہوں کے کفارے کو ادا کر دیا ہے۔ اس کے مد مقابل مسلمانوں کے عقائد کتاب و سنت کی بنیاد پر مسیحیوں کے عقائد سے مختلف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہونے والے آخری نبی تھے۔ آپؑ نے اپنی قوم کو خاتم الانبیاء، حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی خُوش خبری "فارقلیط" کے نام سے دی، جو کہ بائبل میں مذکور ہے، فارقلیط یونانی لفظ "پیر کلوتوس" سے مقرب ہے اور اس کا معنی تعریف کیا ہوا یعنی "احمد" ہے۔ یہ لفظ انجیل یوحنا ۱۶: ۷۔۱۵ میں بار بار استعمال ہوا ہے اور حضرت عیسیٰؑ نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی (سورۃ الصف ۶) حضرت عیسیٰ کی اس بشارت کو نقل کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید میں تذکرہ

قرآنِ کریم کی تیرہ سورتوں میں مختلف ناموں سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا تذکرہ موجود ہے۔ 26 مقامات پر عیسیٰ علیہ السّلام، 23 مقامات پر ابنِ مریمؑ، 11 جگہوں پر مسیحؑ اور ایک مقام پر عبداللہ کہا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی انیسویں سورہ "سورۂ مریم" حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدۂ محترمہ کے نام پر ہے، جس میں حضرت مریمؑ بنتِ عمران اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا قصّہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کس قسم کے حالات میں دُنیا میں تشریف لائے، اِن حالات کے بارے میں محمد تقی عثمانی نے اس طرح لکھا ہے : مکابیوں کی اس چھوٹی سے سلطنت سے قطع نظر، اس زمانے میں پوری یہودی قوم منتشر ہو چکی تھی ، بحیرہ روم کے آس پاس اُن کی مختلف آبادیاں قائم تھیں، بابل کی جلاوطنی کے اختتام پر یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد فلسطین میں آبسی تھی، لیکن اُن کی اکثریت بابل میں آباد تھی، فلسطین کے ایک حصہ پر رومیوں کی حکومت تھی، مگر یہ سلطنتِ روما کے تابع اور ماتحت تھے، یروشلم رومی حکومت کا ایک صوبہ تھا، مادی اسباب کے لحاظ سے یہودیوں کے لیے پھر آزاد فضا میں سانس لینے کا کوئی امکان نہ تھا ، اس لیے قدرتاً اِن کی نگاہیں مستقبل پر لگی ہوئی تھیں، ان میں سے بیشتر افراد خدا کی طرف سے ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے، جو

انہیں غلامی کی زندگی سے چھڑا کر پھر بادشاہت نصب کرے۔ یہ حالات تھے جب شہنشاہ روم اگستس کی بادشاہت اور یہودیہ ہیرودیس کی حکومت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پیدا ہوئے، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی کا کوئی مستند ریکارڈ اب ہمارے پاس موجود نہیں، صرف اناجیلِ ہی وہ چار کتابیں ہیں جنہیں آپؑ کی حیاتِ طیبہ معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن کی حیثیت کسی قابلِ اعتماد نوشتے کی نہیں ہے۔[1] قرآنِ کریم میں ارشاد ہے

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔[2]

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں (اور) تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا، پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد تقریباً چھے سو سال تک کوئی نبی نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور اُن پر آخری آسمانی کتاب، قرآنِ مجید نازل فرمائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر انجیل نازل فرمائی گئی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ-[3]

''اور ہم نے ان پیغمبروں کے بعد عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ کو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا اور ہم نے انجیل عطا کی۔ جس میں ہدایت اور نور تھا''۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا تعارُف ابو محمد عبدالحق نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :''عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں۔ بے باپ کے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کو پیدا کیا ہے وہ شب و روز دینِ حق کے پھیلانے میں مصروف تھے اس وقت کے یہودیوں کو اُن پر حسد آیا ایک مکان میں ان کو قتل کے لیے گھیر کر لے گئے، خدا کی قدرت سے چھت پھٹ گئی، عیسیٰ (علیہ السلام) کو ملائکہ آسمان پر لے گئے اور اُن میں سے ایک شخص جو عیسیٰ (علیہ السلام) کا ہم شکل تھا، اندر آیا، اس کو یہودیوں نے قتل کیا۔ پس تب سے عیسیٰ (علیہ السلام) آسمان پر ہیں دجّال کے قتل کے لئے دُنیا میں

---

[1] محمد تقی عثمانی، بائبل سے قرآن تک، مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1416ھ/1996، ج1، ص90

[2] سورۃ الصف 6:61

[3] سورۃ المائدہ 46:5

پھر تشریف آئیں گے"۔ابنِ جریر نے تحریر کیا ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر جب انجیل نازل ہوئی، تو آپؑ کی عُمر مبارک تیس سال تھی اور نبوّت کے تین سال بعد، یعنی تینتیس برس کی عُمر میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو آسمان پر اُٹھالیا''(بحوالہ ابنِ کثیر)۔[4]

اناجیل اور قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کا مقام و مرتبہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریمؑ نہایت نیک اور با عمل خاتون تھیں۔ سیدہ مریمؑ کی والدہ نے اُنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی کے لیے وقف کیا تھا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے وقف کو قبول فرماتے ہوئے سیدہ مریمؑ کے لیے روحانی ترقی اور مدارج کے دروازوں کو کھول دیا اور صاحبہ کرامت بھی بنادیا اور آپ کے پاس بے موسم کے پھل بھی آنے لگے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدہ مریم علیہاالسلام کو جہانوں کی عورتوں میں سے نہایت بلند مقام عطا فرمایا۔اس حقیقت کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ آل عمران میں یوں فرماتے ہیں: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔[5]

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے بر گزیدہ کیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور تجھے منتخب کیا ہے جہان کی عورتوں پر (ترجیح دے کر)''۔

انجیل متی میں حضرت مریم علیہاالسلام کا واقعہ یوں بیان ہوا ہے۔"اب یسوع کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی، اور ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا، اور اسے بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا، اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کا سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف بن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔ اس کا بیٹا ہو گا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہوا، کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی، بیٹا جنے گی، اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے، جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ، پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا، اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا، اور ان کو نہ جانا جب تک اس کے بیٹا نہ ہوا، اور اس کا نام یسوع رکھا۔[6]

انجیل لوقا میں مذکور ہے۔"جبرائیل فرشتہ چھٹے مہینے میں خدا کی طرف سے کلیل کے شہر جس کا نام ناصرہ تھا ایک

---

[4] ابو محمد عبدالحق، عقائد الاسلام، ص188تا192(ملخص) مطبع نامی مجتبائی، دہلی

[5] سورۃ آل عمران 42:3

[6] متی کی انجیل 26:18:1

کنواری کے پاس بھیجا گیا، جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف سے ہوئی تھی، اور اس کنواری کا نام مریم تھا، فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا: سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبر آ گئی، اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا: اے مریم: خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے، اور دیکھ تو حاملہ ہو گی، اور تیرا بیٹا ہو گا، اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہو گا اور خدا تعالی کا بیٹا کہلائے گا، اور خداوند اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا، اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہو گا۔ مریم نے فرشتہ سے کہا، یہ کیوں کر ہو گا، جب کہ میں مرد کو نہیں جانتی؟"[7]

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:

انجیل متی میں فرشتہ نے یوسف کو مسیح کا نام رکھنے کی ہدایت کی۔ جب کہ انجیل لوقا میں یہ ہدایت مریم کو دی گئی۔ لوقا کی رو سے فرشتہ نے حضرت مریم کو یسوع کی پیدائش کی بشارت دے کر کہا تھا کہ اس کے جد امجد حضرت داؤد کا تخت خدا کی طرف سے یسوع کو ملے گا، اور وہ ہمیشہ کے لیے یعقوب کے گھرانے پر بادشاہی کرے گا، لیکن تاریخ شاہد ہے، کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو تخت داؤد پر بیٹھنے کا موقع نہ ملا۔ متی ولوقا دونوں کی رو سے حضرت مریم کی یوسف کے ساتھ محض منگنی ہوئی تھی، پھر فرشتہ نے مریم کو یوسف کی بیوی سمجھتے ہوئے یسوع کی پیدائش کی بشارت کیسے دی؟ سورۂ مریم کی آیات 16 سے 35 کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کر جب کہ وہ اپنے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی مقام میں جا بیٹھی۔ پھر لوگوں کے سامنے سے پردہ ڈال لیا، پھر ہم نے اس کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا پھر وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہا بے شک میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیز گار ہے۔ کہا میں تو بس تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے پاکیزہ لڑکا دوں۔ کہا میرے لیے لڑکا کہاں سے ہو گا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ کہا ایسا ہی ہو گا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے، اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں، اور یہ بات طے ہو چکی ہے۔ پھر اس (بچہ کے ساتھ) حاملہ ہوئی پھر اسے لے کر کسی دور جگہ میں چلی گئی۔ پھر اسے دردِ زہ ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا، کہا اے افسوس میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور میں بھولی بھلائی ہوتی۔ پھر اسے اس کے نیچے سے پکارا کہ غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ پیدا کر دیا۔ اور تو کھجور کے تنہ کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر پکی تازہ کھجوریں گریں گی۔ پس کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی کر،

پھر اگر تو کوئی آدمی دیکھے تو کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزہ کی نذر مانی ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ پھر وہ اسے قوم کے پاس اٹھا کر لائی، انہوں نے کہا اے مریم البتہ تو نے عجیب بات کر دکھائی۔۔[8]

حضرت مریمؑ بیتُ المقدِس سے متصل حجرے میں قیام پذیر تھیں۔ ایک دن وہ مسجد کے مشرقی کونے میں عبادت یا کسی اور مقصد سے تشریف لے گئیں اور پردہ کر لیا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حسبِ عادت یک سوئی کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونے کے لیے حجرے کے مشرقی جانب کسی گوشے میں تشریف لے گئیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے منقول ہے کہ نصاریٰ نے جو مشرق کی جانب اپنا قبلہ بنایا اور اُس جانب کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، اُس کی یہی وجہ ہے۔ حضرت مریمؑ اُس گوشے میں تنہا تھیں کہ اچانک حضرت جبرائیل امینؑ انسانی شکل میں تشریف لائے۔ حضرت مریمؑ نے ایک اجنبی شخص کو یوں اپنے قریب دیکھا، تو گھبرا گئیں اور کہنے لگیں "میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تُو اللہ سے ڈرتا ہے، تو یہاں سے چلا جا۔" حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا" تم مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تو پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دینے کی خُوش خبری لے کر آیا ہوں۔" حضرت مریمؑ نہایت حیران اور پریشان ہوئیں اور تعجّب سے فرمایا" بھلا میرے ہاں بچّہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ "حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا" ہاں! بات تو یہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " یہ میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرتِ تخلیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمہارے باپ، آدمؑ کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمہاری ماں، حوّا کو صرف مرد سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السّلام کو پیدا کر کے چوتھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے، صرف بغیر مرد کے پیدا کرنا۔" دراصل، اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہیں، وہ جب جہاں اور جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ بے جان چیز سے جان دار کو پیدا کر سکتے ہیں اور جان دار سے بے جان۔

حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ ولادت

بیٹے کی بشارت کے بعد حضرت جبرائیلؑ نے آپؑ پر پھونک ماری اور وہاں سے چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت مریمؑ کو بچّے کی پیدائش کے آثار محسوس ہونے لگے۔ جیسے جیسے پیدائش کے دن قریب آتے جا رہے تھے، آپؑ کی پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جب پیدائش کا وقت قریب آیا، تو آپؑ لوگوں کے خوف سے بیتُ المقدِس سے تقریباً 9 میل دُور جنگل کی جانب ایک پہاڑی "کوہِ سراۃ" کی جانب چلی گئیں۔ یہی وہ جگہ ہے، جو بعد میں "بیت اللحم" کہلائی۔ جب دردِ زہ شروع ہوا، تو

[8] سورۃ مریم 19:16-35

آپؑ ایک کھجور کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ زچگی کی تکلیف کی شدّت اور دُنیا والوں کے خوف نے آب دیدہ کر دیا۔ کہنے لگیں "کاش! میں اِس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔ "علماء فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے موت کی آرزو اس لیے کی کہ وہ عزیز و اقارب، خاندان، برادری اور لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکیں گی، جب کہ کوئی اُن کی صداقت کی تصدیق کرنے والا بھی نہیں۔ اُن کی شہرت ایک نیک، پارسا اور زاہدہ کے طور پر تھی۔ لہٰذا، اُن کے لیے یہ تصوّر ہی بڑا رُوح فرسا اور تکلیف دہ تھا کہ لوگ اُنہیں بدکار سمجھیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت یقیناً انسانی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر قرآن مجید کے مختلف مقامات پر فرماتے ہیں جن میں سے اہم مقام سورہ مریم کا ہے۔ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۔ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ [9]

"اور ذکر کیجئے کتاب میں مریم کا جب وہ الگ ہوئی اپنے گھر والوں سے ایک جگہ میں مشرق کی جانب۔ پھر اس نے بنالیا ان کی طرف سے ایک پردہ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنی روح (فرشتے) کو تو اس نے شکل اختیار کی اس کے سامنے ایک کامل انسان کی۔ (مریم نے) کہا بے شک میں پناہ چاہتی ہوں رحمان کی تجھ سے اگر ہے تو کوئی ڈر رکھنے والا۔ (فرشتے نے) کہا بے شک میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا تاکہ میں عطا کروں تجھے پاکیزہ لڑکا۔ (مریم نے) کہا کیسے ہو گا میرے ہاں کوئی لڑکا حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہیں ہوں میں بدکار۔ (فرشتے نے) کہا اسی طرح (ہی ہو گا) تیرے رب نے کہا ہے وہ مجھ سے آسان ہے' اور تاکہ ہم بنادیں اسے ایک نشانی لوگوں کے لیے اور رحمت (بنادیں) اپنی طرف سے اور ہے (یہ) معاملہ طے شدہ"۔

اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے حالات تضادات کا شکار ہیں۔ اس لیے ان سے پیدائش کے صحیح صحیح حالات معلوم کر لینا مشکل کام ہے۔ اناجیل کے بیانات سے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے: "یسوع کی پیدائش کی تاریخ اور جائے پیدائش غیر یقینی ہے۔ مرقس اور یوحنا (اپنی اناجیل میں) ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھتے۔ ہماری معلومات کے ذرائع صرف یسوع کی پیدائش اور بچپن کے وہ بہت زیادہ متضاد بیانات ہیں جن میں ایک طرف تو متی ابواب ۱ اور ۲ وہ افسانوی کہانی ہے جس میں یسوع مسیح کی پیدائش اور بچپن کو ہیرو ڈاوّل کے عبد اور اس کی حکومت بدلنے (۴ ق م) سے منسوب کیا گیا ہے، اور دوسری طرف لوقا باب ۲ کی رو سے یسوع کی پیدائش شہنشاہ اوگسٹس کے عہد میں یہودیا میں ہونے والی مردم شماری (۶ء) سے

---

[9] سورۃ مریم 19:16-21

منسوب کی گئی ہے۔[10] یہاں یہ بات محل نظر رہے، کہ ہیرو ڈ بادشاہ جس کے عہد میں اناجیل میں یسوع کی پیدائش بیان کی گئی ہے یسوع کے پیدا ہونے سے چار یا دس برس قبل انتقال کر چکا تھا۔

حضرت مریمؑ کی آغوشِ مادر میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام

ابھی حضرت مریمؑ اَن جانے اندیشوں اور وسوسوں میں گھری ہوئی تھیں کہ حضرت جبرائیلؑ نے وادی کے نیچے سے آواز دی ''اے مریمؑ! پریشان نہ ہو، تمہارے پروردگار نے تمہارے قدموں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور ذرا اس کھجور کے درخت کو ہلاؤ، دیکھو یہ تمہارے سامنے تروتازہ کھجوریں گرادے گا۔ اب تم اطمینان کے ساتھ یہ تازہ کھجوریں کھاؤ، چشمے کا پانی پیو اور بچّے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اگر تمہیں کوئی انسان نظر پڑ جائے، تو اشارے سے کہہ دینا کہ ''میں نے روزہ رکھا ہوا ہے، میں آج کسی شخص سے بات نہیں کر سکتی۔ ''اُس وقت کی شریعت میں روزے میں کھانے پینے کے ساتھ بولنا بھی منع تھا۔ حضرت جبرائیلؑ کے اس پیغام سے حضرت مریمؑ کو اطمینان اور تسلّی ہو گئی کہ اب میرا ربّ مجھے بدنامی اور رُسوائی سے بچالے گا۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ ولادت کے چالیس روز بعد جب طہارت ہو چکی، تو حضرت مریمؑ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آئیں۔ لوگ نومولود بچّے کو گود میں دیکھ کر حیران رہ گئے اور بدگمان ہو کر بولے ''اے مریمؑ! یہ تو، تُو نے بڑے گناہ کا کام کیا، نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔''حضرت مریمؑ نے جبرائیل امینؑ کی ہدایت کے مطابق بچّے کی طرف اشارہ کر دیا۔ روایت میں ہے کہ جب خاندان نے حضرت مریمؑ کو ملامت کرنا شروع کیا، تو اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام دُودھ پی رہے تھے۔ جب اُنہوں نے لوگوں کی ملامت بَھری باتیں سُنیں، تو دُودھ پینا چھوڑ دیا اور اپنی بائیں کروٹ پر سہارا لے کر اُن کی جانب متوجّہ ہوئے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا''انّی عبداللہ''یعنی ''میں اللہ کا بندہ ہوں''اور پھر اللہ کی طرف سے نبوّت اور کتاب ملنے کی خبر دی۔ اُس کے بعد فرمایا''اللہ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا پابند بنایا اور جب تک میں زندہ ہوں، مجھے اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور اللہ کی سلامتی ہے مجھ پر، جب میں پیدا ہوا، جب میں مروں گا اور جب دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا''(سورۂ مریم)۔ لوگوں نے جب نومولود بچّے کے منہ سے یہ الفاظ سُنے، تو حیرت زدہ رہ گئے اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ بی بی مریمؑ پاک دامن ہیں اور یہ بچّہ، اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اس واقعے کے بعد خاندان اور بنی اسرائیل کے سمجھ دار لوگ دونوں کی بڑی عزّت کرنے لگے اور اُنہیں خیر و برکت کا باعث سمجھنے لگے۔

سورہ مریم میں ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اس بات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام اپنی

---

[10] Encyclopedia Britannica, Vol.10. p. 128

قوم کی طرف آئیں تو قوم کے لوگوں نے آپ کی کردار کشی کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی جناب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوت گویائی عطا فرمادی اور آپ نے اپنی ولادت باسعادت کو بڑے ہی خوبصورت انداز میں بیان فرمادیا۔

اس حقیقت کا بیان سورہ مریم کی آیت نمبر 27 سے 31 میں کچھ یوں ہوا:

"پھر وہ لے کر آئی اس کو اپنی قوم کے پاس اُسے اٹھائے ہوئے' انہوں نے کہا اے مریم! بلاشبہ یقیناً تو نے کیا ہے کام بہت بُرا۔ اے ہارون کی بہن نہیں تھا تیرا باپ بُرا آدمی اور نہیں تھی تیری ماں بدکار۔ تو اس نے اشارہ کیا اس (بچے) کی طرف' وہ کہنے لگے کیسے ہم کلام کریں (اس سے) جو ہے گود میں بچہ۔ (بچے نے) کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے دی ہے مجھے کتاب اور بنایا ہے مجھے نبی اور بنایا ہے مجھے بابرکت جہاں کہیں (بھی) میں ہوں اور اس نے مجھے وصیت کی ہے نماز اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ"۔ [11]

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا مقام

جودیہ کے پہاڑوں میں واقع "بیتُ اللحم"، فلسطین کا ایک بہت بڑا گاؤں ہے، جو سطحِ سمندر سے 800 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ بیتُ اللحم کے جنوب میں چند میل کی مسافت پر کوہِ سراۃ (کوہِ ساعیر) کے دامن میں وہ تاریخی مقام ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ اس غار سے متصل کونے میں ایک پتھر نصب ہے، جس میں ایک گول سوراخ ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس جگہ کھجور کا وہ درخت تھا، جس کے متعلق قرآنِ مجید میں مذکور ہے کہ "اے مریمؑ! اسے ہلاؤ، تو کھجوریں گریں گی"

حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی ولادت کی وجہ سے شبہ کا قرآنی جواب

سیدنا مسیح علیہ السلام کی معجزاتی ولادت کی وجہ سے بہت سے لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام حمید میں اس شبہ کو انتہائی خوبصورت انداز میں دور فرمادیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 59 میں ارشاد فرماتے ہیں: إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔ [12]

"بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے ہاں آدم کی مثال کی طرح ہے (کہ) اس نے پیدا کیا اسے مٹی سے پھر کہا اس کو "ہو جا" تو وہ ہو گیا"۔

ولادت عیسیٰؑ سے متعلق مسیحی روایات

عیسائیت من حیث المذہب حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی کی طرف منسوب ہے، جو کہ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے

---

[11] سورۃ مریم 19:27-31

[12] سورۃ آل عمران 3:59

آخری نبی اور حضرت مریم علیہاالسلام کے بیٹے ہیں۔ان کی پیدائش معجزانہ انداز میں بغیر باپ کے ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور جوانی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے تاہم جو کچھ حالات ہمیں اناجیل اور عیسائی روایات سے دستیاب ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔ عیسائی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نامی ایک شخص سے ہو چکی تھی۔ جس فرشتے نے حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی خوشخبری دی تھی اسی فرشتے نے حضرت مریم کو نویدِ ولادت سنائی تھی۔ جب یوسف نے یہ بات سنی تو منگنی توڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان کو بھی فرشتہ دکھائی دیا اور وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ عہد نامہ جدید میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں لکھا ہے۔

اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ بی بی مریم کا شوہر تھے جن سے سیدنا عیسیٰ پیدا ہوئے جو "مسیح" کہلاتے ہیں۔[13]

انجیل متی میں سیدنا عیسیٰ المسیح کی ولادتِ مبارک سے متعلق مذکور ہے۔

اب سیدنا عیسیٰ المسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بتولہ کی منگنی حضرت یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روحِ پاک کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں۔ پس ان کے شوہر حضرت یوسف نے جو متقی اور پرہیزگار تھے اور آپ کو بدنام کرنا نہیں چاہتے تھے آپ کو چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہے تھے کہ پروردگار کے فرشتہ نے آپ کو خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد! اپنی زوجہ مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈرو کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح پاک کی قدرت سے ہے اس کے بیٹا ہو گا اور تم اس کا نام عیسیٰ رکھنا وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دے گا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو پروردگار نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ۔ پس حضرت یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا اللہ و تبارک تعالیٰ کے فرشتہ نے انہیں حکم دیا تھا اور آپ اپنی زوجہ محترمہ کو اپنے ہاں لے آئے۔ اور انہیں نہ جانا جب تک آپ کے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام عیسیٰ رکھا۔[14]

عیسائی روایات کے مطابق جہاں تک کنوارپن میں مسیح کی پیدائش کا تعلق ہے تو اس چیز پر وہ متفق ہیں لیکن انہوں نے اس پر رخصتی کا اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان کی روایات کے مطابق مریم کی رخصتی یوسف کے ساتھ ہو چکی تھی۔ حضرت مسیح کی پیدائش سے پہلے رومی حاکم نے تمام یہودیوں کو یروشلم لے جا کر اپنے نام درج کرانے کی ہدایت کی تاکہ مردم

---

[13] کتاب متی 16:1

[14] انجیل متی 1:18-25

شماری ہو سکے۔ حضرت مریم اور یوسف کو بھی وہاں جانا پڑا۔ راستے میں جب وہ بیت اللحم (Batlahem) کے قریب پہنچے جو یروشلم اور ناصرہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے تو مریم پر آثارِ ولادت نمایاں ہوئے۔ چنانچہ وہ ایک علیحدہ اور بے آباد جگہ پر چلی گئیں جو اصطبل نما تھی اور یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔

حضرت مسیحؑ کی مصر کی جانب ہجرت

حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ گود میں بات چیت کے بعد کلام کرنے سے رُک گئے تھے، پھر جب لڑکپن کو چُھونے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی زبان پر حکمت اور دانائی کی باتیں جاری کر دیں۔ جب آپؑ سات سال کے ہوئے، تو حضرت مریمؑ نے آپؑ کو معلّم کے پاس درس گاہ میں بھیجنا شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بچپن ہی میں اللہ کی طرف سے الہام کردہ عجائبات کا نظارہ کرتے تھے۔ یہ بات یہودیوں میں پھیل گئی، تو اُنہوں نے آپؑ کے خلاف منصوبے بنانے شروع کر دیئے، حالاں کہ آپؑ کے خاندان کے لوگ آپؑ کی اور حضرت مریمؑ کی بہت عزّت کرتے تھے۔ یہود نے آپؑ اور آپؑ کی والدہ کے متعلق طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب حضرت زکریا علیہ السّلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے، لیکن یہود اپنی سابقہ روایات اور عاداتِ خبیثہ کے باعث حضرت زکریا علیہ السّلام کی نافرمانی اور اُن کی تکذیب کرتے تھے۔ اُن لوگوں نے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر مشرکانہ طور طریقے اختیار کر لیے تھے، یہاں تک کہ اپنی خواہشات کے مطابق تورات میں بھی بہت زیادہ ردّوبدل کر لیا تھا۔

اُن کے عقائد و اعمال دن بدن بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ جب بیت المقدِس کے حالات خراب ہونے لگے، تو حضرت مریمؑ آپؑ کو لے کر اپنے عزیزوں کے پاس مصر چلی گئیں۔ تیرہ سال بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مصر سے واپس ہوئیں۔ پھر اللہ نے آپؑ کو انجیل عطا فرمائی اور تورات کی تعلیم دی۔ اس کے علاوہ، مُردوں کو زندہ کرنا، کوڑھیوں کو صحیح کرنا اور دُوسرے معجزات سے نوازا۔ اس سلسلے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ کچھ مجوسی جو فارس کے علاقے کے رہنے والے تھے وہ اس جگہ پہنچے اور کہا کہ ہم نے ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوتے دیکھا ہے جو لامحالہ اس بچے کا ہے جو یہودیوں کا بادشاہ ہو گا۔ جب انہوں نے مسیح کو دیکھا تو اس کی تصدیق کی۔ حکمرانوں نے جب مسیح کی ولادت اور معجزاتی کیفیات کے بارے میں سنا تو ہیراڈ (Harod) نے یہودی بچوں کو قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ انجیل متی میں مسیح کی مصر کی جانب ہجرت کے بارے میں مرقوم ہے۔ "جب وہ روانہ ہو گئے تو دیکھو اللہ و تبارک تعالیٰ کے فرشتہ نے حضرت یوسف کو کشف میں دکھائی دے کر کہا اٹھو، بچے اور اس کی والدہ کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جاؤ اور جب تک

کہ میں تم سے نہ کہوں وہیں رہنا کیوں کہ ہیرودیس اس بچے کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے"۔[15] اس حکم کو سننے کے بعد یوسف مریم اور بچے کو لے کر مصر کے علاقے کی طرف چلے گئے، انہوں نے پانچ چھ ماہ کا عرصہ وہیں گزارا یہاں تک کہ موجودہ حاکم مر گیا اس کی وفات کے بعد ناصرہ آ کر مقیم ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا کوئی گھر تھا اور نہ ہی بیوی بچّے۔ آپؑ شہر شہر، قریہ قریہ دینِ حق کی تبلیغ فرماتے اور لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے۔ حسبِ ضرورت اپنے معجزات سے اُن کی مدد بھی فرماتے، لیکن ان سب کے باوجود یہودیوں کی اکثریت آپؑ کو اذیّت دینے اور تکذیب کرنے سے باز نہ آتی۔ دراصل، بنی اسرائیل آپؑ کی نبوّت کے منکر رہے۔ البتہ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور تھے، جو آپؑ کے پیروکار اور ہم درد و غم خوار تھے۔ وہ آپؑ کے ساتھ دین کے کام میں مشغول رہتے۔ قرآنِ کریم نے اُنہیں "حواری" کے نام سے یاد کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡہُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ۚ وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ۔[16]

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اُن کا کفر محسوس کر لیا، تو کہنے لگے "اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟" حواریوں (حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مخلص ساتھیوں) نے جواب دیا "ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں (آپؑ کے) مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابع دار ہیں"

تعلیم و تربیت

مسیح چونکہ یہودی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کی تعلیم و تربیت ایک اچھے یہودی کی طرح کی گئی کیونکہ ان کا گھرانہ مذہبی تعلیمات پر کاربند تھا، اس لئے باقاعدہ حصولِ تعلیم کا بندوبست کیا گیا، انہیں نیک شعار بنانے کی تلقین کی گئی۔ ان کی زندگی کے اس دور کے واقعات کا بہت کم علم ہے۔ مسیحی روایات کے مطابق بارہ سال کی عمر میں پاسور (Passover) یا عید فصح کے مذہبی تہوار کا ایک واقعہ کا تذکرہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ مریم اور ان کے شوہر یوسف کے ساتھ یروشلم کا سفر کیا۔ عید فصح وہ موقع ہوتا تھا جب تمام یہود یروشلم کے مرکزی عبادت خانے میں جمع ہوتے تھے مذہبی رسوم اور قربانیاں ادا کی جاتی تھیں یہاں انہوں نے علماء سے ایسی باتیں کیں جن سے ان کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سینٹ لوقا نے اپنی انجیل میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مسیح یروشلم گئے تو تقریبات کے ختم ہونے کے بعد یروشلم میں ہی ٹھہرے رہے، والدہ اور ان کا شوہر لاعلمی میں جب ایک دن کا سفر کر چکے تو تلاش کرنے لگے اور مسیح قافلہ والوں میں نہ ملے اس پر وہ واپس یروشلم آئے اور تین

---

[15] انجیل متی باب 13:2

[16] سورۃ آل عمران 52:3

دنوں کی تلاش کے بعد انہوں نے مسیح کو ہیکل میں ڈھونڈ لیا جہاں وہ یہودی عالموں کی باتیں سن رہے تھے اور ان کو سوال کر رہے تھے، انجیل لوقا میں ملاحظہ ہو۔

جب آپ کے والدین نے آپ کو دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا: بیٹا تم نے ہم سے ایسا کیوں کیا؟ تمہارے والد اور میں تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے پریشان ہو گئے، آپ نے ان سے پوچھا: آپ مجھے کیوں ڈھونڈتے پھرتے تھے؟ کیا آپ کو معلوم نہ تھا کہ میرا اپنے پروردگار کے گھر میں (یعنی بیت اللہ) ہونا ضروری ہے۔، لیکن وہ سمجھ نہ پائے کہ وہ ان سے کیا فرما رہے ہیں۔[17]

اس واقعے کے بعد مسیح علم اور جہالت نیز خدا اور بندے کے درمیان تعلق کے بارے میں ارتقائی منازل طے کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہو گئی۔ آپ کے پیشہ کے بارے میں کتاب مقدس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے والدین اور بہن بھائیوں کا پیٹ پالنے کے لئے بڑھئی کا کام شروع کر دیا تھا۔ انجیل مرقس میں لکھا ہے: ''جب سبت کا دن آیا تو یسوع عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اور بہت لوگ حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ باتیں اس میں کہاں سے آ گئیں اور یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گئی اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور شمعون کا بھائی ہے.... پس انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا: نبی اپنے وطن اور رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا''۔[18]

حضرت عیسیٰؑ کا دورِ نبوت

۳۰ سال کی عمر میں روایات کے مطابق آپ ناصرہ سے بیت عبارہ کے علاقے کی طرف گئے جو یروشلم سے ۱۸ میل کے فاصلے پر تھا۔ حضرت یحییٰ اس دوران ایک نیک انسان کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکے تھے جب یہ یحییٰ کے پاس پہنچے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کو بپتسمہ دیا، اسی بارے میں انجیل مرقس میں لکھا ہے۔ "جب لوگ بڑے شوق سے منتظر تھے اور دل ہی دل میں سوچ رہے تھے ہو نہ ہو یہ یحییٰ ہی مسیح ہے تو حضرت یحییٰ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: میں تو تمہیں پانی سے اصطباغ دیتا ہوں لیکن وہ مجھ سے بھی زیادہ زور آور ہیں اور آنے والے ہیں۔ میں تو اس لائق بھی نہیں کہ ان کی جوتیوں کے تسمے کھول سکوں۔ وہ تمہیں پاک روح اور آگ سے اصطباغ دیں گے"۔[19] یہ بیعت یا خلافت حاصل کرنے کے بعد مسیح جنگل کی

---

[17] انجیل لوقا 2:48-50

[18] انجیل مرقس 6:2-3

[19] انجیل لوقا 2:15-16

طرف چلے گئے اور بحیرہ مردار کے نزدیک جو بنجر اور سنسان علاقہ ہے، وہاں گھومتے رہے۔ چلہ کشی اور ریاضت کی، رہبانیت کی تعلیم ہمیں مسیح کی زندگی کے اسی دور سے ملتی ہے جو بعد میں عیسائیت کا شعار بن گئی۔ عیسائی روایت کے مطابق انہوں نے ۴۰ دن رات خواہشاتِ نفس کے خلاف مجاہدہ کیا۔ مسیحی روایات میں یہ الفاظ بھی استعمال کئے جاتے ہیں کہ وہ بدی کے ساتھ چالیس دن تک زور آزمائی کرتے رہے۔

نبوت کے اس عرصے میں عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت ایک رسول اور مصلح کے متعارف ہو چکے تھے اور ایک ایسی شخصیت کے طور پر جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی تھی اور دُکھی انسانیت کو سکون ملتا تھا۔ دوسری طرف یہودی علماء کے ساتھ عید فصح کی تقریبات کے دوران ان کے مباحث اور جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے، دین کو رسومات کا گورکھ دھندا بنانے پر بحثیں بھی ہوتی تھیں جس نے عوام کو مذہب سے ہی دور کر دیا تھا اس وجہ سے آپ کی مخالفت بڑھتی جا رہی تھی اور مسیح کو یہ اندازہ تھا کہ ان کے حالات شاید یحییٰ سے بھی زیادہ دشوار ہوں گے، آپ اپنے شاگردوں کو لے کر کفر نحوم کے مغربی حصے میں کانا(Kana) جگہ کے قریب ٹھہرے اور وہاں ایک پہاڑی پر وعظ دیا، یہ وعظ مسیح کی طویل ترین تقاریر میں سے ہے، اسے "Sermon of the Mount" کہتے ہیں اس میں گزشتہ شریعتوں کی تعلیمات کا تذکرہ کر کے پھر اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جہاں ظاہر داری غالب آ چکی تھی وہاں اصل حقیقت کو آپ نے روشناس کرا دیا۔ یہ واقعہ آپ کے رفع آسمان سے کچھ ماہ پہلے کا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان سے چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری نیکی فقیہوں اور فریسیوں کی نیکی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے"۔[20]

حضرت عیسیٰ کی اصلاح کی کوششیں اور یہود کی مخالفت

تبلیغ کے ان سالوں میں کہیں مستقل سکونت اختیار کرنے کی بجائے آپ نے زیادہ تر سفر اختیار کیا، ان

---

[20] انجیل متی 5:17-20

اسفار کی تفصیلات اناجیل اربعہ میں مذکور ہیں۔ لیکن ہر سال عید فصح کے موقع پر یروشلم ضرور جاتے تھے، سفر کے دوران معجزات دکھانے سے ان کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ عامۃ الناس میں ان کے ساتھ ہمدردی اور نیکی کا جو جذبہ پیدا ہو چکا تھا، اس نے بھی لوگوں کے قلوب واذہان پر اثرات چھوڑے۔ یہ جہاں کہیں جاتے لوگ پہلے ہی سے وہاں اکٹھے ہو جاتے تاکہ آپ کی باتوں سے مستفید ہو سکیں۔ اعلیٰ اخلاق وروحانی عظمت اور شہرت دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ کہیں وہ مسیح موعود تو نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ اُمیدیں وابستہ کرنی شروع کر دیں کہ اب یہ ہتھیار اٹھائیں گے اور رومیوں سے لڑائی کے بعد یہودیوں کی عظمت رفتہ اور دینی ودنیاوی سیادت واپس لائیں گے۔ مسیح چونکہ اخلاقی برائیوں کی مذمت کرتے تھے اس لئے یروشلم کے تمام یہودی علماء آپ کے خلاف تھے، ان کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں لوگ خود یہودی علماء پر تنقید شروع نہ کر دیں۔ انجیل یوحنا میں مرقوم ہے۔

"پس امام اعظم اور دینی علماؤں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے۔ اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور رومی آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے۔ اور ان میں سے کائفا نام کے ایک شخص نے جو اس سال امام اعظم تھا ان سے کہا تم کچھ نہیں جانتے۔ اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ ساری امت ہلاک ہو۔ مگر اس نے یہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ اس سال امام اعظم ہو کر نبوت کی کہ سیدنا عیسیٰ اس امت کے واسطے مریں گے۔ اور نہ صرف اس قوم کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے پراگندہ فرزندوں کو جمع کر کے ایک کر دے۔ پس وہ اسی روز سے آپ کو قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے"۔[21]

مسیحی روایات کے مطابق نبوت کا قطعی دور تو معین نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اندازاً یہ تین سال سے زائد نہیں تھا، اس عرصے میں وہ بیماروں کو تندرست کرتے رہے اور لوگوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر پھرتے رہے۔ اس دور میں اگرچہ بہت سے واعظ اور مبلغین موجود تھے، لیکن جو کچھ مسیح کرتے تھے وہ ان سے کہیں بالاتر تھا۔ وہ غریب اور حقیر لوگوں کے پاس جاتے اور غمزدوں کو تسلی دیتے۔

یہوداہ کی غداری

انجیل متی میں یہوداہ کی غداری کے بارے میں لکھا ہے۔ اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا امام اعظم کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اسے (یعنی سیدنا عیسیٰ) کو تمہارے حوالہ کرا دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اسے تیس

---

[21] انجیل یوحنا 11:47-53

دینار تول کر دے دیئے۔اور وہ اس وقت سے آپ کے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔[22]

اس واقعے کی تفصیل انجیل مرقس میں یوں مرقوم ہے۔

"پھر یہوداہ اسکریوتی جو ان بارہ میں سے تھا امام اعظم کے پاس چلا گیا تا کہ سیدنا عیسیٰ المسیح ان کے حوالہ کر دے۔وہ یہ سن کر خوش ہوئے اور اس کو روپے دینے کا اقرار کیا اور وہ موقع ڈھونڈنے لگا کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو پکڑوا دے۔۔۔جب شام ہوئی تو آپ ان بارہ کے ساتھ آئے۔جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے تو سیدنا عیسیٰ المسیح نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوائے گا۔وہ دل گیر ہونے اور ایک ایک کر کے آپ سے کہنے لگے کیا میں ہوں؟ آپ نے ان سے فرمایا کہ وہ بارہ میں سے ایک ہے جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے۔کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا جاتا ہی ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے! اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا"۔[23]

یسوع مسیحؑ کی گرفتاری

اس کی تفصیل میں انجیل مرقس میں لکھا ہے کہ جب آپ کی گرفتاری کے لئے یہودی آئے تو آپ کے تمام حواری آپ کو اکیلا چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ملاحظہ ہو

آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ فی الفور یہوداہ جو ان بارہ میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے امام اعظم اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آ پہنچی۔آپ کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا۔وہ آ کر فی الفور آپ کے پاس گئے اور کہا اے ربی! اور آپ کے بوسے لئے۔انہوں نے آپ پر ہاتھ ڈال کر آپ کو پکڑ لیا۔ان میں سے جو پاس کھڑے تھے ایک نے تلوار کھینچ کر امام اعظم کے نوکر پر چلائی اور اس کا کان اڑا دیا۔سیدنا عیسیٰ المسیح نے ان سے فرمایا کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ میں ہر روز تمہارے پاس بیت اللہ میں درس دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا۔لیکن یہ اس لئے ہوا ہے کہ نوشتے پورے ہوں اس پر سب صحابہ کرام آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے، مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے آپ کے پیچھے ہو لیا۔اسے لوگوں نے پکڑا۔مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔[24]

---

[22] انجیل متی 26:14-16

[23] انجیل مرقس باب 14:10-11 اور 17-20

[24] انجیل مرقس باب 14:43-49

یہودیوں کی طرف سے مسیحؑ کی تکفیر اور صلیب سے متعلق مسیحی و اسلامی نقطہ نظر

نبوت کے تیسرے سال بھی عید فصح کے موقع پر آپ یروشلم آئے اور یہاں سے ۳ میل کے فاصلے پر باتھانائی (Bathany) نامی گاؤں میں اپنے ایک دوست نزاعرس (Nazaurs) کے ہاں قیام کیا۔ اس ہفتے کے دوران جو کچھ آپ نے کہا اور جہاں جہاں گئے، عیسائیوں نے اس کی جزوی تفصیلات کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ عیسائی اس ہفتے کو ہولی ویک (Holy Week) یا (Passion Week) کا نام دیتے ہیں۔ اس ہفتے کے دوران ایک روز بہت سے یہودی علماء سازش کے تحت ان کے پاس جمع ہوئے، اور آپ سے ایسے سوالات کئے جن کے جوابات میں آپ کی حق گوئی کی بناء پر آپ سے رومی حکومت کے خلاف کوئی بات کہلوا کر آپ پر بغاوت کا جرم عائد کروانا اور کفر کا فتویٰ لگا کر آپ کو اپنے راستے سے ہٹانا تھا۔

کتاب متی میں لکھا ہے۔ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا اور رومی عدالت سے ان کے قتل کا فیصلہ حاصل کیا۔ جب رومی حاکم پیلاطس نے ان سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمھاری خاطر یسوع اور براباّ ڈاکو دونوں میں سے کس کو رہا کروں تو ان کے پورے مجمع نے بالاتفاق پکار کر کہا براباّ کو چھوڑ دے اور یسوع کو پھانسی پر لٹکا دو۔[25]

رومی حکومت نے تیس کے قریب یہودی علماء پر مشتمل ایک جیوری تشکیل دے کر اس کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ شریعت موسوی کے مطابق فیصلے کر سکیں، جن کا عملی نفاذ رومی عہدے دار کرتے تھے۔ یہودی جب ان کے پاس آئے تو رومی حکومت کو ادا کئے جانے والے ٹیکس کے بارے میں دریافت کیا، اس کے علاوہ مختلف پہلوؤں سے ان پر تنقید کر کے ایک چارج شیٹ بنائی اور فتویٰ کفر صادر کر دیا۔ فیصلہ کرنے میں یہودیوں نے خود بھی جلد بازی کی اور حاکم کو بھی فیصلہ کے نفاذ میں جلدی کرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اناجیل کے مطابق مسیح کو صلیب دے دی گئی عیسائی اس دن کو (Good Friday) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل انجیل متی میں یوں مذکور ہے۔ "جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے بیگار میں پکڑا کہ آپ کی صلیب اٹھائے۔ اور اس جگہ جو گلگتا یعنی کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے پہنچ کر۔ پِت ملی ہوئی مے آپ کو پینے کو دی مگر آپ نے چکھ کر پینا نہ چاہا۔ اور انہوں نے آپ کو مصلوب کیا اور آپ کے کپڑے قرعہ ڈال کر بانٹ لئے۔ اور وہاں بیٹھ کر آپ کی نگہبانی کرنے لگے۔ اور آپ کا الزام لکھ کر آپ کے سر سے اوپر لگا دیا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ عیسیٰ ہے۔ اس وقت آپ کے ساتھ دو ڈاکو مصلوب ہوئے۔ ایک دہنے اور ایک بائیں۔ اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر آپ کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تم ابن اللہ ہو تو صلیب پر سے اتر آؤ۔

---

[25] انجیل متی باب 27:20-26

اسی طرح امامِ اعظم بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے۔ اس نے اوروں کو بچایا، اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے۔ اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑا لے کیونکہ اس نے کہا تھا میں ابن اللہ ہوں۔ اسی طرح ڈاکو بھی جو آپ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے آپ پر لعن طعن کرتے تھے"۔[26]

عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب دیئے گئے، عیسائیت کی روایات کے مطابق آپ تیسرے دن زندہ ہوئے اور اس دن کو ایسٹر (Easter) کہا جاتا ہے۔ تیسرے دن سے لے کر چالیس دنوں تک وہ اپنے خاص شاگردوں سے ملتے رہے اور چالیسویں دن بہت سے لوگوں کے ایک گروہ نے دیکھا کہ وہ ان کے سامنے آسمانوں کی طرف چلے گئے اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب پانا اچھی موت کی نشانی نہ تھی بلکہ ملعون موت کی علامت تھی اس لیے وہ مسیح کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ جبکہ ان کے برعکس عیسائیوں نے یہ کہا کہ ان کا صلیب پانا بے مقصد نہ تھا وہ بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے اور انسانیت کو سزا کے عذاب سے بچانے کے لئے خود قربان ہو گئے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح موعود بھی خیال کرتے ہیں۔ کفارے کے اس عقیدے کو ڈاکٹرین آف اٹونمنٹ (Doctorain of Atonment) کہتے ہیں۔ جو یہودیوں کے اس اعتراض کے جواب میں وضع کیا گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام کا صلیب پانا، ملعون کی موت تھی۔

کتاب متی میں ایک اور مقام پر یہود کے اس فعل قبیح کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے:

اے ریاکارو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے ہو اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو اے سانپو! اے افعی (کالے ناگ) کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔[27]

کتاب متی میں حضرت مسیحؑ کا ایک مفصل خطبہ درج ہے جس میں وہ اپنی قوم کے شدید اخلاقی زوال پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتا ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتا ہے کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تو نے نہ چاہا۔ دیکھو تمھارا گھر تمھارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔[28]

---

[26] انجیل متی باب 27:32-44

[27] انجیل متی باب 23:15-24

[28] انجیل متی باب 23:37-38

قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کے صلیب کے واقعے کی نفی کی گئی ہے۔ارشاد ہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۔[29]

اوران کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا حالانکہ انہوں نے نہ تو اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان (یہودیوں) کے لئے (عیسیٰ سے) ملتا جلتا (ایک آدمی) بنادیا گیا اور بے شک یہ (یہودی) جو اس عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں (حقیقت یہ ہے کہ) سوائے گمان کی پیروی کے ان کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں اور بے شک انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا۔

حضرت مسیح کے دشمن یہود بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور سولی دے دیا اور آپ کے ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو سولی دے دیا۔ گویا بیٹا سولی پر لٹکتے ہوئے ایلی ! ایلی تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا فریاد کرتا رہا اور باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ جب دشمن اور دوست سب اس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آکر حضرت مسیح کی عظمت و جلالت شان سے پردہ اٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس اللہ کے رسول کو اپنے اللہ کا پیغام سنانے کے باعث انہوں نے قتل کرنے کی سر توڑ کوشش کی اللہ رب العزت نے ان کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنادیا۔ اور اپنے رسول کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا کر تذلیل کر سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی شخصیت کے حوالے سے اس بات کو بیان فرمایا کہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا حصہ نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سورہ مائدہ کی آیت نمبر 75 میں ارشاد فرماتے ہیں: مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۔[30]

"نہیں ہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول یقینا گزر چکے ہیں اس سے پہلے بہت سے رسول اور ان کی ماں صدیقہ تھی تھے وہ دونوں کھانا کھاتے ' (اے نبی) دیکھ کیسے ہم بیان کرتے ہیں اُن کے لیے واضح دلائل پھر دیکھ (ان دلائل کے باوجود) کیسے پلٹائے جارہے ہیں"۔

سورہ نساء کی آیت نمبر 171 میں ارشاد ہوا: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا

---

[29] سورۃ النساء 157:4

[30] سورۃ المائدہ 75:5

الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۔[31]

"اے اہل کتاب! حد سے تجاوز مت کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ کے بارے میں سوائے حق حقیقت میں مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے ڈال دیا اسے مریم کی طرف اور اس کی طرف سے روح تھے تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں (پر) اور مت کہو (کہ الٰہ) تین ہیں باز آجاؤ (اس اعتقاد سے) بہتر ہو گا تمہارے لیے حقیقت میں اللہ اکیلا معبود ہے پاک ہے وہ (اس بات سے) کہ ہو اس کی اولاد"۔

خود آزمائی

1 حضرت عیسیٰؑ کا تعارف اور قرآن مجید کی سورتوں میں ان کا تذکرہ بیان کریں۔

2 اناجیل اور قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کے مقام و مرتبے پر بحث کریں۔

3 حضرت حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ ولادت، اور حضرت مریمؑ کی آغوشِ مادر میں حضرت عیسیٰؑ کے کلام کے واقعات بیان کریں۔

4 حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا مقام، حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی ولادت کی وجہ سے شبہ کا قرآنی جواب، اور ولادت عیسیٰؑ سے متعلق مسیحی روایات کی تفصیل بیان کریں۔

5 حضرت مسیحؑ کی مصر کی جانب ہجرت اور تعلیم و تربیت کے واقعات پر روشنی ڈالیں۔

6 حضرت عیسیٰؑ کے دورِ نبوت کے واقعات و نصائح پر روشنی ڈالیں۔

7 حضرت عیسیٰ کی اصلاح کی کوششیں، یہوداہ کی غداری اور گرفتاری کے واقعے کی تفصیل بیان کریں۔

8 یہودیوں کی طرف سے مسیحؑ کی تکفیر اور صلیب سے متعلق مسیحی و اسلامی نقطہ نظر بیان کریں۔

9 حضرت مسیحؑ کے معجزات، انعامات اور فضائل پر روشنی ڈالیں۔

جوابات تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے فٹ نوٹس میں مذکور ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

---

[31] سورۃ النساء 71:4

یونٹ:2

مسیحیت کا آغاز وارتقاء

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظرثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ڈاکٹر غلام شمس الرحمان،

ڈاکٹر محمد عبداللہ

فہرست

یونٹ کا تعارف 33
یونٹ کے مقاصد 33
لفظ مسیح کے معنٰی 34
حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی بشارات 35
حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کا مذہب 36
عیسائیت کی تجدید میں پولس یا ساؤل کا کردار 40
تعلیمات مسیح علیہ السلام میں تحریف وتدلیس کا آغاز 43
شریعت موسوی سے مسیحی تعلیمات کا انحراف اور پولس کا شریعت کی منسوخی کا نظریہ 44
خود آزمائی 46
جوابات 46

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے مفہوم اور عیسائیت کے ارتقاء کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب کا آغاز "لفظ مسیح کے معنیٰ" اور مفہوم سے ہوتا ہے۔اس کے بعد "حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی بشارات" کا ذکر ہے، جس میں تورات اور دیگر مذہبی کتب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ بشارات یہودیت میں نجات دہندہ کے تصور کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ پھر "عیسائیت کی تجدید میں پولس یا ساؤل کے کردار" پر بحث کی گئی ہے۔ جس میں عیسائیت میں پولس کے اثرات اور اس کی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پولس نے عیسائیت میں ایک نئے نظریے کو فروغ دیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے مختلف تھا اور اس نے شریعت کی پابندی کی بجائے ایمان کی بنیاد پر نجات کے تصور کو فروغ دیا۔ "تعلیمات مسیح علیہ السلام میں تحریف وتدلیس کا آغاز" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات میں وقت کے ساتھ ساتھ شامل ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس حصے میں مختلف تاریخی اور مذہبی عوامل کو بیان کیا گیا ہے جو مسیحی عقائد میں اضافے اور تبدیلیوں کا سبب بنے۔ آخر میں "شریعت موسوی سے مسیحی تعلیمات کا انحراف اور پولس کا شریعت کی منسوخی کا نظریہ" کے زیرِ عنوان یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح پولس نے شریعت موسوی کو غیر ضروری قرار دیا اور ایمان کو نجات کا معیار بنایا۔اس نظریے نے عیسائیت کو شریعت موسوی سے دور کر دیا اور ایک نئی مذہبی فکر کو فروغ دیا۔ یہ یونٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات وسوانح سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کرے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

9 لفظ مسیح کے معنیٰ و مفہوم کو بیان کر سکیں۔

10 حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی بشارات سے متعلق روایات پر بحث کر سکیں۔

11 حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کے حقیقی مذہب کی تفصیل بیان کر سکیں۔

12 بنی اسرائیل میں جدائی کے دو طرفہ عمل کی تاریخ پر روشنی ڈال سکیں۔

13 عیسائیت کی تجدید میں پولس یا ساؤل کے کردار پر بحث کر سکیں۔

14 تعلیمات مسیح علیہ السلام میں تحریف وتدلیس کے آغاز پر روشنی ڈال سکیں۔

15 شریعت موسوی سے مسیحی تعلیمات کا انحراف اور پولس کے شریعت کی منسوخی کے نظریہ کی تفصیل بیان کر سکیں۔

لفظ مسیح کے معنیٰ

مسیح عبرانی لفظ "مشح" سے ماخوذ ہے۔ جو عربی مسح کی طرح چھونا، ماننا، ہاتھ پھیرنا وغیرہ کے معنی رکھتا ہے۔ نیو کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں مسیح کا لفظ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

The word Massiah comes from the Hebrew objective masiah, designating a person anointed with oil.[32]

لفظ مسیح، عبرانی مفعول "مشح" سے نکلا ہے جو تیل سے مسح کیے ہوئے شخص کی تخصیص کرتا ہے۔

According to the Jewish Encyclopaedia: The name or title of the Ideal king of the massianic age. [33]

جیوش انسائکلوپیڈیا کے مطابق دور مسیحائی کے مثالی بادشاہ کا نام یا خطاب ہے۔

ابن منظور لفظ "مسیح" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سمّی به لأنه كان يمسح بيده على الحليل فيبرئه بإذن الله : قال الأزهري : أعرب اسم المسيح في القرآن على مسح، وهو في التوراة مشيحا، فعرب وغيركما قال موشى واصله موسى-[34]

ان کا مسیح نام اس لیے ہے کہ وہ بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر کر اللہ کے حکم سے اسے تندرست کر دیتے تھے۔ ازہری رحمہ اللہ کہتے ہیں قرآن میں اسم مسیح، مسح پر بولا گیا ہے، تورات میں یہ مشیح" ہے۔ اس میں تبدیلی کر کے شین کو سین پڑھ کر) مسیح کہہ دیا گیا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اصل میں موشی تھا۔

ابن اثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: آپ کا پاؤں ہموار تھا یعنی تلوہ نہیں تھا اور یہ کہ آپ اپنی والدہ کے بطن سے تیل ملے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے بھی آپ کو مسیح کہا جاتا ہے۔[35]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیش گوئی کی گئی تھی۔ ایک مسیح صداقت کی کہ جس کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام تھے اور دوسری مسیح ضلالت کی، جس کا مصداق دجال ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہود نے ان کو تو مسیح ضلالت کا مصداق ٹھہرایا، اور اس لیے ان کی ایذا رسانی اور قتل کے درپے رہے جبکہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اگرچہ مسیح ہدایت کا

---

[32] New Catholic Encyclopaedia, Macmillan Educational Co., U.S.A., 1982, Vol. 9, 714

[33] The Jewish Encyclopaedia, (Ed by Cecil Roth) W.H. Allen, London,1959,8/505

[34] ابن منظور، محمد بن مکرم، الافریقی، لسان العرب، دار بیروت، بیروت، 1909ء، 594:3

[35] ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد النہایہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثیۃ، 594:3,1906

مصداق تو مانا مگر حد سے بڑھا کر ان کو اقانیم ثلاثہ کا ایک جز بنالیا۔[36]

یہود آغاز میں مسیح رحمہ اللہ کو نجات دہندہ اور بادشاہ تصور کرنے لگے تھے۔ اسی لیے جب یسوع المسیح علیہ السلام یروشلم میں داخل ہوئے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔[37]

لیکن جب یسوع المسیح نے یروشلم پہنچ کر اپنی بادشاہت کا اعلان نہ کیا تو یہی قوم یہود مسیح علیہ السلام کی جان کے درپے ہو گئے اور پیلاطس حاکم سے چیخ چیخ کر فریاد کرنے لگے کہ ''اس کو مصلوب کر مصلوب''[38]

جبکہ عیسی علیہ السلام کے اصل پیروکار آپ کو صرف نبی مانتے تھے اور شریعت موسوی کی سختی سے پیروی کرتے تھے اور عقائد و عبادات کے معاملے میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے اور یہودیوں سے ان کا اختلاف اس معاملے پر تھا کہ یہ عیسٰی علیہ السلام کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور وہ ان کو مسیحی ماننے سے انکار کرتے تھے۔ اس طرح بنی اسرائیل میں دو مختلف نظریات رکھنے والے گروہ سامنے آئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی بشارات

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پے در پے تنزل کی حالت میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخر کار بابل اور اسیریا کی سلطنتوں نے ان کو غلام بنا کر زمین میں تتر بتر کر دیا تو انبیائے بنی اسرائیل نے ان کو خوش خبری دینا شروع کی کہ اللہ کی طرف سے ''مسیح'' آنے والا ہے جو ان کو اس ذلت سے نجات دلائے گا۔

سیدنا یرمیاہ فرماتے ہیں:

> دیکھ وہ دن آتے ہیں، خداوند فرماتا ہے کہ میں داؤد کے لیے ایک صادق شاخ پیدا کروں گا اور اس کی بادشاہی ملک میں اقبال مندی اور عدالت و صداقت کے ساتھ ہو گی اس کے ایام میں یہودا نجات پائے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اس کا نام یہ رکھا جائے گا، خداوند ہماری صداقت[39]۔

کتاب سموئیل میں لکھا ہے۔

> خداوند زمین کے کناروں کا انصاف کرے گا وہ اپنے بادشاہ کو زور بخشے گا اور ممسوح کے سینگ کو بلند کرے

---

[36] ابن تیمیہ، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، طبع بمطبعۃ النیل بشارع محمد علی مصر، 1905، 341:1

[37] انجیل متی 9:21

[38] انجیل لوقا 21:23

[39] کتاب یرمیاہ باب ۳۲ فقرہ ۵ تا ۶

گا[40]۔

ڈبلیو۔اے سنگھ رقمطراز ہے۔

ان پیشن گوئیوں کی بنیاد پر یہود کسی ایسے مسیح کے منتظر تھے جو بادشاہ ہو کر لڑے اور ملک فتح کرے۔ بنی اسرائیل کو ملک ملک سے لا کر فلسطین جمع کرے لیکن ان کی توقعات کے برعکس جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف سے مسیح ہو کر آئے تو اپنے ساتھ کوئی لشکر نہ لائے تو یہودیوں نے ان کی مسیحیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کو ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے[41]۔

چنانچہ مولانا مودودی رقمطراز ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروؤں کا نام کبھی "عیسائی" یا "مسیحی" نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ اپنے نام سے کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے نہیں آئے تھے۔ ان کی دعوت اسی دین کو تازہ کرنے کی طرف تھی۔ جسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ اس لیے انھوں نے عام بنی اسرائیل اور پیروانِ شریعت موسوی سے الگ نہ کوئی جماعت بنائی اور نہ اس کا کوئی مستقل نام رکھا۔ ان کے ابتدائی پیرو خود بھی نہ اپنے آپ کو اسرائیلی ملت سے الگ سمجھتے تھے، نہ ایک مستقل گروہ بن کر رہے اور نہ انھوں نے اپنے لیے کوئی امتیازی نام و نشان مقرر کیا[42]۔

چنانچہ F. Goizeta اس بارے میں رقمطراز ہے۔

The Glorious future of Israel centered around the person of Mashiach (messiah) anonited one, who would be deputed by God to inagurate the new and wonderful era.[43]

اسرائیل کا شاندار مستقبل مسیح کے گرد گھومتا ہے۔ جو خداوند کی طرف سے ایک نیا اور شاندار زمانہ شروع کرنے کے لیے بھیجا جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کا مذہب

سیدنا عیسی علیہ السلام نے اپنے پیروؤں کا نام کبھی "عیسائی" یا "مسیحی" نہیں رکھا تھا کیونکہ وہ اپنے نام سے کسی نئے مذہب کی

---

40 کتاب سموئیل باب ۲ فقرہ ۱۰

41 ڈبلیو۔اے سنگھ، مسیح موعود اور اہل یہود، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ص ۱۸

42 مولانا مودودی، نصرانیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن، ص ۶۷

43 F. Goizeta, Future History, F. Goizueta Publisher,1983, P13

بنیاد ڈالنے نہیں آئے تھے۔ان کی دعوت اس دین کو تازہ کرنے کی طرف تھی جسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے تھے۔اس لیے انھوں نے عام بنی اسرائیل اور پیروانِ شریعت موسوی سے الگ نہ کوئی جماعت بنائی اور نہ اس کا کوئی مستقل نام رکھا۔ان کے ابتدائی پیرو خود بھی نہ اپنے آپ کو اسرائیلی ملت سے الگ سمجھتے تھے،نہ ایک مستقل گروہ بن کر رہے اور نہ انھوں نے اپنے لیے کوئی امتیازی نام ونشان مقرر کیا۔[44] دین مسیحی ایک الگ دین نہیں بلکہ در حقیقت دین یہود کا ایک جزء اور زیادہ صحیح الفاظ میں اس کا تتمّہ ہے بالکل یہی بات انجیل میں خود سیدنا مسیح علیہ السلام کی زبان سے منقول ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین مل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہر گز نہ ملے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راست بازی فقیہوں اور فریسیوں کی راست بازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہر گز داخل نہ ہو گے۔[45]

فقیہ اور فریسی موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے ہیں۔پس جو کچھ وہ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔وہ ایسے بھاری بوجھ جن کو اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں مگر آپ ان کو اپنی انگلی سے بھی ہلانا نہیں چاہتے؟[46] یوحنا نے اپنی انجیل میں تصریح کی ہے: شریعت تو موسی علیہ السلام کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی۔[47]

ان اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحیت میں موسوی شریعت کے تمام احکام باقی رکھے گئے اور ان پر صرف فضیلت اور صداقت کا اضافہ کیا گیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروکار عام یہودیوں ہی کی طرح بیت المقدس ہی کے ھیکل میں عبادت کرنے کے لیے جاتے تھے مثلاً پطرس اور یوحنا حواری کے متعلق اعمال میں درج ہے:

---

[44] مودودی،ابوالاعلیٰ، نصرانیت قرآن کی روشنی میں،ادارہ ترجمان القرآن، ص67

[45] انجیل متی،5:17-20

[46] انجیل متی،23:2-4

[47] انجیل یوحنا1:17

پطرس اور یوحنا دعا کے وقت یعنی تیسرے پہر ہیکل کو جارہے تھے۔[48]

اس طرح عیسی علیہ السلام کے ابتدائی پیروکاروں کی یہ بالکل کوشش نہ تھی کہ وہ یہودی مذہب سے الگ ایک نئے اور مختلف مذہب کی بنیاد رکھیں۔اس سلسلے میں "Encyclopaedia Britannica" میں بیان کیا گیا ہے:

The life of the early Jewish disciples, so far as can be judged from our very meagre resources, was very much the same as their fellows. They continued faithful to the established synagogue and temple worship, and did not think of founding a new sect or seperating from the houshold of Israel. [49]

قلیل وسائل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کی زندگی بہت حد تک اپنے باقی یہودی ساتھیوں سے مشابہ تھی وہ بدستور قائم شدہ ھیکل کے وفادار اور یہودی عبادت گاہ میں عبادت کے پابند تھے اور انھوں نے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھنے یا بنی اسرائیل کے گھرانے سے علیحدگی کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کے ارشاد مبارکہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسیح تورات ہی کی تصدیق کرنے اور اس پر عمل کروانے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ۔[50]

اور ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا، اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور وہ راہ بتانے والی تھی اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت تھی۔

تصور مسیح سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پے در پے تنزل کی حالت میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آخر کار بابل اور اسیریا کی سلطنتوں نے ان کو غلام بنا کر زمین میں تتر بتر کر دیا تو انبیائے بنی اسرائیل نے ان کو خوش خبری دینا شروع کی کہ اللہ کی طرف سے "مسیح" آنے والا ہے جو ان کو اس ذلت سے نجات دلائے گا۔

سید نایر میاہ فرماتے ہیں:

---

[48] انجیل اعمال 3:1

[49] Encyclopedia, Britannica, London, 1962, Vol. 5, P. 676

[50] سورۃ المائدہ 46:5

دیکھو وہ دن آتے ہیں، خداوند فرماتا ہے کہ میں داؤد کے لیے ایک صادق شاخ پیدا کروں گا اور اس کی بادشاہی ملک میں اقبال مندی اور عدالت و صداقت کے ساتھ ہو گی اس کے ایام میں یہود انجات پائے گا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کرے گا اور اس کا نام یہ رکھا جائے گا، خداوند ہماری صداقت۔[51]

خداوند زمین کے کناروں کا انصاف کرے گا وہ اپنے بادشاہ کو زور بخشے گا اور ممسوح کے سینگ کو بلند کرے گا۔[52]

ان پیشن گوئیوں کی بنیاد پر یہود کسی ایسے مسیح کے منتظر تھے جو بادشاہ ہو کر لڑے اور ملک فتح کرے۔ بنی اسرائیل کو ملک ملک سے لا کر فلسطین جمع کرے لیکن ان کی توقعات کے برعکس جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف سے مسیح ہو کر آئے تو اپنے ساتھ کوئی لشکر نہ لائے تو یہودیوں نے ان کی مسیحیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کو ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے۔[53] چنانچہ یہودیوں اور اسرائیل کا مستقبل اس مسیح کے تصور کے گرد گھومتا ہے:

The Glorious future of Israel centered around the person of Mashiach (messiah) anonited one, who would be deputed by God to inagurate the new and wonderful era.[54]

اسرائیل کا شاندار مستقبل ممسوح، مسیح کے گرد گھومتا ہے۔ جو خداوند کی طرف سے ایک نیا اور شاندار زمانہ شروع کرنے کے لیے بھیجا جائے گا۔

بنی اسرائیل میں جدائی کے دو طرفہ عمل کی تاریخ

اس گروہ کا موجودہ نام مسیحی (Christian) پہلی مرتبہ ۴۳ء یا ۴۴ء میں انطاکیہ کے مشرک باشندوں نے رکھا تھا۔ جب سینٹ پال اور برنباس نے وہاں پہنچ کر تبلیغ عام شروع کی۔ کتاب اعمال میں حواری برنباس کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے:

پھر وہ ساؤل کی تلاش میں ترسس کو چلا گیا۔ اور جب وہ ملا تو اسے انطاکیہ میں لایا اور ایسا ہوا کہ وہ سال بھر تک کلیسا کی جماعت میں شامل ہوتے اور بہت سے لوگوں کو تعلیم دیتے رہے اور شاگرد پہلے انطاکیہ ہی میں مسیحی کہلائے۔[55]

یہ نام دراصل طنز و تمسخر کے طور پر مخالفین کی طرف سے رکھا گیا تھا اور پیروان مسیح اسے خود اپنے نام کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن جب ان کے دشمنوں نے ان کو اسی نام سے پکارنا شروع کر دیا تو ان کے لیڈروں نے کہا کہ اگر تمھیں

---

[51] یرمیاہ 23:5-6

[52] سموئیل 2:10

[53] ساجد میر، پروفیسر، عیسائیت تجزیہ و مطالعہ، دارالسلام، ص 18

[54] F. Goizeta, Future History, Pennsylvainia Philadeplphia, U.S.A, 1981, P13

[55] اعمال 11:25-26

مسیح کی طرف نسبت دے کر مسیحی" کہا جاتا ہے تو تمھیں اس پر شرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے:

اگر مسیح کے نام کے سبب سے تمھیں ملامت کی جاتی ہے تو تم مبارک ہو کیونکہ جلال کا روح یعنی خدا کا روح تم پر سایہ کرتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص خونی یا چور یا بدکار یا اوروں کے کام میں دست انداز ہو کر دکھ نہ پائے۔ لیکن اگر مسیحی ہونے کے باعث کوئی شخص دکھ پائے تو شرمائے نہیں بلکہ اس نام کے سبب سے خدا کی تمجید کرے۔[56]

انطاکیہ میں شاگردوں کے عیسائی نام پانے کے موقع پر پادری ڈملو بیان کرتے ہیں:

The given of this name marked the recognition of the fact that, the way was something more than a new Jewish sect. The inclusion of numerous Gentiles within the Church, and that without their becoming Jews, and the preaching of Jesus as one whose authority was superior to that of Moses, gave complete Justification to those who saw in Christianity a new religion. [57]

اس نام کا دیا جانا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ بات ایک نئے یہودی فرقے سے زیادہ تھی۔ کلیسا میں بہت سے غیر یہودیوں اور وہ بھی یہودیت قبول کیے بغیر، کی شمولیت اور یسوع علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے برتر ہونے کی تعلیم، عیسائیت کو نیا مذہب سمجھنے والوں کو مکمل طور پر حق بجانب قرار دیتی ہے۔

ان حالات کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

Within Judaism a new sect appeared, followers of Jesus of Nazareth, whom they affirmed to be Messiah and themselves to be the new and true Israel of God. [58]

یہودیت کے اندر ہی گویا ایک نیا فرقہ ظاہر ہو گیا تھا۔ یہ لوگ یسوع ناصری کے پیروکار تھے۔ جسے وہ مسیح تسلیم کرتے اور خود کو نئے اور سچے (خدا کے منتخب) اسرائیلی قرار دیتے۔

اس کے بعد بنی اسرائیل میں جدائی کا دو طرفہ عمل شروع ہو گیا ایک فرقہ یہودی اور دوسرا عیسائی کہلانے لگا۔

عیسائیت کی تجدید میں پولس یا ساؤل کا کردار

مسلمانوں کا تصور یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جس مذہب کی تعلیم اپنے پیروکاروں کو دی تھی۔ وہ ان کے کچھ ہی عرصے بعد ختم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ ایک ایسے مذہب نے لے لی جس کی تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و ارشادات کے

---

[56] پطرس 4:14-16

[57] Dummenlow'sCommentory on the Holy Bible, Macmillan Company, 1956, P 833

[58] Encyclopaedia Britannica, 17/470

بالکل برعکس تھیں اور یہی نیا مذہب ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آج "عیسائیت کی موجودہ شکل میں ہمارے سامنے ہے اور موجودہ عیسائی مذہب کا اصل موجد اور بانی عیسی علیہ السلام نہیں بلکہ پولس ہے۔

پولس کا اصل نام ساؤل تھا جیسا کہ کتاب اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ ''اور گواہوں نے اپنے کپڑے ساؤل نام ایک نوجوان کے پاؤں کے پاس رکھ دیے"۔[59]

پولس روم کے شہر ترسس کا باشندہ تھا اور اپنے متعلق بیان کرتا ہے: ''

میں یہودی آدمی کلکیہ کے مشہور شہر ترس کا باشندہ ہوں۔[60]

پولس قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا فلیسیوں کے نام خط میں وہ اپنے بارے میں خود لکھتا ہے: آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلے کا ہوں، عبرانیوں کا عبرانی اور شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔[61]

ابتداء میں پولس کٹر یہودی ہونے کے ناطے سے عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو گمراہ سمجھتا تھا اور ان پر باقی یہودیوں کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتا۔ خود اس بات کا اعتراف پولس نے کتاب اعمال میں کئی مقامات پر کیا ہے مثلاً: میں نے مردوں اور عورتوں کو باندھ باندھ کر اور قید خانے میں ڈال ڈال کر مسیحی طریق والوں کو یہاں تک ستایا کہ مروا بھی ڈالا۔ چنانچہ سردار کاہن اور سب بزرگ میرے گواہ ہیں کہ ان سے میں بھائیوں کے نام خط لے کر دمشق کو روانہ ہوا تاکہ جتنے وہاں ہوں انھیں بھی باندھ کر یروشلم میں سزا دلانے کو لاؤں۔[62]

اس سلسلے میں J. A. Ziesler بیان کرتے ہیں۔

He attacked Christians not so much for being Christians, as for being bad Jews. [63]

کہ عیسائیوں پر اس کے یورش کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ عیسائی ہیں بلکہ یہ کہ وہ برے یہودی ہیں۔ کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ عیسی علیہ السلام کو اسرائیل کا مسیح موعود قرار دیتے تھے۔ لہذا جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں پر مزید ظلم وستم ڈھانے کی خاطر دمشق پہنچا تو بقول اس کے ایک عجیب واقعہ پولس کے ساتھ پیش آیا جس کو ان الفاظ میں بائبل میں بیان کیا گیا ہے۔

---

[59] اعمال 58:7

[60] اعمال 39:21

[61] فلپیوں 5:3

[62] اعمال 6-5:22

[63] J.A. Ziesler, Pauline Christianty, Pauline Christianity, New York, 1983, P 24

جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکایک آسمان سے ایک نور اس کے گرداگرد آ چکا۔ اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے ساؤل اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔ مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہیے وہ تجھ سے کہا جائے گا۔ جو آدمی اس کے ہمراہ تھے وہ خاموش کھڑے رہ گئے کیونکہ آواز تو سنتے تھے مگر کسی کو دیکھتے نہ تھے۔ اور ساؤل زمین پر سے اٹھا لیکن جب آنکھیں کھولیں تو اس کو کچھ دکھائی نہ دیا اور لوگ اس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے اور وہ تین دن تک نہ دیکھ سکا اور نہ اس نے کھایا نہ پیا۔[64]

پولس کا دعویٰ تھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ یسوع مسیح پر ایمان لا چکا ہے اس کے بعد اس نے اپنا نام بھی تبدیل کر کے پولس رکھ لیا تھا۔ شروع میں جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی شخص اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ جو شخص کل تک مسیح اور ان کے شاگردوں کا جانی دشمن تھا آج وہ سچے دل کے ساتھ ان پر ایمان لے آیا ہے لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے سب سے پہلے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق پر دوسرے حواری بھی مطمئن ہو گئے۔

کتاب اعمال میں ہے: اس نے یروشلم پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے۔ مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں کیسی دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی۔ پس وہ یروشلم میں ان کے ساتھ آتا جاتا رہا اور دلیری کے ساتھ خداوندی کے نام کی منادی کرتا تھا اور یونانی مسائل یہودیوں کے ساتھ گفتگو اور بحث بھی کرتا تھا مگر وہ اسے مار ڈالنے کے درپے تھے اور بھائیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اسے قیصریہ میں لے گئے اور ترسس کو روانہ کر دیا۔65

اس کے بعد پولس حواریوں کے ساتھ مل جل کر عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا اور جماعت میں شامل ہو کر اس نے ایک نیا دین بنانا شروع کیا اور اپنے ہر قول کو دین کی بنیاد بنانے کا دروازہ یہ کہہ کر کھول لیا تھا کہ مسیح آئندہ بھی اس پر ظاہر ہوا کریں گے کتاب اعمال میں درج ہے: میں نے کہا اے خداوند تو کون ہے؟ خداوند نے فرمایا! میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے۔ لیکن اُٹھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، کیونکہ میں اس لیے تجھ پر ظاہر ہوا ہوں کہ تجھے ان چیزوں کا بھی خادم اور گواہ مقرر کروں جن کی گواہی کے لیے تو نے مجھے دیکھا اور ان کا بھی جن کی گواہی کے لیے میں تجھ پر ظاہر ہوا کروں۔[66]

لہذا اس کے ذریعے پولس نے یہودی شریعت کی سختیوں سے یکسر آزادی کی راہ خود بھی دیکھی اور دوسروں کو بھی

---

[64] اعمال 9:3-9

[65] اعمال 9:26-30

[66] اعمال 26:15-16

دکھائی اور موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا بانی یہی شخص ہے اور عیسی علیہ السلام نے ان عقائد کی ہر گز تعلیم نہ دی تھی وہ مسیح علیہ السلام کا صحبت یافتہ نہ تھا۔ان کی تربیت میں رہ کر تعلیماتِ مسیح کو سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا تھا انجیل متی، مرقس اور لوقا میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے نام مذکور ہیں جن میں ساؤل یا پولس کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔[67]

تعلیمات مسیح علیہ السلام میں تحریف وتدلیس کا آغاز

پولس کی تعلیمات مسیح علیہ السلام میں سب سے پہلی تحریف یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو تمام عالم انسانی کے لیے ایک عام پیغام قرار دیا حالانکہ دراصل وہ محض بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں جب حواریوں کو تبلیغ ودعوت کے لیے بھیجا تھا تو صاف طور پر یہ حکم دیا تھا: ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔[68]

ایک اور موقع پر عیسی علیہ السلام اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں: میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔[69]

حواری تو عیسائیت کو ایک مذہب کی بجائے یہودیت کے اندر ایک اصلاحی تحریک سمجھتے تھے اور اسے یہودیوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے اور یہی مسیح علیہ السلام کی تعلیمات سے ثابت ہوا تھا مگر پولس کی ترغیب اور سرگرمی ان کی رائے پر غالب آئی:

The disciple peter was among those who insisted upon keeping the movement exclusively Jewish. But, later, when Paul became a Christian, he persuaded peter and others to admit gentiles into the group. [70]

حواری پطرس ان لوگوں میں شامل تھا جو اس تحریک کو صرف یہودی رکھنے پر اصرار کرتے تھے مگر بعد میں جب پولس داخل ہوا تو اس نے پطرس اور دوسرے لوگوں کو آمادہ کیا کہ غیر قوموں کو بھی اس جماعت میں داخل ہونے دیا جائے۔ پولس کا یہ دعویٰ کہ مسیح علیہ السلام کی دعوت تمام دنیا کے لیے ہے اور اس فیصلے کو حق بجانب قرار دینے کے لیے بنیاد اس بات کو بنایا کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب پر چڑھنے اور وفات پا جانے کے بعد اپنے شاگردوں کے پاس اگر یہ حکم دیا تھا: "پس تم جا کر

---

[67] انجیل مرقس، 16:3-19، انجیل متی 2:10-4، انجیل لوقا 13:6-16

[68] انجیل متی، 5:10-6

[69] انجیل متی، 24:15

[70] Ross and Hills, Great Religions by Withich Men Live, London, 1985,P. 137

سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو"۔[71]

جبکہ حواریوں میں یہ ایک مسلم مسئلہ تھا کہ انجیل کی منادی اور تبلیغ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو شریعت موسوی کے پیروکار ہیں مگر پولس نے دعوت مسیح علیہ السلام کی حقیقت، مسیح علیہ السلام کی تصریحات اور حواریوں کے علم و یقین سب کو نظرانداز کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ہر غیر اسرائیلی مسیحی بن سکتا ہے۔

شریعت موسوی سے مسیحی تعلیمات کا انحراف اور پولس کا شریعت کی منسوخی کا نظریہ

عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں واضح طور پر شریعت موسوی (تورات) کی پیروی کی تاکید موجود ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا مقصد تورات کو منسوخ کرنا نہیں بلکہ اسے پورا کرنا ہے۔ انجیلِ متی کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تورات کا ہر لفظ اور حکم اہم ہے اور جب تک کائنات باقی ہے، تورات کے اصولوں میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ انہوں نے لوگوں کو دوسروں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنے کی تلقین کی جیسا وہ اپنے لیے چاہتے ہیں، اور کہا کہ یہی تورات اور نبیوں کی اصل تعلیمات ہیں۔ پولس کے مطابق، عیسیٰ علیہ السلام نے شریعت کی لعنت سے انسانیت کو نجات دلائی، اور شریعت کا کردار محض انسان کو مسیح تک پہنچانے کے لیے تھا۔ پولس نے افسیوں کے نام خط میں شریعت کو دشمنی اور نفاق کا باعث قرار دیا اور کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے جسم کے ذریعے اس کو ختم کر دیا۔ اس کے خط "عبرانیوں" میں اس نے اعلان کیا کہ چونکہ نئی کہانت آچکی ہے، اس لیے پرانی شریعت کو بھی تبدیل کرنا ضروری ہے۔ پولس کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے شریعت موسوی کی عملی پیروی کو مذہب سے الگ کر دیا اور نئے ایمان پر زور دیا جس میں شریعت کی پابندی کا کوئی تصور نہیں۔ یہ نظریہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کافی مختلف ہے، جو شریعت کے اصولوں کی پیروی اور انہیں پورا کرنے کی اہمیت پر زور دیتے تھے۔ پولس کی تعلیمات نے مسیحیت کی بنیاد کو ایمان اور عقائد پر مرکوز کر دیا اور اس میں عمل کی اہمیت کو ثانوی بنا دیا۔

مسیح علیہ السلام نے متعدد ارشادات میں وضاحت کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ میرا مقصد تورات کی مخالفت کرنا نہیں ہے بلکہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں بلکہ اناجیل میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ میں اس کو منسوخ کرنے نہیں آیا، انجیل متی میں ہے:

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ملے گا جب تک

---

[71] انجیل متی، 19:28

سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔[72]

نیز آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔[73]

عیسیٰ علیہ السلام کے ان ارشادات سے واضح وعیاں ہے کہ آپ بنیادی طور پر تورات (احکام شریعت) کو واجب العمل اور قابل احترام مانتے تھے مگر پولس نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بڑی تحریف یہ کی کہ شریعت اور عمل کی اہمیت کو ختم کر کے اس نے صرف ایمان، یعنی اپنے بنائے ہوئے عقائد پر یقین کو مذہب کا مدار قرار دیا۔

گلتیوں کے نام خط میں پولس لکھتا ہے: مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔[74]

اور آگے لکھتا ہے: ایمان کے آنے سے بیشتر شریعت کی ماتحتی میں ہماری نگہبانی ہوتی تھی اور اس ایمان کے آنے تک جو ظاہر ہونے والا تھا ہم اس کے پابند رہے۔ پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا استاد بنی تاکہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں۔ مگر جب ایمان آچکا تو ہم استاد کے ماتحت نہ رہے۔[75]

ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے: شریعت کے وسیلے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک ایماندار نہیں ٹھہرتا اور شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں۔ نیز یہ کہ آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راست باز ٹھہرتا ہے۔[76]

افسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے: "اس نے اپنے جسم کے ذریعے سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں کے طور پر تھے موقوف کر دی۔[77]

عبرانیوں کے نام خط میں رقم طراز ہیں: "جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بدلنا بھی ضروری ہے۔[78]

ایک اور مقام پر لکھتا ہے: "کیونکہ اگر پہلا عہد (تورات) بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لیے موقع نہ ڈھونڈا جاتا۔[79]

آگے آیت نمبر ۱۳ میں کہتا ہے: جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ

---

[72] انجیل متی، 17:5

[73] انجیل متی 12:7

[74] گلتیوں، 13:3

[75] گلتیوں، 25-23:3

[76] گلتیوں 16:2

[77] افسیوں 15:2

[78] عبرانیوں 12:7

[79] عبرانیوں 7:8

مٹنے کے قریب ہو جاتی ہے۔[80]

پولس نے اپنے خطوط میں شریعت کی پیروی کو نجات کے لیے غیر ضروری قرار دیا۔اس کے مختلف خطوط، جیسے "گلتیوں کے نام خط" اور "رومیوں کے نام خط" میں، اس نے شریعت کے اعمال کو ایمان کے سامنے ثانوی قرار دیا۔ پولس کے مطابق، ایمان کی بنیاد پر نجات حاصل کی جاسکتی ہے، نہ کہ شریعت پر عمل کر کے۔

پولس کے یہ بیانات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے متضاد ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ شریعت کے اصولوں پر قائم رہنے پر زور دیتے رہے۔ پولس کی تعلیمات نے ابتدائی مسیحیت کو ایک نئے رخ پر ڈال دیا، جس میں عمل کی بجائے ایمان کی بنیاد پر نجات کا نظریہ اہمیت اختیار کر گیا۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں شریعت کی عملی پیروی کو بنیادی تصور سے ہٹا کر ایمان اور عقائد پر زور دیا گیا۔ یہ تبدیلی عیسائیت کے اندر ایک نئے فرقے کی بنیاد بن گئی، جسے آج پروٹسٹنٹ اور کیتھولک جیسے مختلف مسیحی فرقوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان تمام اقتباسات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ پولس یا ساؤل نے تورات کی عملی اہمیت جس پر عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا انحصار تھا کو بالکل ختم کر ڈالا اور حضرت عیسیٰؑ کے بہت سے احکام کو منسوخ کر ڈالا۔

خود آزمائی

1 لفظ مسیح کے معنیٰ و مفہوم کو بیان کریں۔

2 حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی بشارات سے متعلق روایات پر بحث کریں۔

3 حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کے حقیقی مذہب کی تفصیل بیان کریں۔

4 بنی اسرائیل میں جدائی کے دو طرفہ عمل کی تاریخ پر روشنی ڈالیں۔

5 عیسائیت کی تجدید میں پولس یا ساؤل کے کردار پر بحث کریں۔

6 تعلیمات مسیح علیہ السلام میں تحریف و تدلیس کے آغاز پر روشنی ڈالیں۔

7 شریعت موسوی سے مسیحی تعلیمات کا انحراف اور پولس کے شریعت کی منسوخی کے نظریہ کی تفصیل بیان کریں۔

جوابات تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے فٹ نوٹس میں مذکور مآخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

---

[80] عبرانیوں 13:8

یونٹ:3

مسیحیت کے عقائد وافکار

مؤلف:ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظر ثانی:ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،

ڈاکٹر محمد عبداللہ

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف.....49
یونٹ کے مقاصد.....49
تثلیث کا نظریہ (Trinity).....50
اسلام میں توحید کا تصور: تثلیث کے عقیدے سے بنیادی اختلاف.....51
عقیدہ تثلیث اور اسلام کے عقیدہ توحید میں فرق.....52
مسیحیت میں عقیدہ ابنیت مسیح.....53
عقیدہ ابنیت مسیح کی تفصیل.....53
اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام.....54
دونوں عقائد میں فرق.....55
مسیحیت میں عقیدۂ کفارہ.....55
عقیدۂ کفارہ کی تفصیل.....55
اسلام میں گناہوں کی معافی کا تصور.....56
دونوں عقائد میں فرق.....56
مسیحیت میں عقیدۂ رسالت.....57
عقیدۂ رسالت کی تفصیل.....57
اسلام میں عقیدۂ رسالت.....57
دونوں عقائد میں فرق.....58
مسیحیت میں عقیدہ مصلوبیت.....59
عقیدہ مصلوبیت کی تفصیل.....59
اسلام میں مصلوبیت کا تصور.....60
دونوں عقائد میں فرق.....61
حیاتِ عیسیٰؑ قرآن کی روشنی میں.....61
حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے سے متعلق قرآن کا نقطہ نظر.....63
خود آزمائی.....65
جوابات.....66

یونٹ کا تعارف

مذاہب عالم کی تقسیم جو الہامی اور غیر الہامی مذاہب کی بنیاد پر کی گئی ہے اس لحاظ سے عیسائیت اور اسلام الہامی مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ سامی ادیان میں شمار ہوتے ہیں۔ ان مشترکہ اوصاف کے باوجود یہ دونوں مذاہب انفرادی طور پر مختلف عقائد کا مجموعہ ہیں۔ عقائد عقیدے کی جمع ہے جو عربی زبان کے لفظ عقد سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز سے قوت اور مضبوطی کے ساتھ منسلک ہو جانا یا گرہ باندھنے کے ہیں۔ عرب لوگ کسی بھی معاملے کو حتمی قرار دینے کے لیے ایک دوسرے کی طرف اپنی چادروں کے پلو پھینک دیا کرتے تھے جنہیں ایک ساتھ مضبوطی سے باندھ دیا جاتا تھا ایسا کرنے کو وہ عقد کہتے ہیں اس لیے مختلف معاہدات کو بھی عقود کیا جاتا ہے ہار کو بھی عقد کہتے ہیں کیونکہ اس کے موتی باہم مربوط اور ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں پس اسلامی اصطلاح میں عقیدہ بھی دراصل ایک معاہدہ ہے جو رب کائنات اللہ اور اس کے بندے کے مابین طے قرار پاتا ہے۔ اس معاہدہ کا اطلاق اس پختہ ایمان اور قطعی فیصلہ پر ہوتا ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ عقیدہ کا مرکز دل ہوتا ہے اور عقیدے کی یہ گرہ قلب کے اعلیٰ درجہ کے ساتھ قومی بھی ہو سکتی ہے اور کمزور بھی چنانچہ عقیدے کے معنی ہوں گے کہ ایسا پختہ ایمان اور قطعی حکم جس کے یقینی ہونے میں اعتقاد رکھنے والے کو ذرہ برابر شک نہ ہو۔ اس یونٹ میں مسیحی عقائد کا جائزہ پیش کیا جائے گا اور اسلام سے تقابل بھی کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

16 مسیحیت میں تثلیث کے نظریہ اور اسلام میں توحید کے تصور پر بحث اور موازنہ کر سکیں۔

17 مسیحیت میں عقیدہ ابنیت مسیح کے نظریہ اور اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کے مقام پر بحث کرتے ہوئے دونوں مذاہب کا فرق بیان کر سکیں۔

18 مسیحیت میں عقیدہ کفارہ کے نظریہ اور اسلام میں گناہوں کی معافی کے تصور پر بحث اور موازنہ کر سکیں۔

19 مسیحیت میں عقیدہ رسالت کی تفصیل اور اسلام میں عقیدہ رسالت کے تصور پر تقابل کر سکیں۔

20 مسیحیت میں عقیدہ مصلوبیت کی تفصیل اور اسلام میں مصلوبیت کے تصور پر تقابل بحث کر سکیں۔

21 حیات عیسیٰؑ پر قرآن کی روشنی میں بحث کر سکیں۔

22 حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے سے متعلق قرآن مجید کے تصورات کی وضاحت کر سکیں۔

بنیادی عقائد وافکار کسی بھی مذہب کی تاسیس اور تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔اس حوالے سے کسی مذہب کے عقائد واعمال اور دینی افکار وتصورات جتنے معقول، متناسب اور مہذب ہوں گے اتنا ہی وہ مذہب پائیدار اور غیر زوال پذیر ہو گا۔یہی وجہ ہے کہ انسانی فکر کی اساس پر بنے اور پروان چڑھنے والے مذاہب کے غیر پختہ عقائد وافکار آنے والے زمانوں میں انہی مذاہب کی ناممکن العملیت کا موجب بنے ہیں۔ مسیحیت کے بنیادی عقائد اپنا ایک الگ پس منظر رکھتے ہیں۔یہ پس منظر بتاتا ہے کہ حضرت مسیح کے رفع الی السماء کے بعد اپنے ابتدائی دور ہی میں مسیحیت فکری انتشار سے دوچار ہو چکی تھی۔اور آنے والے زمانوں میں مسیحیت جتنا بھی آگے بڑھتی اس انتشار میں اور بھی اضافہ ہوتا۔نتیجتا سینکڑوں سال بعد دنیا کو ایک ایسی مسیحیت سے واسطہ پڑا جو مختلف ومتضاد عقائد کا مجموعہ بنا۔ مسیحیت کا عہد نامہ جدید اپنی موجودہ شکل میں ایک ایسے شخص کے فکر وذہن کا آئینہ دار ہے جو ایک افسانوی پس منظر رکھتا ہے۔اس نے جناب مسیح کو خود نہ تو دیکھا نہ ان کی صحبت میں رہا۔ بلکہ ایک مدت تک ان کے پیروکاروں کے بدترین مخالفتوں اور دشمنوں کی صف اول میں نمایاں رہا۔اچانک لوگوں نے دیکھا کہ وہ جناب مسیح کے پیروکاروں کی قیادت کر رہا ہے اور جناب مسیح کے نام سے ان کے اقوال وارشادات کے بجائے اپنی من گھڑت باتیں بیان کر رہا ہے۔یہ شخص جسے تاریخ پولوس کے نام سے جانتی ہے اپنے اثر ورسوخ، ذہانت، علم اور طلاقت لسانی کے بل پر عامۃ الناس میں بڑی تیزی سے مقبولیت حاصل کرتا چلا گیا۔ پولوس اس زمانے کے ذہنوں کو مسلسل متاثر کرنے میں لگا رہا، یہاں تک کہ چند سال کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ جناب مسیح کے سچے پیروکاروں کے لیے جناب مسیح کی حقیقی تعلیمات کو پیش کرنا اور بیان کرنا مسیحیت دشمنی اور مسیحیوں میں ذہنی انتشار پھیلانے کے ہم معنی سمجھا جانے لگا۔جدید مسیحیت کی رو سے تثلیث، کفارہ، تجسیم خداوندی، الوہیت وابنویت مسیح اور اس قسم کے دیگر عقائد کا منبع ہیں، جن کی وضاحت ذیل میں کی جائے گی۔

تثلیث کا نظریہ (Trinity)

عقیدہ تثلیث دین مسیحیت کا ایک بنیادی عقیدہ بن چکا ہے یہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ خود مسیحی علماء بھی اس میں اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔ مسیحیت کے سبھی فرقے اس پر مختلف آراء رکھتے ہیں عقیدہ تثلیث کو بیان کرتے ہوئے ایک مسیحی عالم کا قول نقل کرتے ہیں۔ شیخ محمد ابوزھرہ شیخ ابوزہرہ، محاضرات فی النصرانیہ (مطبعۃ المدنی، القاہرہ، 1966ء)، ص۹ پر رقم طراز ہیں۔

قال الدكتور يوسف في تاريخ الكتب المقدس طبعة الله عبادة عن ثلاثة اقانيم متساوية الله الاب والله الابن والله الروح القدس فاء فى الاب ينتمى الخلق بواسطة الابن واى الابن الغداواى الروح القدس التطهير— ڈاکٹر یوسف نے اپنی کتاب تاریخ الکتب المقدس کے ایک ایڈیشن میں بیان کیا کہ اللہ کی عبادت تین

مساوی اقانیم (ذاتوں) پر مشتمل ہے: اللہ باپ، اللہ بیٹا، اور اللہ روح القدس۔ ان کے مطابق، باپ کے ذریعے تخلیق ہوئی، بیٹے کے ذریعے رہنمائی (ہدایت) ہوئی، اور روح القدس کے ذریعے تطہیر (پاکیزگی) ہوئی۔

J. Kenneth Grider تثلیث کی وضاحت کرتے ہوئے (Basic Christian Doctrines) میں لکھتے ہیں۔

خدا کی پاکیزگی اور عظمت کا احترام کرتے ہوئے، ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ تثلیث (تین اقانیم) ایک مقدس تصور ہے۔ خدا ایک ہے لیکن تین شخصیات (باپ، بیٹا، اور روح القدس) پر مشتمل ہے، جو ایک ساتھ ایک ہی ذات میں موجود ہیں۔ یسوع مسیح بھی الوہی تھے، اور تثلیث کا یہ نظریہ بتاتا ہے کہ خدا کی فطرت، جوہر، اور ذات ایک ہی ہے لیکن تین مختلف شعوری مراکز کے ساتھ موجود ہے۔ یہ تینوں (باپ، بیٹا، اور روح القدس) ایک ہی الٰہی ہستی کا حصہ ہیں۔

تثلیث فی التوحید (Trinity) مسیحیت میں ایک پیچیدہ اور بنیادی عقیدہ ہے، جس کے مطابق خدا کی ذات میں تین اقانیم یا شخصیتیں موجود ہیں: باپ (Father)، بیٹا (Son) یعنی حضرت عیسیٰؑ، اور روح القدس (Holy Spirit)۔ مسیحی علما کے مطابق، یہ تینوں شخصیتیں ایک ہی جوہر (essence) میں متحد ہیں اور اسی وحدت کے ساتھ الٰہی ہیں۔ تاہم، یہ شخصیتیں اپنی الگ الگ خصوصیات اور افعال کے اعتبار سے متمیز ہیں۔ باپ خدا کی اصل ذات کی نمائندگی کرتا ہے، بیٹا (عیسیٰؑ) خدا کے کلام کا مظہر ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا، اور روح القدس خدا کی الٰہی روح ہے جو دنیا میں اس کی موجودگی اور طاقت کی علامت ہے۔ مسیحیت کے مختلف فرقے اس عقیدے کی تفصیلات میں مختلف ہیں، مگر تثلیث کا یہ بنیادی نظریہ زیادہ تر فرقوں میں مشترک ہے۔ عموماً اس عقیدے کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ "باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے، اور روح القدس بھی خدا ہے، لیکن وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔" اس عقیدے کے مطابق، یہ تین شخصیتیں الگ الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اس حد تک متحد ہیں کہ وہ الگ وجود نہیں رکھتے، بلکہ خدا کے ایک ہی وجود کو ظاہر کرتے ہیں۔ انجیل یوحنا میں اس عقیدے کے متعلق ایک اہم حوالہ ہے: "ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا۔" مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے کلام (Logos) کے طور پر زمین پر آئے۔ اس نظریہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کا ظہور ہیں اور ان کی آمد انسانی نجات کے لئے تھی۔

اسلام میں توحید کا تصور: تثلیث کے عقیدے سے بنیادی اختلاف

اسلام میں توحید کا عقیدہ نہایت سادہ اور براہ راست ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اسلام میں واحد، لاشریک، اور یکتا مانا جاتا ہے، جس میں کوئی تقسیم، شریک یا مساوی نہیں ہے۔ اسلامی توحید کے مطابق، اللہ کی صفات جیسے رحم، قدرت، اور علم، سب

اسی کی ذات کا حصہ ہیں اور وہ کسی اور شخصیت میں متجلی نہیں ہوتیں۔ قرآن مجید میں توحید کی وضاحت خصوصاً سورہ الاخلاص میں کی گئی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کہو، اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔" (سورۃ الاخلاص: ۴-۱)۔ اسلام کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو ہدایت کے لئے بھیجا، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں، مگر ان کو خدا کا بیٹا یا الوہی مظہر نہیں مانا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں اور ان کی نبوت اور معجزات اللہ کی قدرت سے ہی ہیں۔ اسلام میں اللہ کی صفات (Attributes) اور اس کی ذات میں کوئی جداگانہ وجود نہیں، بلکہ اللہ کی صفات اسی کے ساتھ ایک مکمل طور پر منسلک ہیں۔ مثلاً، اللہ کا رحمان ہونا اس کی رحمت کی صفت ہے، لیکن اس صفت کے لئے کسی الگ شخصیت یا مظہر کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس مسیحی عقیدہ تثلیث میں خدا کے تین اقانیم کا تصور اس عقیدے کو ایک مختلف رخ دیتا ہے، جس میں الہیٰ شخصیتوں کی تقسیم یا تخصیص کی جاتی ہے۔

عقیدہ تثلیث اور اسلام کے عقیدہ توحید میں فرق		
فرق کے پہلو	**اسلام**	**مسیحیت**
خدا کی وحدت کا تصور	اللہ کی وحدت کامل اور غیر تقسیم شدہ ہے۔ اللہ ایک ایسی ہستی ہے جس میں کسی قسم کی تقسیم یا شراکت کا تصور ممکن نہیں۔	تثلیث کا نظریہ خدا کی وحدت کو تین اقانیم (باپ، بیٹا، اور روح القدس) میں تقسیم کرتا ہے، جو کہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر ساتھ ہی متحد ہیں۔
الہیٰ صفات اور شخصیات	اللہ کی صفات اسی کی ذات کا حصہ ہیں اور ان میں کسی دوسری ہستی یا شخصیت کا کوئی وجود نہیں ہے۔	تثلیث میں خدا کی صفات تین مختلف اقانیم کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہیں جن میں ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات اور اعمال ہیں، تاہم ان کو ایک خدا میں متحد مانا جاتا ہے
حضرت عیسیٰؑ کا مقام	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور پیغمبر ہیں اور وہ کسی طور پر الوہیت کا	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، اور الہیٰ کلام کا ظہور مانا جاتا ہے اور ان کو خدا

	درجہ نہیں رکھتے۔	کی الوہیت میں شامل تصور کیا جاتا ہے۔
نجات کا ذریعہ	نجات اللہ پر ایمان، اعمال صالحہ اور توبہ کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔	نجات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر قربانی کے ذریعے اور اس پر ایمان رکھنے سے ممکن سمجھا جاتا ہے۔

مسیحیت میں عقیدہ ابنیت مسیح

مسیحیت میں عقیدہ ابنیت مسیح (Sonship of Christ) ایک مرکزی اور بنیادی نظریہ ہے۔ اس عقیدے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یسوع مسیح) خدا کے بیٹے ہیں۔ مسیحی عقیدے میں "ابنِ خدا" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے ساتھ ایک خاص رشتہ رکھتے ہیں اور وہ خدا کے کلام (Logos) کا مظہر ہیں، جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔

عقیدہ ابنیت مسیح کی تفصیل

1. **خدا کے ساتھ الوہی تعلق:**

مسیحی عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "خدا کا بیٹا" کہا جاتا ہے، اور یہ تصور تثلیث (Trinity) کا حصہ ہے۔ اس عقیدے کے مطابق:

- خدا باپ (God the Father)۔
- خدا بیٹا (God the Son)۔
- روح القدس (Holy Spirit)۔

یہ تینوں ایک ہی ذات کے مختلف مظاہر ہیں۔

2. **ابنیت کا مفہوم:**

مسیحیت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، یہ ایک روحانی رشتہ ہے۔ انہیں "کلامِ خدا" (Word of God) کہا جاتا ہے، جو دنیا میں انسانوں کے لیے ظاہر ہوا۔

3. **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت:**

عیسائی عقیدے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف نبی نہیں بلکہ خدا کی ذات کے حامل تھے۔ ان کی تعلیمات، معجزات، اور قربانی کے ذریعے انسانوں کو نجات دی گئی۔

4. **نجات کا ذریعہ:**

ابنیت مسیح کا عقیدہ مسیحی نجات کے نظریے سے جڑا ہوا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننا ایمان کا لازمی حصہ ہے، کیونکہ ان کی قربانی انسانوں کے گناہوں کے کفارے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔

5. **باپ اور بیٹے کا تعلق:**

عیسائی عقیدے کے مطابق، خدا باپ نے دنیا کی تخلیق کی، اور خدا بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ذریعے انسانوں کو نجات دی۔ روح القدس ان دونوں کا معاون اور انسانوں کے دلوں میں خدا کی موجودگی کی علامت ہے۔

اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام

اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے نبی اور رسول کے طور پر مانا جاتا ہے، لیکن انہیں اللہ کا بیٹا یا الوہیت کا حامل نہیں سمجھا جاتا۔ قرآن مجید اس تصور کو واضح طور پر رد کرتا ہے:

1. **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت:**

اسلام کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی تھے اور انہیں اللہ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے بھیجا۔

2. **اللہ کی وحدانیت:**

اسلام اللہ کو واحد اور بے شریک مانتا ہے۔ قرآن میں واضح طور پر کہا گیا ہے: "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" (الاخلاص: 3)
"نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔"

3. **ابنیت کا انکار:**

قرآن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اللہ کے لیے بیٹا ہونا نہایت ناممکن بات ہے: "وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ" (البقرۃ 116)
"اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا۔ پاک ہے وہ! بلکہ سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے۔"

4. **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت:**

اسلام کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور نبی تھے۔ وہ انسان تھے، اور ان کی پیدائش اللہ کے حکم سے بغیر والد کے ہوئی۔

دونوں عقائد میں فرق

فرق کے پہلو	مسیحیت (ابنیت مسیح)	اسلام (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)
حضرت عیسیٰ کا مقام	خدا کا بیٹا اور الوہیت کا حامل۔	اللہ کے نبی اور بندے۔
اللہ کے ساتھ تعلق	الوہی تعلق؛ تثلیث کا حصہ۔	بندگی کا تعلق؛ وحدانیت پر زور۔
نجات کا ذریعہ	حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان۔	اللہ کی رحمت اور اعمال۔
پیدائش کا مقصد	خدا کے کلام کا انسانی شکل میں ظاہر ہونا۔	بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے۔
ابنیت کا تصور	روحانی اور الوہی؛ خدا کا بیٹا مانا جاتا ہے۔	ابنیت کا انکار؛ اللہ کو بیٹا کی ضرورت نہیں۔

مسیحیت میں عقیدہ ابنیت مسیح، تثلیث اور نجات کے نظریے سے جڑا ہوا ہے، جبکہ اسلام اللہ کی وحدانیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت پر زور دیتا ہے۔ مسیحیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کا حامل مانا جاتا ہے، لیکن اسلام انہیں اللہ کے بندے اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے نبی کے طور پر پیش کرتا ہے۔

مسیحیت میں عقیدۂ کفارہ

مسیحیت میں عقیدۂ کفارہ کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے صلیب پر اپنی جان قربان کی۔ یہ مسیحی عقیدہ اس بنیاد پر ہے کہ انسانی گناہ کے باعث اللہ اور انسان کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہو گیا تھا، اور اس فاصلے کو ختم کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی۔ مسیحی عقیدے کے مطابق یہ قربانی اس لیے ضروری سمجھی جاتی ہے کہ خدا عادل ہے اور گناہ کا کفارہ ضروری ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون کی قربانی نے اس گناہ کو دھو دیا اور ان سب کے لیے نجات کا راستہ کھول دیا جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

عقیدۂ کفارہ کی تفصیل

- **گناہ کی حقیقت** : مسیحیت کے مطابق، تمام انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہیں (original sin)۔ یہ گناہ حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ کا نتیجہ ہے، جو ان کی نسل میں منتقل ہوتا رہا۔
- **خدا کی محبت اور انصاف** : خدا گناہ سے نفرت کرتا ہے، لیکن وہ انسان سے محبت بھی کرتا ہے۔ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے گناہ کی سزا ضروری ہے، لیکن محبت کے تحت، خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بننے کے لیے بھیجا۔
- **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی** : عیسائی عقیدے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام معصوم تھے اور ان کی قربانی

تمام انسانوں کے گناہوں کو معاف کرنے کے لیے کافی تھی۔

- **ایمان کے ذریعے نجات** :مسیحیت میں یہ عقیدہ ہے کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کے ذریعے انسان کو گناہوں سے نجات اور ابدی زندگی مل سکتی ہے۔

اسلام میں گناہوں کی معافی کا تصور

اسلام میں گناہوں کی معافی کا تصور کفارہ کے عقیدے سے مختلف ہے:

- **پیدائشی گناہ کا انکار** :اسلام یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہے۔ ہر انسان فطری طور پر پاک پیدا ہوتا ہے اور اپنے اعمال کے لیے خود ذمہ دار ہے۔
- **اللہ کی رحمت اور مغفرت** :اسلام کے مطابق، اللہ تعالیٰ انتہائی رحم کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ گناہوں کی معافی اللہ سے توبہ، نیک اعمال، اور خلوص دل سے معافی مانگنے سے مل جاتی ہے۔
- **قربانی کا مختلف تصور** :اسلام میں جانوروں کی قربانی سنتِ ابراہیمی کی یادگار کے طور پر کی جاتی ہے، لیکن یہ گناہوں کا کفارہ نہیں بلکہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔
- **ذاتی اعمال کی اہمیت** :اسلام میں ہر شخص اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے۔ کسی دوسرے کی قربانی یا اعمال کسی کے گناہوں کو معاف نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ"(النجم: 39) اور یہ کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرے۔

دونوں عقائد میں فرق

فرق کے پہلو	مسیحیت (کفارہ)	اسلام (مغفرت)
گناہ کی حقیقت	انسان پیدائشی گناہگار ہے۔	انسان پیدائشی طور پر پاک ہے۔
معافی کا ذریعہ	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی پر ایمان۔	اللہ سے توبہ اور نیک اعمال۔
ذمہ داری	گناہوں کی معافی اجتماعی ہے۔	ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔
قربانی کا مقصد	گناہوں کا کفارہ ادا کرنا۔	اللہ کی رضا حاصل کرنا۔
نجات	ایمان اور کفارہ کے ذریعے۔	خلوص دل سے توبہ اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ

مسیحیت اور اسلام میں گناہ اور معافی کا تصور بنیادی طور پر مختلف ہے۔ مسیحیت میں "کفارہ کا عقیدہ" ایک بنیادی نظریہ ہے، جبکہ اسلام میں اللہ کی رحمت، مغفرت، اور انسان کی ذاتی افعال اور کوششوں اور ان کے اثرات کو اس کے اعمال کا سبب قرار

دیا گیا ہے۔

مسیحیت میں عقیدۂ رسالت

مسیحیت میں رسالت کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے وابستہ ہے، لیکن اس کا تصور اسلام کے عقیدۂ رسالت سے مختلف ہے۔ مسیحیت کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف نبی اور رسول تھے بلکہ وہ خدا کے بیٹے اور انسانی شکل میں خدا کا ظہور (incarnation) بھی تھے۔ ان کا مشن انسانوں کو گناہوں سے نجات دینا اور خدا کے ساتھ صلح (atonement) کرانا تھا۔

عقیدۂ رسالت کی تفصیل

1. **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت:**

مسیحی عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغامبر تھے، لیکن انہیں دیگر انبیاء سے بلند مقام دیا گیا ہے۔ انہیں "خدا کا بیٹا" اور "کلام خدا" کہا جاتا ہے، جو انسانی شکل میں دنیا میں آئے۔

2. **نبوت اور الوہیت کا امتزاج:**

مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکمل انسان اور مکمل خدا تھے۔ ان کی شخصیت دوہری حیثیت رکھتی ہے:

- **الوہیت**: وہ خدا کی ذات کا حصہ تھے۔
- **انسانیت**: وہ انسانی شکل میں دنیا میں رہ کر لوگوں کی رہنمائی کرتے رہے۔

3. **رسالت کا مشن:**

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد انسانوں کو گناہوں سے نجات دینا، خدا کی محبت کو ظاہر کرنا، اور ان کے لیے جنت کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ ان کی تعلیمات محبت، قربانی، اور خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے پر مبنی تھیں۔

4. **انبیاء کا تسلسل:**

مسیحیت میں عام طور پر انبیاء کا ذکر تورات کے انبیاء تک محدود ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری اور سب سے بلند مقام پر فائز سمجھا جاتا ہے۔ مسیحی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آیا۔

اسلام میں عقیدۂ رسالت

اسلام میں رسالت کا عقیدہ ایمان کے بنیادی ارکان میں شامل ہے۔ قرآن کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء

بھیجے تاکہ لوگوں کو ہدایت دیں اور حق و باطل کی وضاحت کریں۔

1. **تمام انبیاء برابر:**

اسلام میں تمام انبیاء کو برابر کا مقام دیا جاتا ہے، اور ان سب کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ" (البقرۃ: 285) "ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔"

2. **حضرت محمد ﷺ کی رسالت:**

اسلام میں حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین (آخری نبی) مانا جاتا ہے، اور ان کی شریعت کو قیامت تک کے لیے کامل اور حتمی رہنمائی قرار دیا گیا ہے۔

3. **انسانیت کا مقام:**

اسلام کے مطابق، تمام انبیاء بشر تھے اور خدا کے پیغام پہنچانے کے لیے بھیجے گئے۔ وہ الٰہی صفات کے حامل نہیں تھے بلکہ اللہ کے بندے تھے۔

4. **نبوت کا تسلسل:**

اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء کا مشن ایک ہی تھا: اللہ کی وحدانیت کی دعوت اور انسانیت کو ہدایت دینا۔

دونوں عقائد میں فرق

فرق کے پہلو	اسلام (رسالت)	مسیحیت (رسالت)
نبی کی حیثیت	تمام انبیاء بشر ہیں اور اللہ کے بندے ہیں۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور الوہیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔
نبوت کا مقصد	اللہ کی وحدانیت کی دعوت اور ہدایت دینا۔	گناہوں سے نجات اور خدا کی محبت ظاہر کرنا۔
نبوت کا تسلسل	حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں، لیکن ان سے پہلے کئی انبیاء آئے۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

آخری نبی کی حیثیت	حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین مانا گیا ہے۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب سے بلند مقام کے حامل ہیں۔
نبی اور خدا کا تعلق	نبی کو خدا کا بندہ اور پیغامبر سمجھا جاتا ہے۔	نبی کو خدا کا بیٹا اور الوہی حیثیت دی جاتی ہے۔

مسیحیت اور اسلام میں رسالت کا تصور بنیادی طور پر مختلف ہے۔ مسیحیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو الوہیت اور انسانیت کے امتزاج کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جب کہ اسلام تمام انبیاء کو بشر اور اللہ کے پیغامبر کے طور پر دیکھتا ہے۔ اسلام کا عقیدۂ رسالت، توحید اور انبیاء کی مساوات پر زور دیتا ہے، جبکہ مسیحیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہی مقام پر فائز کیا گیا ہے۔

مسیحیت میں عقیدہ مصلوبیت

مسیحیت میں عقیدہ مصلوبیت (Crucifixion) بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور مسیحی ایمان کا محور سمجھا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یسوع مسیح) کو یہودیوں کے مذہبی رہنماؤں کے مطالبے پر رومی حکومت نے صلیب پر چڑھا کر موت کے گھاٹ اتارا۔ مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ یہ واقعہ انسانی گناہوں کے کفارے کے لیے پیش آیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی جان قربان کر کے انسانیت کو نجات دی۔

عقیدہ مصلوبیت کی تفصیل

1. **واقعہ مصلوبیت:** مسیحی روایت کے مطابق:
   - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی مذہبی پیشواؤں نے رومی گورنر پونٹیوس پیلاطوس کے سامنے غداری کے الزام میں پیش کیا۔
   - پیلاطوس نے انہیں موت کی سزا دی، اور وہ صلیب پر چڑھائے گئے۔
   - صلیب پر ان کی موت کے بعد انہیں ایک مقبرے میں دفن کیا گیا، تین دن بعد، وہ اپنی موت سے زندہ ہو گئے، جسے ان کی "قیامت" کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے دوبارہ جی اٹھنے کو مسیحیوں کے لیے گناہوں سے نجات اور ابدی زندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ واقعہ "ایسٹر" کے تہوار کا مرکزی حصہ بھی ہے، جو مسیحیت میں بڑی عقیدت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

2. **نجات کا فلسفہ:**

مسیحی نظریے میں مصلوبیت انسانی گناہوں کے کفارے کے لیے ضروری تھی۔

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قربانی کے ذریعے انسانوں کے اصل گناہ (Original Sin) اور ذاتی گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔
- ان کی موت اور قیامت کو نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

3. **قیامت:**

مسیحی عقیدے کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر موت کے بعد تیسرے دن زندہ ہو گئے۔ یہ قیامت ان کے الٰہی مشن کی تکمیل کی علامت ہے۔

4. **صلیب کی اہمیت:**

صلیب مسیحیت میں نجات، قربانی، اور محبت کا نشان ہے۔ مسیحیوں کے نزدیک یہ واقعہ خدا کی انسانوں سے محبت اور ان کی نجات کے منصوبے کو ظاہر کرتا ہے۔

اسلام میں مصلوبیت کا تصور

اسلام میں **عقیدہ مصلوبیت** کی سختی سے نفی کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صلیب پر چڑھایا گیا اور نہ قتل کیا گیا، بلکہ اللہ نے انہیں اپنی حفاظت میں آسمان پر اٹھا لیا۔

1. **قرآن کی گواہی:**

سورۃ النساء آیت 157 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ-وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ-وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ-مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ-وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا"

"اور ان کے اس کہنے (یعنی فخریہ دعوٰی) کی وجہ سے (بھی) کہ ہم نے اللہ کے رسول، مریم کے بیٹے عیسٰی مسیح کو قتل کر ڈالا ہے، حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ انہیں سولی چڑھایا مگر (ہوا یہ کہ) ان کے لئے (کسی کو عیسٰی علیہ السلام کا) ہم شکل بنا دیا گیا، اور بے شک جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ یقیناً اس (قتل کے حوالے) سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں (حقیقتِ حال کا) کچھ بھی علم نہیں مگر یہ کہ گمان کی پیروی (کر رہے ہیں)، اور انہوں نے عیسٰی (علیہ السلام) کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

2. **شبیہ کا نظریہ:**

اسلام کے مطابق، کسی اور کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشابہ بنا کر صلیب پر چڑھایا گیا، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

3. **حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی:**

اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں آئیں گے، دجال کو قتل کریں گے اور عدل وانصاف قائم کریں گے۔

4. **نجات کا تصور:**

اسلام میں نجات کا تعلق اللہ کی رحمت، توحید، اور اعمال صالحہ سے ہے، نہ کہ کسی قربانی سے۔ ہر انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہے۔

دونوں عقائد میں فرق

فرق کے پہلو	مسیحیت (مصلوبیت)	اسلام (مصلوبیت کی نفی)
حضرت عیسیٰ کا انجام	صلیب پر موت اور قیامت	اللہ نے اپنی حفاظت میں آسمان پر اٹھالیا۔
نجات کا ذریعہ	حضرت عیسیٰ کی قربانی	توحید، اعمال صالحہ، اور اللہ کی رحمت۔
صلیب کا تصور	نجات اور محبت کی علامت	شبیہ کا نظریہ؛ صلیب پر قتل کو رد کیا گیا۔
قیامت	تین دن بعد دوبارہ جی اٹھے	قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔
اللہ کا منصوبہ	انسانی گناہوں کے کفارے کے لیے قربانی	اللہ کی قدرت سے حضرت عیسیٰ محفوظ رہے۔

مسیحیت میں عقیدہ مصلوبیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی کو انسانیت کی نجات کے لیے لازم سمجھتا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات میں اس نظریے کو مسترد کیا جاتا ہے اور اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب سے حفاظت اور قرب قیامت میں ان کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ ہے۔

حیاتِ عیسیٰؑ قرآن کی روشنی میں

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کو ان کی والدہ نے اللہ کی نذر کیا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی ذمہ داریوں کو اٹھایا ہوا تھا۔ حضرت مریم ہیکل کی محرابوں میں سے ایک میں رہتی تھیں۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

اللّٰہ ؕ ○ اِنَّ اللّٰہَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ۔ ''ان کی کفالت زکریا (علیہ السلام) نے کی، جب کبھی زکریا محراب میں ان کے پاس آتے تو وہ ان کے پاس رزق پاتے، تو وہ کہنے لگے کہ اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟ تو انہوں نے جواب دیا من عند اللہ، کہ اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب عطا کرتا ہے''۔

بے شک یہ آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ باعظمت مقام کی حامل اور برگزیدہ خاتون تھیں۔ اس مقامِ فضیلت کے بارے میں انہیں غیب سے اطلاع حاصل ہو چکی تھی، سورۃ آل عمران کی آیت ۴۳، ۴۲ کی درج ذیل آیات میں اسی بات کی وضاحت ہے۔

وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ. یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ وَاسۡجُدِیۡ وَارۡکَعِیۡ مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ۔ ''اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔ مریم اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا''۔

اسی دوران حضرت مریم علیہا السلام کو ولادتِ مسیح کی بشارت دی گئی۔ سورہ مریم کے حوالے کے مطابق وہ لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئیں اور پردہ ڈال کر ان سے پوشیدہ ہو گئیں۔ سورۃ مریم کی آیت ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَحَمَلَتۡہُ فَانۡتَبَذَتۡ بِہٖ مَکَانًا قَصِیًّا۔ پس وہ حمل سے ہو گئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔

سورۃ مریم کی آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قَالَتۡ یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ ہٰذَا وَ کُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا۔

''پریشانی کے عالم میں وہ پکار اٹھیں کاش میں اس سے پہلے مر جاتی، اور میرا نام و نشان باقی نہ رہتا''۔

پھر سورۃ مریم کی آیت نمبر ۲۴ سے ۲۶ میں اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت ان کو موصول ہوئی کہ

فَنَادٰىہَا مِنۡ تَحۡتِہَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِیۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّکِ تَحۡتَکِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ وَہُزِّیۡۤ اِلَیۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَۃِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡکِ رُطَبًا جَنِیًّا۔ فَکُلِیۡ وَاشۡرَبِیۡ وَقَرِّیۡ عَیۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِیۡۤ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا۔

''تو غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے تو اس درخت کے تنے کو ہلا تیرے اوپر تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ بس کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر کوئی فرد تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لئے آج میں کسی سے نہ بولوں گی''۔

سورۃ مریم آیت ۲۷ تا ۳۲ کے مطابق حضرت مریمؑ کی عصمت پر جھوٹا الزام لگایا گیا۔

فَاَتَتۡ بِہٖ قَوۡمَہَا تَحۡمِلُہٗ ؕ قَالُوۡا یٰمَرۡیَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَیۡئًا فَرِیًّا. یٰۤاُخۡتَ ہٰرُوۡنَ مَا کَانَ اَبُوۡکِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا کَانَتۡ اُمُّکِ بَغِیًّا. فَاَشَارَتۡ اِلَیۡہِ ؕ قَالُوۡا کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَہۡدِ صَبِیًّا. قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا. وَّجَعَلَنِیۡ

مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۙ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۔

''پھر وہ اس (بچے) کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تُو نے برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بداطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ تو مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگ کہنے لگے کہ وہ بچہ جو چھوٹا ہو وہ کیسے کلام کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے باعثِ برکت بنایا گیا ہے اور مجھے جہاں کہیں میں رہوں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے جب تک زندہ رہوں اور (مجھے) اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا اور مجھے شقی اور جبار نہیں بنایا گیا ہے''۔

در حقیقت یہ وہ مقدس نشانی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں گے کہ یہی لوگ ان کی گواہی دیں گے یہ بچہ گہوارے میں کلام کی وجہ سے ابتداء میں غیر معمولی حیثیت کا مالک تھا۔ لوگوں کے لئے ان کے پیغام کی قبولیت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے سے متعلق قرآن کا نقطہ نظر

مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کے واقعے کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید نے اس کی سختی سے تردید کی ہے یہود کی قتل کی سازش کے بارے میں سورۃ آل عمران آیت ۵۴ میں اللہ نے فرمایا۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ

اور انہوں (یہود) نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مکر) خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے۔

اسلامی تصور کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیر نگین تھا یہاں ان کا جو حکمران مقرر تھا وہ کافر تھا یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے خلاف اس حکمران کو اکسایا کہ یہ نعوذ باللہ بے باپ کے اور فسادی ہے۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰؑ کو سولی دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی جگہ ان کے ہمشکل ایک آدمی کو سولی دے دی مکر عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ (خیرُ الْماکِرِیْنَ) کہا گیا گویا یہ مکر برا بھی ہو سکتا ہے اگر غلط مقصد کے لئے ہو اور خیر بھی ہو سکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لئے ہو ۔ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب نہ ہونے کے بارے میں سورۃ النساء کی آیت ۱۵۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۔

''اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو خدا کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے۔

(خدا نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔''

سورۃ المائدہ کی آیت ۷۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔

بے شک وہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے، اور (حالانکہ) سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں، اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئیں گے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو دردناک عذاب پہنچے گا۔

سورۃ المائدہ کی آیت ۱۷ میں ارشاد فرمایا۔ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

بے شک وہ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مریم کا بیٹا مسیح ہے، کہہ دے کہ پھر اللہ کے سامنے کس کا بس چل سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ مریم کے بیٹے مسیح اور اس کی ماں اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کر دے، اور آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، جو چاہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

چونکہ عیسائی خدا کے بارے میں بے بنیاد دعوے کرتے ہیں۔ اس آیت میں حضرت مسیحؑ کی الوہیت کے دعویٰ کو ایک واضح کفر قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ مسیح ابن مریم خدا ہے وہ کافر ہو گئے ہیں اور در حقیقت انھوں نے خدا کا انکار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیت ۱۷۱ میں مسیحیت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۡ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور حق بات کے علاوہ اللہ کی شان میں کچھ نہ کہو، بے شک مریم کا بیٹا مسیح عیسیٰ اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے

سب رسولوں پر، اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اس بات کو چھوڑ دو تو تمہارے لیے بہتر ہو گا، بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے اس کی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کار ساز کافی ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت مسیح کی ہستی کے متعلق جو صدیوں سے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی صاف الفاظ میں صراحت کر دی کہ وہ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول ہیں اور بن باپ اس کے کلمہ کن سے ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرب روحوں میں سے ایک مقدس روح ہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اگر تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو تثلیث کا عقیدہ تمام مشرکانہ مذاہب میں مشترک نظر آتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں ''تری مورتی''، یعنی برہما، وشنو اور شیو کی عبادت کی جاتی ہے۔ جن کے لئے وہ ان تین حروف (ا۔ و۔ م) کو بطور رمز استعمال کرتے ہیں۔ چین میں ''تاوو'' ایک ایسا خدا ہے جس کی تین اقانیم ہیں۔ مصر قدیمہ میں معبد منیفس کے قسیس ثالوث مقدس کی تعلیم دیتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ پہلے نے دوسرے کو اور دونوں نے مل کر تیسرے کو پیدا کیا۔ ان کے اعتقاد میں اقنوم ثانی کو کلمہ، نیز دوسرا خدا اور اللہ کا پلوٹھی کا بیٹا کہا جاتا (بالکل ویسے جیسے اب عیسائی کلمہ کو ابن اللہ اور الہ مانتے ہیں) اور فارس میں بھی ایک ایسے الہ کی پرستش کی جاتی تھی جو مثلث الاقانیم تھا۔ جن کے نام یہ تھے ازمرد، متزات اور اہرمن۔ متزات کو وہ بھی ابن اللہ کہا کرتے۔ اور خود یورپ میں مسیحیت سے پہلے تثلیث کا عقیدہ رائج تھا۔ چنانچہ یونانی ایک ایسے خدا کے قائل تھے جس کی تین اقانیم تھیں۔ اور روم کے قدیم بت پرست بھی تثلیث کے قائل تھے۔ اور اللہ، کلمہ اور روح پر ایمان رکھتے تھے۔ اس مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ جب عیسائیت مشرق اوسط سے یورپ میں پہنچی اور قسطنطین شاہ روم نے اسے قبول کیا تو وہی تثلیث جو اہل یورپ کے عقیدہ میں غیر معلوم زمانہ سے چلی آ رہی تھی منتقل ہو کر ایک ایسے دین میں آ گئی جو سراسر توحید خالص کا علم بردار تھا۔ انجیل مقدس کی یہ آیت اب بھی اعلان کر رہی ہے کہ اس دین حق کا اور اس کے پیغمبر کا دامن شرک کی ان آلودگیوں سے پاک ہے۔

انجیل یوحنا باب تین کے فقرہ ۱۷ میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں''

خود آزمائی

1 مسیحیت میں تثلیث کے نظریہ اور اسلام میں توحید کے تصور پر بحث اور موازنہ کریں۔

2 مسیحیت میں عقیدہ ابنیت مسیح کے نظریہ اور اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کے مقام پر بحث کرتے ہوئے دونوں مذاہب کا فرق بیان کریں۔

3 مسیحیت میں عقیدہ کفارہ کے نظریہ اور اسلام میں گناہوں کی معافی کے تصور پر بحث اور موازنہ کریں۔

4 مسیحیت میں عقیدہ رسالت کی تفصیل اور اسلام میں عقیدہ رسالت کے تصور پر تقابل کریں۔

5 مسیحیت میں عقیدہ مصلوبیت کی تفصیل اور اسلام میں مصلوبیت کے تصور پر تقابل بحث کریں۔

6 حیات عیسیٰؑ پر قرآن کی روشنی میں بحث کریں۔

7 حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے سے متعلق قرآن مجید کے تصورات کی وضاحت کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے متن میں مذکور مآخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

یونٹ:4

مسیحیت کے ابتدائی فرقے

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،

ڈاکٹر محمد عبداللہ،

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف.....69
یونٹ کے مقاصد.....69
مسیحیت کے فرقے.....70
نصرانی یا ایبونی فرقہ.....70
ایبونی فرقے کے اہم عقائد.....71
ایبونی فرقے کا ارتقا اور زوال.....71
عہد قدیم اور جدید میں ایبونی فرقے کی حیثیت.....72
اسلام سے موازنہ.....72
دوسیٹس (Docetism) کا تعارف.....73
عہد قدیم میں دوسیٹس کے عقائد.....73
عہد جدید میں دوسیٹس کا اثر.....74
ایبونی (Ebionites) اور دوسیٹس کے درمیان اختلافات.....75
آریوسی فرقہ :(Arianism).....76
عہد قدیم میں آریوسی فرقہ.....76
عہد جدید میں آریوسی فرقے کا اثر.....77
آریوسی عقائد اور اسلام کا تقابل.....78
اپولینیرین فرقہ :(Apollinarianism).....79
عہد قدیم میں اپولینیرین فرقہ.....79
عہد جدید میں اپولینیرین فرقے کا اثر.....80
اسلامی نقطہ نظر سے تقابل.....80
نسطوری فرقہ :(Nestorianism).....81
عہد قدیم میں نسطوری فرقہ.....82
عہد جدید میں نسطوری فرقہ.....82
اسلامی نقطہ نظر سے تقابل.....83
خود آزمائی.....84
جوابات.....84

یونٹ کا تعارف

یہ یونٹ مسیحیت کے مختلف فرقوں کے تاریخی عقائد کے پس منظر کا جامع تعارف فراہم کرے گا۔ مسیحیت کے آغاز سے ہی عقائد کی بنیاد پر اختلافات سامنے آنا شروع ہو گئے تھے، جو بعد میں مختلف فرقوں کی تشکیل کا سبب بنے۔ ان فرقوں میں ایبونی، دوسیٹس، آریوسی، اپولینیرین، اور نسطوری شامل ہیں، جنہوں نے اپنے مخصوص نظریات کے ذریعے عیسائیت کی فکری اور مذہبی ساخت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ہر فرقے کے بنیادی عقائد اور نظریات کو عہد قدیم اور جدید کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ کس طرح یہ فرقے وقت کے ساتھ ارتقا پذیر ہوئے اور ان کے اثرات مختلف خطوں میں کس انداز میں محسوس کیے گئے۔ ایبونی فرقہ، جو مسیحیت کی ابتدائی تاریخ میں نمایاں تھا، حضرت عیسیٰ کی بشریت پر زور دیتا ہے، جب کہ دوسیٹس اور آریوسی جیسے فرقے ان کی الوہیت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں۔ اپولینیرین فرقہ اور نسطوری فرقہ بھی اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے نمایاں ہیں، جو حضرت عیسیٰ کی ذات میں بشریت اور الوہیت کے امتزاج کو مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان فرقوں کے عقائد کا اسلام کے تناظر میں موازنہ بھی کیا گیا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام اور مسیحیت کے عقائد میں کہاں کہاں مماثلت اور اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس تقابل سے موضوعات کو بین المذاہب مکالمے کے تناظر میں سمجھا جا سکے گا۔ مجموعی طور پر، اس یونٹ میں مسیحیت کی عقائد کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے ایک جامع اور مربوط تعارف پیش کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

23 نصرانی یا ایبونی فرقے کے اہم عقائد، تاریخی ارتقاء، عہد قدیم اور جدید میں نظریات کا اسلام سے تقابل اجاگر کر سکیں۔

24 دوسیٹس فرقے (Docetism) کا تعارف اہم عقائد، مسیحی عقائد پر اثرات، ایبونی فرقے کے ساتھ اختلافات پر روشنی ڈال سکیں۔

25 آریوسی فرقے کا تعارف عہد قدیم اور جدید میں اس کے اثرات، اور آریوسی عقائد کا اسلام سے تقابل کر سکیں۔

26 اپولینیرین فرقے کی تاریخ عہد قدیم اور جدید میں مسیحیت پر اثرات اور اسلامی عقائد سے موازنہ بیان کر سکیں۔

27 نسطوری فرقے کی تاریخ عہد قدیم و جدید میں اس کے اثرات اور اسلامی عقائد سے اس کا تقابل کر سکیں۔

مسیحیت کے فرقے

مسیحیت کی تاریخ میں عقائد اور نظریات کے اختلافات نے کئی ایسے فرقوں کو جنم دیا جنہوں نے مذہب کے فکری اور عملی پہلوؤں کو مختلف زاویوں سے پیش کیا۔ ان فرقوں کا ارتقا ابتدائی عہد کے مذہبی تنازعات اور فلسفیانہ تشریحات کا نتیجہ تھا، جہاں حضرت عیسیٰ کی ذات، ان کے مقام، اور ان کے پیغام کے حوالے سے مختلف آراء سامنے آئیں۔ بعض فرقے ان کی الوہیت پر زور دیتے تھے، تو کچھ ان کی بشریت کے قائل تھے، جبکہ کچھ نے ان دونوں کے امتزاج کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ یہ فرقے نہ صرف مذہبی نقطہ نظر سے اہم ہیں بلکہ ان کے تاریخی، سماجی، اور ثقافتی اثرات بھی گہرے ہیں۔ ان کے عقائد اور نظریات نے نہ صرف مسیحی دنیا کو متاثر کیا بلکہ ان کے اثرات دیگر مذاہب اور معاشروں پر بھی مرتب ہوئے۔ اس یونٹ میں ہم ان فرقوں کی ابتدا، ان کے عقائد، ان کے ارتقا اور زوال، اور عہد قدیم و جدید میں ان کی حیثیت کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

نصرانی یا ایبونی فرقہ

نصرانی یا ایبونی فرقہ عیسائیت کے ابتدائی دور میں موجود ایک اہم گروہ تھا۔ یہ وہ افراد تھے جو مسیحیت کے آغاز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریبی ماننے والوں میں شامل تھے۔ اس فرقے میں ایسے افراد تھے جو ابتداء میں سب کے سب یہودی تھے۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرت مسیح کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایونی کی لفظی معنی مسکین اور غریب کے ہیں یہ لوگ خود ایونی اس لیے کہتے تھے کہ خطبہ جبل (Sermon ofMount) میں حضرت عیسی کے مخاطب یہ ہی لوگ تھے ان کا تعلق فلسطین اور شام سے تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی الوھیت کے منکر تھے ان کے دیگر پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہونے پر عقیدہ رکھتے تھے البتہ ان کو مسیح موعود اور نجات دہندہ کہتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی بشریت کے قائل ہونے کے ساتھ ان کی پیدائش کے معجزہ ہونے کے معتقد تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ ضرور تھے لیکن حضرت مریم کا حمل روح القدس کے ذریعے قرار پایا۔ ایونی فرقے والے اس بات کے بھی دعویدار تھے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھ جانے کی وجہ سے تمام انسانوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ اس فرقے کے افراد پولوس کو بتلاتے تھے اور یہ لوگ ہفتہ اور اتوار دونوں دن اپنے تمام کاروبار معطل رکھتے تھے۔ یہ فرقہ آگے چل کر جمہور عیسائیوں میں مدغم ہو گیا۔ ان کا مذہبی اور فکری مرکز شام اور فلسطین تھا، اور یہودی پس منظر رکھنے والے لوگ اس فرقے میں شامل تھے۔ ان کا نام "ایبونی" عبرانی لفظ אביונים (Ebyonim) سے نکلا ہے، جس کے معنی "مسکین" یا "غریب" کے ہیں۔

ایبونی فرقے کے اہم عقائد

✓ **حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی نفی:**

ایبونی فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا الوہی شخصیت ماننے کے بجائے انہیں ایک انسان اور نبی تسلیم کرتا تھا۔

- وہ انہیں دیگر انبیاء کی طرح ایک نبی مانتے تھے۔
- تاہم، وہ حضرت عیسیٰ کو مسیح موعود اور نجات دہندہ تسلیم کرتے تھے۔

✓ **حضرت عیسیٰ کی بشریت اور معجزاتی پیدائش:**

- ایبونی فرقہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت مریم کا حمل روح القدس کے ذریعے ہوا، لیکن یوسف کو بھی حضرت عیسیٰ کا زمینی باپ سمجھا جاتا تھا۔

✓ **کفارہ کا تصور:**

- ایبونی لوگ یہ مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھ جانے کے عمل نے تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔

✓ **شریعت کی پابندی:**

- یہ لوگ یہودی شریعت کے سخت پیروکار تھے اور حضرت عیسیٰ کے احکامات کو اس شریعت کا تسلسل سمجھتے تھے۔
- وہ ہفتہ (سبت) اور اتوار دونوں دن عبادت کے لیے مخصوص رکھتے تھے۔

✓ **پولوس کا انکار:**

- ایبونی فرقہ پولوس (Paul) کو مسیحیت کی اصل تعلیمات سے انحراف کا ذمہ دار سمجھتا تھا اور اسے قبول نہیں کرتا تھا۔

ایبونی فرقے کا ارتقا اور زوال

- **ابتدائی دور:**

ایبونی فرقے کے افراد کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو حضرت عیسیٰ کو خود دیکھ چکے تھے یا ان کے قریبی شاگردوں سے براہ راست متاثر تھے۔

- فلسطین اور شام ان کا بنیادی مرکز تھا۔

- ان کے عقائد یہودیوں اور ابتدائی مسیحی تعلیمات کے درمیان پل کا کردار ادا کرتے تھے۔

- **جمہور عیسائیوں میں انضمام:**

جیسے جیسے مسیحیت رومی سلطنت میں پھیلتی گئی اور پولوس کے نظریات غالب آ گئے، ایبونی فرقہ زوال پذیر ہوتا گیا۔

- ان کے عقائد اور نظریات آہستہ آہستہ دیگر فرقوں میں مدغم ہو گئے۔
- عیسائیت کے مرکزی دھارے (Mainstream Christianity) میں ان کا اثر کم ہو گیا۔

عہد قدیم اور جدید میں ایبونی فرقے کی حیثیت

عہد قدیم:

- ایبونی فرقہ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ میں ایک اہم گروہ تھا۔
- ان کے عقائد یہودی مسیحی روایات کے قریب تھے، اور وہ عہد قدیم کی کتابوں کو مقدس سمجھتے تھے۔

عہد جدید:

- جدید دور میں ایبونی فرقے کے افراد اور عقائد تاریخی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔
- ان کے خیالات آج کے عیسائیوں میں عمومی طور پر موجود نہیں، لیکن بعض اسکالرز ان کے نظریات کو ابتدائی عیسائیت کے مطالعے کے لیے اہم سمجھتے ہیں۔

اسلام سے موازنہ

✓ **حضرت عیسیٰ کی حیثیت:**

- ایبونی عقیدہ: حضرت عیسیٰ ایک نبی اور مسیح موعود تھے، لیکن الوہیت سے مبرا تھے۔
- اسلامی عقیدہ: حضرت عیسیٰ اللہ کے برگزیدہ نبی اور مسیح موعود ہیں، اور ان کی الوہیت کی سختی سے نفی کی جاتی ہے۔

✓ **کفارہ کا انکار:**

- ایبونی عقیدہ: حضرت عیسیٰ کے صلیب پر چڑھ جانے سے انسانیت کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوا۔
- اسلامی عقیدہ: کفارہ کا تصور موجود نہیں، بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کے لیے خود جواب دہ ہے۔

✓ **شریعت پر زور:**

- ایبونی عقیدہ: یہودی شریعت کی پیروی لازم ہے۔
- اسلامی عقیدہ: اسلام نے شریعت کو مکمل کر کے اس کا جامع اور عالمگیر نظام پیش کیا۔

ایبونی فرقہ عیسائیت کے ابتدائی فرقوں میں سے تھا، جو مسیحیت کے ارتقائی عمل کے دوران زوال پذیر ہو گیا۔ ان کے عقائد اسلام کے بہت قریب نظر آتے ہیں، خاص طور پر حضرت عیسیٰ کی بشریت اور شریعت پر زور کے معاملے میں۔ ان کی تاریخ عیسائیت کی ابتدائی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے۔

دوسیٹس (Docetism) کا تعارف

دوسیٹس (Docetes) یا (Docetism) مسیحیت کا ایک ابتدائی فرقہ تھا جو عہد قدیم میں عیسائی عقائد کے بنیادی مسائل پر ایک مختلف نظریہ پیش کرتا تھا۔ یہ فرقہ زیادہ تر غیر یہودی افراد پر مشتمل تھا اور ان کے عقائد نے عیسائیت اور یہودیت کے درمیان موجود اختلافات کو گہرا کیا۔ پھر یہ لوگ ایسے علاقے سے تعلق رکھتے تھے جو فلسطین سے خاصے فاصلے پر واقع ہے۔ ان لوگوں نے نہ تو حضرت مسیح کو دیکھا تھا اور نہ وہ پیغمبروں کے صحیح تصور سے آشنا تھے۔ اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ مادہ لازمی طور پر ایک ناپاک اور ادنی شے ہے۔ اس لیے وہ حضرت مسیح کی بشریت کے شدید مخالف تھے۔ ان کا دعوی تھا کہ مسیح "خدا کے کلام" (Logos) کی حیثیت سے انسان کی نجات کے لیے دنیا میں آئے وہ خود خدا سے مختلف نہ تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اس امر سے انکار کر بیٹھے کہ مسیح انسانی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ تصلیب احیاء ثانیہ اور ہود یہ سب فریب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں نے اناجیل کے ان حصوں کے ماننے سے بھی انکار کر دیا جن میں حضرت مسیح کی ولادت اور ابتدائی تیس سال کی زندگی کے واقعات مذکور ہیں۔ ایبونی فرقہ یہودیت اور عیسائیت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ دوسیٹس نے یہودی قبائل پر شدید حملے کئے حتی کہ یہودیوں کے خدا یہوواہ کو عالم۔۔۔ کا خالق اور باغی روح قرار دیا۔ یہ ہی نہیں بلکہ بعثت مسیح کی غرض قانون موسوی کو استبصال قرار دیا۔

عہد قدیم میں دوسیٹس کے عقائد

✓ **مادہ کی ناپاکی:**

دوسیٹس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ مادہ (material world) لازمی طور پر ناپاک اور ادنی ہے۔ اس لیے وہ انسانی جسم کو بھی حقیر سمجھتے تھے۔

- ✓ **حضرت مسیح کی بشریت کا انکار:**

ان کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح خدا کے کلام (Logos) کی حیثیت سے دنیا میں آئے لیکن بشری جسم میں نمودار نہیں ہوئے۔ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت مسیح کا جسم صرف ایک ظاہری وجود تھا، جو حقیقی جسم نہیں تھا۔

- ✓ **تصلیب اور احیائے ثانیہ:**

دوسیٹس نے حضرت مسیح کی تصلیب، موت، اور دوبارہ جی اٹھنے (Resurrection) کو ایک فریب اور خیالی تصور قرار دیا۔ان کے نزدیک یہ واقعات حقیقت میں وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے۔

- ✓ **اناجیل میں ترمیم:**

دوسیٹس نے انجیل کے ان حصوں کو مسترد کر دیا جن میں حضرت مسیح کی پیدائش، ان کی انسانی زندگی، یا ابتدائی سالوں کے واقعات مذکور ہیں۔

- ✓ **یہودی مذہب پر تنقید:**

دوسیٹس نے یہودی عقائد اور ان کے خدا (یہوواہ) کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اسے ایک باغی روح قرار دیا۔ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت مسیح کی بعثت کا مقصد قانونِ موسوی کو ختم کرنا تھا۔

عہد جدید میں دوسیٹس کا اثر

عہد جدید میں دوسیٹس فرقہ ایک منظم شکل میں موجود نہیں رہا، لیکن اس کے خیالات نے مختلف نظریاتی تحریکوں کو جنم دیا:

- ✓ **مسیحی بدعتوں پر اثر:**

دوسیٹس کے خیالات نے بعد کے فرقوں جیسے گنوسٹکس (Gnosticism) پر اثر ڈالا، جو مادے اور روح کے تضاد پر زور دیتے تھے۔

- ✓ **مسیحی عقائد کی وضاحت:**

دوسیٹس کے نظریات کی مخالفت کے نتیجے میں عیسائی علما نے حضرت مسیح کی بشریت اور الوہیت کو واضح کرنے کے لیے عیسائی عقائد کی مزید وضاحت کی۔یہ بحثیں مسیحی نظریاتی تشکیل میں اہم ثابت ہوئیں۔

- ✓ **کلیسائی ردعمل:**

مسیحی کلیسا نے دوسیٹس کے عقائد کو بدعت (heresy) قرار دیا اور ان کے خیالات کو ابتدائی مسیحی عقائد کے خلاف ایک چیلنج کے طور پر دیکھا۔

ایبونی (Ebionites) اور دوسیٹس کے درمیان اختلافات

- ✓ **حضرت مسیح کی حیثیت:**
  - ایبونی حضرت مسیح کی بشریت کو مانتے تھے اور ان کی الوہیت کے منکر تھے۔
  - دوسیٹس حضرت مسیح کی بشریت کا انکار کرتے ہوئے ان کی الوہیت پر زور دیتے تھے۔
- ✓ **یہودیت سے تعلق:**
  - ایبونی یہودیت کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔
  - دوسیٹس نے یہودیت پر شدید تنقید کی اور اسے مسیحیت کے لیے ایک رکاوٹ سمجھا۔
- ✓ **قانون موسوی:**
  - ایبونی حضرت مسیح کو موسوی شریعت کے پیروکار کے طور پر دیکھتے تھے۔
  - دوسیٹس موسوی شریعت کو منسوخ سمجھتے تھے۔

اسلام سے فرق

اسلام دوسیٹس کے تمام نظریات کو رد کرتا ہے:

- ✓ **حضرت عیسیٰ کی بشریت:**

  اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک عظیم نبی اور انسان مانتا ہے، جنہیں خدا نے اپنے معجزات کے ذریعے فضیلت بخشی۔

- ✓ **تصلیب کا انکار:**

  اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰ کو نہ صلیب پر چڑھایا گیا اور نہ ہی وہ قتل ہوئے، بلکہ اللہ نے انہیں اپنی حفاظت میں آسمان پر اٹھا لیا۔

- ✓ **توحید:**

  دوسیٹس کے خدا کے بارے میں خیالات، جن میں مادے کو ناپاک قرار دینا اور الوہیت کو جسمانی دنیا سے علیحدہ تصور کرنا شامل ہیں، اسلام کی توحید کے بنیادی اصول سے متصادم ہیں۔

دوسیٹس ابتدائی مسیحیت کا ایک نظریاتی فرقہ تھا جس نے حضرت مسیح کی بشریت کے انکار اور ان کی الوہیت پر مبالغہ کیا۔ ان کے عقائد نے عیسائی اور یہودی تعلقات کے ساتھ ساتھ ابتدائی کلیسا کی تشکیل پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ اسلام حضرت عیسیٰ کی

حیثیت کو ایک متوازن اور جامع نقطہ نظر سے بیان کرتا ہے، جو توحید اور نبوت کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ایونی اور دو میٹس فرقے کے عقائد میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ان کے باہمی اختلافات کو ختم کر دینے کا واحد طریقہ یہ تجویز ہوا کہ حضرت مسیح کی بشریت اور الوہیت بیک وقت تسلیم کر لی جائے۔ لیکن اس کی وجہ سے اختلافات نے اور بھی شدت اختیار کر لی۔ اب موضوع بحث یہ امر ہو گیا کہ الوہیت اور شریعت میں غالب عنصر کون سا ہے؟ پھر الوہیت کی کیفیت پر بھی بحث چل نکلی اور متعدد فرقے نتیجتاً وجود میں آ گئے۔ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آریوسی فرقہ :(Arianism)

آریوسی فرقہ عیسائیت کی ابتدائی تاریخ میں ایک نمایاں اور متنازعہ فرقہ تھا، جس کے عقائد نے عیسائی دنیا کو ایک طویل عرصے تک متاثر کیا۔ اس فرقے کا بانی **آریوس** (Arius) تھا، جو 256 سے 336 عیسوی تک لیبیا میں رہتا تھا اور اسکندریہ کے ایک اہم پادری کے طور پر خدمات انجام دیتا رہا۔ اس نے حضرت عیسیٰ کے متعلق نئے خیالات پیش کئے۔ اس نے دعوی کیا کہ اقانیم ثلاثہ ''بیٹا دوسرے اقنوم کی حیثیت سے کچھ معنوں میں خدا ضرور ہے۔ لیکن در حقیقت وہ الوھیت کے اس درجہ پر فائز نہیں ہے۔ جو عیسائیوں کے فروبہ عقیدہ کی رو سے ہے۔ اس کو اقنوم اول یعنی خدا نے پیدا کیا وہ پیدائش سے معدوم تھا۔ اس لیے وہ اپنے خالق کی طرح غیر فانی اور ابدی نہیں ہے۔ باپ کی ذات ابدی ہے۔ جس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہا۔ لیکن بیٹے کی ابتداء ہے۔ باپ بیٹے سے پہلے موجود تھا۔ کلیسا کے پیر اس بات پر عقیدہ رکھتے تھے کہ باپ اور بیٹے دونوں ابدی ہیں اور دونوں کا جوہر ایک ہی ہے۔ آریوسی عقائد کی تردید کے لیے کئی کونسلیں بلائی گئیں۔ جن میں پہلی کونسل نیقہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی۔ اس کونسل نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا اور یہ فیصلہ صادر کر دیا۔ جو شخص یہ دعوی کرے کہ کسی وقت بھی خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا یا پیدا ہونے سے قبل موجود نہ تھا۔ کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ جو زبانی نہیں ہے مادہ مخلوق متغیر ہے۔ ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہے۔ دوسری کونسل قسطنطنیہ میں ۳۸۱ء میں منعقد ہوئی اس کونسل میں بھی آریوسی فرقے کو کافر قرار دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ فرقہ قائم رہا۔ بہت سی وحشی قومیں اس فرقے کے ذریعے عیسائیت کے حلقہ بگوش ہیں۔ کیونکہ اس کا فلسفہ کلیسائی عقائد کے مقابلے میں آسان اور زود فہم تھا۔

عہد قدیم میں آریوسی فرقہ

.1بنیادی عقائد:

- آریوس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ (بیٹا) الوہیت میں خدا (باپ) کے برابر نہیں ہیں۔
- ان کے مطابق:

- "بیٹا" (حضرت عیسیٰ) خدا کا پہلا مخلوق ہے، لیکن وہ "اقنومِ اول" (خدا) کی طرح ابدی نہیں ہے۔
- "بیٹا" کی ابتداء ہے، اور خدا (باپ) بیٹے سے پہلے موجود تھا۔
- بیٹا غیر فانی یا غیر متغیر (immutable) نہیں ہے، جیسا کہ خدا ہے۔

.2 کلیسا کا ردعمل:

- آریوس کے نظریات نے کلیسائی عقائد کو چیلنج کیا، جو یہ مانتے تھے کہ:
  - باپ اور بیٹا دونوں ابدی ہیں۔
  - ان دونوں کا جوہر (substance) ایک ہی ہے۔

نیقیہ کونسل (325 عیسوی):

- کلیسا نے آریوسی عقائد کو کفر قرار دیا اور اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے کہ بیٹا خدا سے کمتر ہے یا اس کا وجود کسی وقت نہیں تھا، وہ ملعون ہے۔

قسطنطنیہ کونسل (381 عیسوی):

- اس کونسل نے دوبارہ آریوسی عقائد کو مسترد کیا اور انہیں عیسائیت سے خارج قرار دیا۔

.3 فرقے کی بقا:

- آریوسی فرقہ ان فتووں کے باوجود باقی رہا اور خاص طور پر شمالی یورپ کی وحشی قوموں میں پھیل گیا، جیسے ویزیگوتھ، اوسٹروگوتھ، اور وانڈلز۔
- آریوسی نظریات کا فلسفہ کلیسائی عقائد کے مقابلے میں زیادہ آسان اور قابلِ فہم تھا، جو ان وحشی اقوام کے درمیان اس کی مقبولیت کا باعث بنا۔

عہد جدید میں آریوسی فرقے کا اثر

آریوسی فرقہ بطور ایک منظم فرقہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اس کے خیالات نے مختلف تحریکوں اور نظریاتی مباحث کو متاثر کیا:

.1 عیسائیت کے بنیادی عقائد پر اثر:

- آریوسی تنازع نے کلیسا کو اپنے عقائد، خاص طور پر تثلیث اور حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے بارے میں، مزید وضاحت کرنے پر مجبور کیا۔
- نیقیہ کونسل میں اپنائے گئے عقائد (Nicene Creed) آج بھی کئی بڑے مسیحی فرقوں کے عقائد کی بنیاد ہیں۔

.2موجودہ تحریکیں:

- کچھ جدید تحریکیں، جیسے یہوواہ وٹنس(Jehovah's Witnesses) ،آریوسی نظریات سے متاثر ہیں۔ وہ بھی حضرت عیسیٰ کو خدا کے برابر نہیں مانتے۔
- یونیٹیرین (Unitarian) تحریک میں بھی آریوسی خیالات کی جھلک نظر آتی ہے، جو تثلیث کے روایتی عقیدے کو مسترد کرتی ہے۔

.3فکری بحثیں:

- عیسائی فلسفی اور تھیولوجی کے ماہرین آج بھی آریوسی تنازع کو ابتدائی مسیحیت کی نظریاتی جدوجہد کے ایک اہم باب کے طور پر دیکھتے ہیں۔
- یہ مباحث تثلیث کے عقیدے کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

آریوسی عقائد اور اسلام کا تقابل

.1توحید:

- اسلام کی تعلیمات آریوسی نظریات سے قریب تر ہیں کیونکہ اسلام حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا یا الوہیت کا حامل ماننے کے بجائے انہیں ایک نبی اور انسان قرار دیتا ہے۔
- قرآن کے مطابق، اللہ واحد اور بے نظیر ہے، جس کی کوئی اولاد نہیں۔

.2حضرت عیسیٰ کی حیثیت:

- آریوسی فرقہ حضرت عیسیٰ کو مخلوق مانتا تھا، جو اسلام کے نظریے سے مشابہت رکھتا ہے۔
- تاہم، آریوسی فرقے کے عقیدے میں تثلیث کا ایک عنصر شامل تھا، جو اسلام کے نظریہ توحید کے منافی ہے۔

.3ابتدائی مسیحیت میں اختلافات:

- آریوسی تنازع سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسیحیت کے ابتدائی دور میں حضرت عیسیٰ کی حیثیت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے تھے۔
- اسلام نے ان اختلافات کو ختم کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کی حقیقی حیثیت کو واضح کیا۔

آریوسی فرقہ مسیحیت کی تاریخ میں ایک اہم اور متنازعہ تحریک تھی، جس نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے روایتی تصور کو چیلنج کیا۔ اس کے اثرات عہد قدیم سے عہد جدید تک جاری رہے اور آج بھی مختلف عیسائی اور غیر عیسائی تحریکوں میں محسوس

کیے جا سکتے ہیں۔اسلام کا نظریہ آریوسی تعلیمات سے قدرے مشابہت رکھتا ہے، لیکن توحید کے معاملے میں اسلام زیادہ واضح اور قطعی موقف پیش کرتا ہے۔

اپولینیرین فرقہ :(Apollinarianism)

یہ فرقہ آریوسی فرقے کا شدید سے مخالف ہے وہ اپولی نیرین (Apolli-Nariun) کہلاتا ہے۔اس فرقے کے بانی اپولینیرس (Apollinarius) تھے، جو 4ویں صدی عیسوی میں ایک نمایاں مذہبی مفکر اور بشپ تھے۔اس کی تاریخ ولادت معلوم نہیں البتہ اس نے ۳۹۲ء میں انتقال کیا۔اس فرقے کا عقیدہ تھا کہ یسوع انسانی جسم میں ضرور نمودار ہوئے لیکن وہ خدا کی روح اور خدا نہیں۔اس لیے بجائے عقل انسانی کے کلام ربانی (Divinc Logos) ان میں کارفرما ہے۔اس فرقے نے حضرت عیسیٰ کی الوھیت پر بہت زور دیا۔ جس کے باعث ان کی بشریت کالعدم ہو کر رہ گئی پانچویں صدی عیسوی میں یہ فرقہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔اپولینیرین فرقہ ابتدائی عیسائیت کے نظریاتی مباحث میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ یہ فرقہ عیسائی تثلیث اور حضرت عیسیٰ کی شخصیت کے بارے میں عقائد کی وضاحت میں شامل متنازعہ مباحث کا حصہ تھا۔

عہد قدیم میں اپولینیرین فرقہ

.1بنیادی عقائد:

- اپولینیرین فرقے کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ (یسوع) کا جسم انسانی تھا، لیکن ان میں انسانی روح یا عقل نہیں تھی۔
- انسانی عقل کی جگہ خدا کا کلام (Logos) یا الٰہی روح موجود تھی۔
- ان کے مطابق، حضرت عیسیٰ کی بشریت محدود اور کمزور ہو سکتی تھی، اس لیے عقل انسانی کو الٰہی عنصر سے بدل دیا گیا۔
- فرقے کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر زور دینا ان کی بشریت سے زیادہ اہم تھا، اور یوں ان کی بشری حیثیت عملی طور پر کالعدم ہو گئی۔

.2کلیسا کا ردعمل:

- اپولینیرین نظریات کو کلیسا نے فوری طور پر مسترد کیا کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ کی مکمل بشریت کے عقیدے کے خلاف تھے۔
- عیسائی عقائد کے مطابق، حضرت عیسیٰ مکمل خدا اور مکمل انسان تھے۔
- 381عیسوی میں قسطنطنیہ کی کونسل نے اپولینیرین عقائد کو باضابطہ طور پر کفر قرار دیا اور کلیسا کے عقائد میں یہ شامل کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ کی بشریت اور الوہیت دونوں مکمل اور ہم آہنگ ہیں۔

3.فرقے کا اختتام:

- پانچویں صدی عیسوی میں اپولینیرین فرقہ ختم ہو گیا۔
- تاہم، اس کے نظریات نے بعد میں ہونے والے عیسائی مباحث کو متاثر کیا، خاص طور پر مونوفیزائٹ (Monophysite) تحریکوں میں، جو حضرت عیسیٰ کی واحد فطرت (divine nature) پر زور دیتی تھیں۔

عہد جدید میں اپولینیرین فرقے کا اثر

1.تاریخی اہمیت:

- عہد جدید میں اپولینیرین فرقہ بطور ایک منظم تحریک موجود نہیں ہے، لیکن اس کے نظریات عیسائی تھیولوجی کے مطالعے میں اہمیت رکھتے ہیں۔
- یہ فرقہ تثلیث اور حضرت عیسیٰ کی دوہری فطرت (dual nature) کے مباحث میں ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

2.عقائد کے اثرات:

- اپولینیرین نظریات نے مسیحی عقائد کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کیا، جس کے نتیجے میں کلیسا کو یہ وضاحت کرنا پڑی کہ حضرت عیسیٰ کی فطرت میں بشریت اور الوہیت دونوں مکمل اور الگ ہیں۔
- ان مباحث نے مسیحی کلامیات (Christian Theology) میں حضرت عیسیٰ کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ایک متوازن نظریہ فراہم کیا۔

3.جدید تحقیق:

- جدید دور میں اپولینیرین نظریات کو عیسائی کلامیات کے ماہرین انسانی اور الٰہی فطرت کے تعلق کو سمجھنے کے لیے بطور ایک علمی ماڈل دیکھتے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے تقابل

1.توحید اور نبوت:

- اسلام حضرت عیسیٰ کو نہ صرف ایک انسان بلکہ اللہ کے نبی کے طور پر تسلیم کرتا ہے، جو الوہیت کے کسی بھی پہلو سے خالی ہیں۔
- اپولینیرین فرقے نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر زور دیا، جو اسلامی تعلیمات سے متضاد ہے۔

.2عقل انسانی کی حیثیت:

- اپولینیرین عقائد کے برعکس، اسلام انسانی عقل کو ایک اہم اور الٰہی عطیہ مانتا ہے، جو انسان کی ذمہ داری اور فیصلے کی بنیاد ہے۔

نتیجہ

اپولینیرین فرقہ ابتدائی مسیحیت کی تاریخ میں حضرت عیسیٰ کی شخصیت کے بارے میں اختلافات کی ایک اہم مثال ہے۔ ان کے عقائد نے عیسائی تھیولوجی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا، اگرچہ خود یہ فرقہ ختم ہو گیا۔ عہد جدید میں اس فرقے کے اثرات علمی مباحث میں زندہ ہیں، جبکہ اسلام کا موقف واضح طور پر توحید پر مبنی ہے اور حضرت عیسیٰ کو نبی اور انسان مانتا ہے، جو اپولینیرین نظریات سے مکمل طور پر مختلف ہے۔

نسطوری فرقہ :(Nestorianism)

نسطوری فرقہ عیسائیت کی ابتدائی تاریخ میں ایک اہم عقیدے اور نظریاتی اختلاف کے طور پر ابھرا۔ یہ فرقہ حضرت عیسیٰ کی دوہری فطرت (بشریت اور الوہیت) پر ایک خاص زاویہ نظر کے باعث مشہور ہے اور اس کے بانی نسطورس (Nestorius) کی تعلیمات سے منسوب ہے۔ عیسائیوں کے اس فرقے نے جمہور کے عقائد سے اختلاف کیا۔ اس فرقے کا نام اس کے بانی کے نام پر پڑا۔ یہ قسطنطنیہ کا اسقف تھا۔[81] اس فرقے نے حضرت عیسی کی بشریت پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت عیسی میں دو جداگانہ صفات، الوہیت اور بشریت کے اتحاد کا یہ فرقہ علمبردار تھا۔ جب دو متضاد چیزوں کے ایک جگہ جمع کر دینے کا الزام لگایا گیا تو اس نے اس عقیدے کی وضاحت کے لیے عجیب و غریب مثال دی کہ جس طرح شادی کے ذریعہ روحیں متحد ہو جاتی ہیں۔ جو مختلف طبعیتیں اور انسان مل کر ایک وجود کا باعث بنتے ہیں۔ ویسے ہی الوھیت اور بشریت کا اتحاد کا ثمرہ حضرت یسوع کی ذات ہے۔ نطورس پر کئی بار مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلا وطن بھی کیا گیا۔ ۴۳۹ء میں اس جلا وطنی کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ رومی حکومت کے حدود سے اس فرقے کا نام و نشان ہٹا دیا گیا۔ البتہ عرب شام و مصر میں اس کو عروج حاصل ہوا۔ بعد میں اس کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ ایک رومن کیتھولک کلیسا سے متعلق ہو گیا۔ جو کالدی عیسائی کہلاتے ہیں اور دوسرا اپنے قدیم عقائد سے وابستہ رہا۔ جن کا اپنا سردار ہوتا ہے۔[82]

---

[81] اسقف یا بشپ ایک مجاز یا صاحب، مسیحی دینی پیشوا اور حاکم، پادری، مسیحی عالم کو کہا جاتا ہے۔

[82] رشید احمد، تاریخ مذاہب، زمرد پبلیکیشنز ، 362-365

عہد قدیم میں نسطوری فرقہ

.1بنیادی عقائد:

- نسطوری فرقہ کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کی بشریت اور الوہیت دو جداگانہ صفات تھیں جو ایک دوسرے کے ساتھ متحد تو تھیں لیکن مکمل طور پر مخلوط نہیں تھیں۔
- نسطوریز نے اس اتحاد کو یوں بیان کیا جیسے شادی کے ذریعے دو مختلف افراد متحد ہو جاتے ہیں، مگر اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہیں۔
- انہوں نے حضرت مریم کو "خدا کی ماں (Theotokos) "کہنے کی مخالفت کی، اور انہیں صرف "مسیح کی ماں " (Christotokos) کہا کیونکہ نسطوری عقیدہ کے مطابق حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی بشریت کو جنم دیا تھا، نہ کہ الوہیت کو۔

.2کلیسا کا ردعمل:

- نسطورین عقائد کو 431 عیسوی میں ایفیسس کونسل (Council of Ephesus) میں بدعت قرار دیا گیا۔
- نسطوری کو قسطنطنیہ کے اسقف کے عہدے سے معزول کیا گیا اور جلاوطن کر دیا گیا۔
- ان کے نظریات کو کلیسا کے سرکاری عقیدے کے خلاف سمجھا گیا، جس کے مطابق حضرت عیسیٰ کی فطرت ایک ہی ہے، جو بشریت اور الوہیت کا کامل امتزاج ہے۔

.3انتشار اور پھیلاؤ:

- نسطوری فرقہ کو رومی سلطنت سے ختم کر دیا گیا، لیکن یہ فرقہ عرب، شام، ایران، اور وسطی ایشیا میں پھیل گیا۔
- فارس میں نسطوری کلیسا کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی، اور اسے فارس کا چرچ (Church of the East) کے نام سے جانا جانے لگا۔
- اس فرقے کے مشنری چین اور ہندوستان تک پہنچے، اور یہ فرقہ وہاں تک اثر انداز ہوا۔

عہد جدید میں نسطوری فرقہ

.1بقاء اور تقسیم:

- نسطوری فرقہ موجودہ دور میں مکمل طور پر ختم تو نہیں ہوا، لیکن اس میں تقسیم اور کمزوری پیدا ہوئی۔
- ایک گروہ نے کیتھولک چرچ کے ساتھ اتحاد کر لیا اور کالدی عیسائی (Chaldean Christians) کہلایا۔

- دوسرا گروہ قدیم نسطوری عقائد پر قائم رہااور اس کا اپنا مذہبی سربراہ موجود رہا۔

2.موجودہ جغرافیہ:

- نسطوری عیسائیوں کی تعداد آج کم ہے،اور ان کے پیروکار زیادہ تر عراق،ایران،شام،اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں موجود ہیں۔
- موجودہ دور میں انہیں آشوری چرچ آف دی ایسٹ (Assyrian Church of the East) کہا جاتا ہے۔

3.عقائد کی تشریح:

- عہد جدید میں نسطوری عقائد کا تاریخی اور تھیولوجیکل مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- ان کے نظریات کو عیسائیت کے اندرونی اختلافات اور مشرق و مغرب کے عیسائی کلیسا کے تعلقات کے پس منظر میں سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے تقابل

1.توحید اور بشریت:

- اسلام حضرت عیسیٰ کو اللہ کے نبی کے طور پر مانتا ہے، جن میں الوہیت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔
- نسطوری فرقے کے نظریات، جن میں بشریت پر زور دیا گیا ہے، اسلامی عقائد کے قریب تر دکھائی دیتے ہیں لیکن الوہیت کی قبولیت انہیں اسلام سے الگ کر دیتی ہے۔

2.حضرت مریم کی حیثیت:

- نسطوری عقائد کے مطابق حضرت مریم صرف "مسیح کی ماں" ہیں، جو اسلامی عقیدہ کے قریب ہے کیونکہ اسلام میں حضرت مریم کو "ام عیسیٰ" کہا جاتا ہے، اور انہیں الوہیت کے کسی پہلو سے نہیں جوڑا جاتا۔

نسطوری فرقہ عیسائیت کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے نظریات نے مشرق و مغرب کے عیسائی کلیسا کے تعلقات اور مشرقی عیسائیت کے پھیلاؤ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ عہد جدید میں، نسطوری فرقہ محدود ہو چکا ہے لیکن اس کے اثرات عیسائی تھیولوجی، تاریخ، اور مشرق وسطیٰ کی ثقافتی وراثت میں موجود ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے، نسطوری عقائد کے بعض پہلو بشری بنیادوں پر قابل قبول معلوم ہوتے ہیں، لیکن الوہیت کا تصور اسلام سے مختلف ہے۔

خود آزمائی

1 نصرانی یا ایبونی فرقے کے اہم عقائد، تاریخی ارتقاء، عہد قدیم اور جدید میں نظریات کا اسلام سے تقابل اجاگر کریں۔

2 دوسیٹس فرقے (Docetism) کا تعارف اہم عقائد، مسیحی عقائد پر اثرات اور ایبونی فرقے کے ساتھ اختلافات پر روشنی ڈالیں۔

3 آریوسی فرقے کا تعارف عہد قدیم اور جدید میں اس کے اثرات، اور آریوسی عقائد کا اسلام سے تقابل کریں۔

4 اپولینیرین فرقے کی تاریخ عہد قدیم اور جدید میں مسیحیت پر اثرات اور اسلامی عقائد سے موازنہ بیان کریں۔

5 نسطوری فرقے کی تاریخ عہد قدیم وجدید میں اس کے اثرات اور اسلامی عقائد سے اس کا تقابل کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے درج ذیل مآخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

- A History of Christianity – Paul Johnson, Simon & Schuster, 1976.
- Early Christian Doctrines – J.N.D. Kelly, HarperOne, 1978.
- The Story of Christian Theology: Twenty Centuries of Tradition & Reform – Roger E. Olson, InterVarsity Press, 1999.
- The Cambridge History of Christianity – Margaret M. Mitchell & Frances M. Young (Editors), Cambridge University Press, 2006.
- The Holy Trinity: Christianity's Self-Understanding of God – Robert Letham, P&R Publishing, 2004.
- Nestorius and His Teaching: A Fresh Examination of the Evidence – J.F. Bethune-Baker, Cambridge University Press, 1908.
- Islam and the Destiny of Man – Charles Le Gai Eaton, Islamic Texts Society, 1985.

یونٹ:5

مسیحیت کا مقدس دینی ادب

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظرثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

ڈاکٹر محمد عبداللہ

فہرست

یونٹ کا تعارف 87

یونٹ کے مقاصد 87

عہد نامہ جدید کا مفہوم و تعارف 88

عہد نامہ جدید کے اہم حصے 90

تاریخی کتابیں(Historical Books) 90

تاریخی قرار دینے کی وجہ 90

اناجیل اربعہ اور ان کی حیثیت 91

اناجیل اربعہ کا مختصر تعارف 92

انجیل متی 92

انجیل مرقس 93

انجیل لوقا 93

انجیل یوحنا 94

اعمال الرسل اور تعلیمی کتابیں 94

اعمال الرسل 94

تعلیمی کتابیں(Didactic Books) 95

عہد نامہ جدید کے مصنفین میں اختلاف 96

عہد نامہ جدید کے دور تالیف میں اختلاف 99

عہد نامہ جدید کی الہامی و استنادی حیثیت 100

اناجیل میں تحریف سے متعلق مغربی مصنفین کے شواہد 101

اناجیل کے مصنفین پر جدید ناقدین کا تجزیہ 103

خود آزمائی 106

جوابات 106

یونٹ کا تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لیے حضرت عیسی علیہ السلام کے پیروکار عہد نامہ عتیق پر بھی یہود کی طرح ایمان رکھتے ہیں، مسیحی حضرات جس کتاب کو انجیل کے نام سے موسوم کرتے ہیں اسے عہد جدید اور ''نیا عہد نامہ'' کہا جاتا ہے، دونوں عہد کے مجموعہ کو کیتھولک فرقے کے ہاں ''کتاب مقدس'' اور پروٹسنٹ کے ہاں ''کلام مقدس'' کہا جاتا ہے، اسے عربی میں ''الکتاب المقدس'' اور انگریزی میں بائبل کہا جاتا ہے، عہد نامہ انجیل سے مراد وہ چار اناجیل ہیں جو مختلف لوگوں نے تحریر کی ہیں، مسیحی ان اناجیل اربعہ کو آسمانی کتاب نہیں سمجھتے، بلکہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ان اناجیل میں سے کوئی انجیل حضرت عیسی علیہ السلام کے عہد مبارک میں نہیں پائی جاتی تھی۔اس یونٹ میں مسیحیت کے مذہبی ادب پر جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

28 عہد نامہ جدید کا مفہوم و تعارف اور اہم حصے بیان کر سکیں۔

29 اناجیل اربعہ کا مختصر تعارف بیان کرتے ہوئے ان کی حیثیت پر بحث کر سکیں۔

30 اعمال الرسل اور تعلیمی کتابیں کی تفصیل بیان کر سکیں۔

31 عہد نامہ جدید کے مصنفین میں اختلاف کی تفصیل بیان کر سکیں۔

32 عہد نامہ جدید کے دور تالیف میں اختلاف اور الہامی اور استنادی حیثیت پر روشنی ڈال سکیں۔

33 اناجیل میں تحریف سے متعلق مغربی مصنفین کے شواہد پر روشنی ڈال سکیں۔

34 اناجیل کے مصنفین پر جدید ناقدین کا تجزیہ بیان کر سکیں۔

پہلی انجیل متی نامی شخص کی تصنیف ہے اور ۲۸ ابواب پر مشتمل ہے۔دوسری انجیل ہرقس نامی شخص کی تصنیف ہے ۱۲ ابواب پر مشتمل ہے اور تیسری انجیل لوقا نامی شخص کی جانب منسوب ہے، جو ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے، چوتھی انجیل یوحنا نامی شخص کی تصیف ہے، جو ۲۱ ابواب پر مشتمل ہے۔ان چاروں اناجیل کی تصانیف کا زمانہ مختلف فیہ ہے اور اس کی تعیین پر مسیحی علماء کا اتفاق نہ ہو سکا۔واضح رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر بالاتفاق ایک سو بیس افراد ایمان لائے تھے، سب اپنا ایمان خفیہ رکھتے تھے، ظاہری اعمال میں یہود کے ساتھ موافقت کرتے تھے، یہود کے مذہبی دن ''سبت'' کی پابندی کرتے تھے۔اگر کسی کا

ایمان ظاہر ہوتا تو شہید کر دیا جاتا، کئی مسیحی مومن افشاا یمان کے بعد شہادت سے سرفراز ہوئے، حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے تین سو سال تک مسیحیوں کی یہی حالت رہی، اسی دوران حقیقی انجیل، جو اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی، ان کے درمیان سے جاتی رہی اس کے نام پر کئی انسانی تصانیف انجیل کے نام پر مروج ہو گئیں۔ علی بن احمد بن حزم اندلسیؒ نے فرمایا ''مسیحیوں نے ان اناجیل کے متعلق انسانی تصنیف کا اقرار کر کے ہمیں اس کے انسانی تصنیف کے ثبوت پر دلائل قائم کرنے کی مشقت سے آزاد کر دیا ہے۔''[83]

عہد نامہ جدید کا مفہوم و تعارف

عہد نامہ جدید، جسے عرفِ عام میں انجیل کا نام دیا گیا ہے، وہ کتاب ہے جسے دنیا بھر کے عیسائی اپنی مذہبی راہنما اور مقدس کتاب تسلیم کرتے ہوئے اپنے عقیدے کے مطابق اس پر ایمان رکھتے اور بائبل یا کتاب مقدس کے دونوں حصوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن عہد نامہ جدید (New Testament) ان کے نزدیک زیادہ قابل احترام ہے۔ مسیحیوں میں کئی فرقہ ورانہ اختلافات پیدا ہوئے اور آج بھی تقریباً ۲۵۰ فرقے موجود ہیں جن کے عقائد یا تو بالکل جدا ہیں یا اس کی توجیہات مختلف انداز میں کرتے ہیں، لیکن عہد نامہ جدید کو تسلیم کرنے میں تمام عیسائی متفق ہیں۔ مسیح علیہ السلام اور ان کے شاگرد یہودی تھے۔ یہودی شریعت تورات پر عمل کرتے تھے۔ پیغامِ مسیح بھی فقط یہودیوں ہی کے لیے مخصوص تھا۔ ان کی بائبل یا کتاب مقدس یہودی کتب مقدسہ ہی تھیں۔ عیسائی کتب کے مجموعہ بائبل کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ دراصل یہودیوں کی کتابیں ہیں۔ عیسائی اس حصہ کو عہد عتیق، پرانا عہد نامہ یا عہد قدیم کہتے ہیں۔ دوسرے حصے کو صرف عیسائی ہی مانتے ہیں، اور اسے عہد جدید یا نیا عہد نامہ کہتے ہیں۔

اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) کے لیے انگلش میں لفظ "Gospel" استعمال کیا گیا ہے، جس کے بارے میں Encyclopaedia Britannica میں درج ہے۔

The English 'gospel' is derived from the Anglosaxon godspell ('good-story'). The classical Greek world evangelion means 'a reward for bringing of a good news or a good news 'itself;. [84]

انگلش لفظ گوسپل کا مفہوم اچھی کہانی کے معنی سے اخذ کیا گیا ہے، قدیم یونانی دنیا میں اس کا مفہوم کسی چیز سے متعلق اچھی خبر

---

[83] ابن حزم، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، المتوفى: ۴۵۶ھ، الفصل في الملل والأهواء والنحل، مكتبة الخانجي، القاهرة، ص ۲۴۱

[84] New Encyclopaedia Britannica, New Encyclopaedia Britannica, Ed., Kristel Standhal and Emilie, T. Sander, University of Chicago, 15th Ed. 1998 , 14/822

لانے کو کہا گیا ہے۔

Encyclopaedia Biblica میں عہد نامہ جدید سے متعلق لکھا ہے۔

New Testament is the name of christian Holy scriptures other then the Hebrew bible and the Apocrypha. The old testament its Greek translation (Septuagent or Lxx) was the Bible of the earliest Christian. The new testament, or new covenant.[85]

عہد نامہ جدید مسیحیت کے ان متبرک صحائف کو کہا جاتا ہے جو عبرانی بائبل اور ایپو کریفا والے کلام کے علاوہ ہیں، مسیحیت کے ابتدائی دور میں عہد نامہ قدیم کو یونانی زبان میں Septuagent بولا گیا، بمعنی عہد نامہ جدید یا نیا معاہدہ۔۔ عہد نامہ قدیم اپنے یونانی ترجمے (Septuagint or Lxx) کے ساتھ ابتدائی عیسائی کی بائبل تھی۔

جیوش انسائکلوپیڈیا میں عہد نامہ جدید کے نام کے بارے لکھا ہے۔

The name new testament was given by christian Church at the close of the 2nd century, to the four gospels and the other apostalic writings. [86]

اناجیل اربعہ اور رسولوں کے خطوط کے لیے دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر عہد نامہ جدید کا نام تجویز کیا گیا۔

Encyclopaedia Judaica میں عہد نامہ جدید کو عہد نامہ قدیم کا تتمہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو

It was viewed as the fullfilment of the old testament promise. The name new testament, is translation of Hebrew words "Berit Handashah" of (Jeremiah, 31:30) Lo, the days are coming when I will make a new covenant with the house of Israel and the house of Judah.[87]

عہد نامہ جدید کو عہد نامہ قدیم کی تکمیل کو طور پر جانا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید یر میاہ کے عبرانی الفاظ (Berit Hadashah) کا ترجمہ ہے۔ لو دیکھو وہ دن آرہے ہیں جب میں ایک نئی دستاویز بنادوں گا اسرائیل اور یہود کے گھر میں۔

بائبل ڈکشنری میں Gospel کے معنی خوش خبری دیے گئے ہیں۔ یعنی مسیح کی آمد اور ان کے ذریعہ نجات کی خوشخبری بیان کی گئی ہے۔[88] عیسائی مصنف G.Lanez Rawski عہد نامہ جدید کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتا ہے۔ جہاں تک عہد نامہ جدید کا تعلق ہے وہ صرف عیسائیوں کے نزدیک بائبل کا حصہ ہے اور اس میں ستائیس کتابیں ہیں۔ چار انجیلوں

---

[85]Encyclopaedia Biblica, Ed., The Rev. T.K. Cheyne (and) J.Sutherland, Adam and Charles Black, London, 1899 ,1/936

[86]The Jewish Encyclopaedia, Ktav Publishing House, Inc., n.d., New York, N.D., 9/246

[87]Encyclopaedia Judaica, Keter Publishing House, Ltd. Jerusalem, N.D., 15/190,191

[88]Achtemeir, Paul, J., Harper's Bible Dictionary Thealogical Publication India, Banglore, 1994, P.42

(Gospels)یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے بیان کردہ مسیح کے حالات و مواعظ کے بعد عہد نامہ جدید میں ''رسولوں کے اعمال'' کے نام سے حواریوں کے حالات اور مسیحی کلیسا کی ابتدائی تاریخ ہے۔اس کے علاوہ مختلف کلیساؤں اور افراد کے نام پولس کے چودہ مذہبی خطوط، نیز یعقوب(Janes)، پطرس(Peter) یوحنا(John)اور یہودا(Jude)کے نام سے سات مزید خطوط اور 'یوحنا عارف کا مکاشفہ' عہد نامہ جدید میں شامل ہے۔[89]

عبدالطیف مسعود اس بارے میں لکھتے ہیں۔ عہد نامہ جدید (اناجیل اربعہ اور خطوط) سابقہ تفصیل کے مطابق اس مجموعہ میں پہلے چار انجیلیں (متی، مرقس، لوقا اور یوحنا) ہیں پھر پولوس کے ۱۴ خطوط ہیں جو اس نے مختلف علاقوں اور قوموں کی طرف بھیجے پھر آٹھ (۸) مختلف حواریوں کے خطوط ہیں۔[90]

عہد نامہ جدید کے اہم حصے

1:تاریخی کتابیں(Historical Books)

2:تعلیمی کتابیں(Didactic Book)

3:کتاب کشف یا مکاشفہ(Revelation Books)

تاریخی کتابیں(Historical Books)

تاریخی کتب کے پانچ حصے

ان تاریخی کتب کے پانچ حصے ہیں:

۱:.....انجیل متی

۲:.....انجیل مرقس

۳:.....انجیل لوقا

۴:.....انجیل یوحنا

۵:.....رسالہ اعمال الرسل(Apostles)

تاریخی قرار دینے کی وجہ

---

[89]G.Lanez Rawski, Sacred Writing,Universal Publication,London, p. 207

[90]عبدالطیف مسعود، تحریف بائیبل بزبان بائیبل، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان، ص ۶۰

ان اسفار خمسہ کو تاریخی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تفصیلات اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے جبکہ اعمال الرسل میں مسیحیت کی دعوت دینے والوں خصوصاً سینٹ پال کے واقعات مذکور ہیں۔ مسیحیت کی عقل و دانش کا جوہر اور تعلیمات پہلی تین اناجیل کی تمثیلات میں بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ عیسائی مصنف (Frost) نے اپنی کتاب "Sacred Books of the Religion" میں لکھا ہے:

"اگرچہ عہد نامہ جدید کو ایک کتاب کہا جاتا ہے تاہم اس میں ۲۷ تحریریں موجود ہیں۔ یہ ستائیس اصفار ان بے شمار مسودات میں سے منتخب کیے گئے جو ابتدائی دور کے مسیحی چرچ میں موجود تھے۔ سب سے پہلے ان کا یونانی زبان سے ترجمہ کیا گیا۔ انگریزی زبان میں جو مثل مشہور ہے وہ سترہویں صدی عیسوی کے شاہ حسین کے حکم سے ترجمہ شدہ ہے۔ اس کو King G. Janels Bible بھی کہتے ہیں"۔

اناجیل اربعہ اور ان کی حیثیت

عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا اصل حال صرف انجیلوں میں ہی مرقوم ہے، اور یوں لگتا ہے کہ موجودہ انجیلوں کے نامعلوم مصنفین نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں لوگوں سے جو کچھ سنا اور ان سے متعلق عوام میں جو داستانیں گردش کر رہی تھیں، انہیں انجیلوں میں درج کر دیا۔ پھر ان مندرجات میں بعد ازاں بھی مختلف وجوہات کی بنا پر ردّ و بدل ہوتا رہا۔ مختلف انجیلیں اپنے اپنے عیسائی گروہوں، جماعتوں اور علاقوں میں رائج تھیں۔ ان میں باہمی اختلافات بہت تھے۔ کلیسا یعنی عیسائی قوم نے پہلی بار عیسائی رومی بادشاہ قسطنطین کی بلائی ہوئی نیقہ کونسل منعقدہ ۳۲۵ء میں موجودہ چار انجیلوں کو الہامی مقدس، مستند اور خدا کا کلام قرار دے کر باقی کو مردود اور جعلی قرار دے دیا۔

تاریخ کلیسا کے مشہور امریکی محقق پروفیسر ڈاکٹر جارج پارک فشر لکھتے ہیں: "مسیح (علیہ السلام) نے کچھ نہ لکھا۔ اس کے تربیت یافتہ شاگرد ادبی تصانیف کی اہلیت کے حوالہ سے نہیں چنے گئے تھے۔ طبعی طور پر ان کا رجحان اس طرف تھا بھی نہیں، شاگردوں بشمولیت پولوس کی تحریریں ان کی زبانی تعلیمات کا تتمہ ہوتی تھیں۔ وہ ہنگامی ضروریات کی پیداوار تھیں۔ خطوط کو قاصد لے جاتے تھے، زبانی پیغامات ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ ان خطوط یا انجیلوں کو یکجا کتابی شکل میں اکٹھا کرنے کا کسی کو وہم تک نہ تھا۔ شروع شروع میں عہد قدیم کی کتابیں مقدس صحیفے سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے ساتھ خداوند مسیح کے الفاظ الٰہی سند کی حیثیت سے بولے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ۱۵۰ء میں جسٹن شہید کی زبانی ہم سنتے ہیں کہ مستند چاروں انجیلیں اتوار کو عیسائی عبادات میں پڑھی جاتی تھیں۔ جب بدعتی فرقے اٹھے اور خصوصاً جب انہوں نے شاگردوں کی کتابوں کی اشاعت شروع کر دی تو ان کی اصل کتابوں کو جمع اور محفوظ کرنے کا ایک نیا ذوق جاگ اٹھا۔ بنیادی روایتی عقیدہ انہی کی مدد سے تحریف اور بگاڑ سے

بچایا جاسکتا تھا"۔[91]

اسی بات کا اعتراف کرتے ہوئے Jerome Biblical Commentry میں لکھا ہے۔

چاروں انجیلوں کے مصنفین کا کچھ پتہ نہیں۔ مفسرین نے انجیل مرقس کے مصنف کی بحث چھیڑی ہی نہیں۔ اس طرف بالکل نہیں گئے۔ بس انجیل نویس کہہ کر گزارہ کر لیا۔ انجیل متی کا مصنف نامعلوم ہے۔ انجیل لوقا کا مصنف بعد میں لوقا قرار دیا گیا۔ اسے پولوس کا ساتھی کہنا خدا معلوم درست ہے یا نہیں۔ انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا کیوں قرار دیا گیا؟ علماء میں متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ تفصیلات سے آگاہی کیلئے درج ذیل حوالہ دیکھا جاسکتا ہے۔[92]

پہلی تینوں اناجیل بیانیہ انداز کی حامل ہیں اور تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ جبکہ انجیل یوحنا میں عقیدہ الوہیت مسیحی اور کفارہ انسانیت جو بعد میں منظر عام پر آئے ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اناجیل اربعہ کا مختصر تعارف

انجیل متی

انجیل متی عہد نامہ جدید کی یہی کتاب ہے جو ۶۰ء سے ۷۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کا مولف لیوی (Levi) تھا جس کو میتھیو (Methew) بھی کہتے تھے۔ یہ دراصل ان Leviry مسیحیوں کے لئے لکھی گئی تھی جو مسیح کی زندگی کے حالات تفصیل سے جاننا چاہتے تھے۔ متی میں ترتیب زمانہ کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ واقعات کو ان کی یکساں نوعیت کی وجہ سے اکٹھے بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس انجیل میں ۲۸ باب اور ۱۰۶۸ آیات ہیں۔ مؤلف متی کی حالات زندگی پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق یہ قدیم ترین انجیل ہے۔ کتاب مقدس کی مطالعاتی اشاعت کے مطابق اس انجیل کی وجہ تصنیف یہ بیان کی گئی ہے کہ متی نے یہ انجیل ان لوگوں کے لئے لکھی جو یہودی صحائف سے واقف تھے۔ مسیحی ان صحائف کو "پرانا عہد نامہ" کہتے ہیں۔ اس کا پس منظر متی رسول کے مطابق یسوع کا پیغام پرانے عہد نامے کے احکام و قوانین اور تعلیمات پر مبنی

---

[91]George Park Fisher D.D, LL.D ,History of the Christian Church. Charles Scribner's Sons New York,. 1890. p78.

[92]Raymond E. Brown ,The New Jerome Biblical Commentry 1990. P 1046, col.2, paragraph-81

تھا۔[93]

انجیل مرقس

عہد نامہ جدید کی دوسری کتاب مرقس ہے جس کو سینٹ مارک (Sent Mark) نے ۶۷ء اور ۷۰ عیسوی کے درمیان تالیف کیا۔ یہ سینٹ پیٹر (Sent Peter) کا قریبی دوست تھا۔ یہ پطرس کا ترجمان کہلاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کتاب کا زیادہ تر مواد اپنے دوست سے اخذ کیا ہے۔ یہ بھی روایت موجود ہے کہ سینٹ پیٹر کی وجہ سے مرقس دائرہ مسیحیت میں داخل ہوا تھا اور وہ اس کے اس قدر قریب تھا کہ وہ اس کو اپنا بیٹا کہا کرتا تھا۔ اگرچہ یہ کتاب کافی پہلے لکھی گئی مگر روم میں پیٹر کی وفات کے بعد منظر عام پر آئی اور یہ باور کیا جاتا ہے کہ یہ انجیل روم میں لکھی گئی اور اس کا مقصد خاص طور پر غیر یہودیوں کو مسیح کے حالات سے روشناس کرانا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس انجیل میں مرقس نے مسیح کے تمام اقوال و افعال قلمبند کر لئے۔ یہ انجیل ۱۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب مقدس کی مطالعاتی اشاعت کے مطابق مقدس مرقس کی انجیل سب سے چھوٹی اور سب سے قدیم ہے۔ اس انجیل میں آرامی زبان کے الفاظ اور یہودی رسم و رواج کے بیان اور ان کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ مرقس نے انجیل غیر یہودیوں میں سے مسیحی ہونے والوں کے لئے لکھی تاکہ اس کا مؤقف بہتر طور پر سمجھ سکیں اس انجیل میں پطرس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔[94]

انجیل لوقا

عہد نامہ جدید کی تیسری کتاب انجیل لوقا ہے۔ مؤلف کا پورا نام لوقینس (Lucaniss) ہے لیکن تخفیف کے ساتھ یہ لوقا (Luke) استعمال ہوا ہے۔ وہ ایک غیر یہودی ماہر طبیب تھا اور پال کی رومی قید کے دوران ان کے بہت قریب رہا۔ اس بات پر بھی اتفاق کیا جاتا ہے کہ ان کی کتاب کا زمانہ تحریر ۶۰ء اور ۷۰ء کے درمیان ہے۔ یہ انجیل یہودی اور غیر یہودی سب کے لئے لکھی گئی اور ساری کتاب کے دوران یہ کوشش کی گئی ہے کہ مسیح کی زندگی کو انسانیت کے لیے نجات دہندہ اور رومی سلطنت کی تاریخ کے ایک حصہ کے طور پر بیان کیا جائے۔ یہ انجیل دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ مکمل اور ضخیم ہے اور ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے کتاب مقدس کی مطالعاتی اشاعت کے مطابق لوقا کی انجیل دو جلدوں پر مشتمل مواد کا پہلا حصّہ ہے دوسرا حصّہ رسولوں کے اعمال ہے۔[95]

---

[93] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷۳۵

[94] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۰۰

[95] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۴۷

انجیل یوحنا

عہد نامہ جدید کی چوتھی کتاب انجیل یوحنا ہے اور یہ تمام لٹریچر میں سے مؤثر ترین ہے۔ مفکرین کا اس بات پر چوتھی صدی تک اتفاق تھا کہ یہ کتاب مسیح کے حواری یوحنا (Saint Johan) کی تالیف ہے، لیکن جدید تحقیق کے مطابق اس کتاب کا مؤلف یوحنا ایک اور شخص ہے جو ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا۔ یہ پہلی صدی کے اواخر میں گزرا ہے اور زمانہ تالیف کے بارے میں ۸۰ء سے ۹۵ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔ یوحنا اس امر میں دلچسپی لیتا تھا کہ وہ ایسی تحریریں لکھے جن سے مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ راسخ ہو جائے اور اس مقصد کے لیے یونانی فلسفے کی توجیہات کے حوالہ سے بات کرنے والوں کا وہ اولین پیشرو تھا۔ اس نے دوسری اناجیل کی کئی عبارتوں کو حذف کر کے اس کی جگہ مسیح کے فلسفیانہ نکات پر مباحث بیان کئے۔ پہلی تینوں اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات مختصر اور جامع جملوں میں ناصحانہ انداز میں ہیں جبکہ یوحنا کی انجیل میں نہایت مدلل اور طولانی تقاریر ہیں۔ اس انجیل کے مطابق مسیح ایک انتہائی پُراسرار شخصیت تھے جن کو گہری روحانی استعداد حاصل تھی۔ اس انجیل میں یوحنا نے چیزوں کو بیان کیا جن کو وہ جانتے تھے اور جن کا علم رکھتے تھے۔ ایسے واقعات کا اضافہ بھی کیا جن سے دوسرے مؤلفین واقف نہیں تھے۔ کتاب مقدس کی مطالعاتی اشاعت کے مطابق یہ انجیل یسوع مسیح کی وفات جی اٹھنے اور آسمان پر جانے کے بعد تقریباً ۹۰ء میں لکھی گئی ہے۔ جبکہ ۷۰ء میں یہودیوں کی بغاوت کے باعث رومی حکمرانوں نے ہیکل مسمار کر دی۔[96]

اس انجیل میں فلسفہ یونانی کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں جس کی مثال اس کا یہ پہلا فقرہ ہے:

ابتدا میں کلمہ تھا اور کلمہ پروردگار کے ساتھ تھا اور کلمہ ہی پروردگار تھا۔[97]

اعمال الرسل اور تعلیمی کتابیں

اعمال الرسل

عہد نامہ جدید کی پانچویں کتاب کا نام ''اعمال الرسل'' ہے اور تاریخ مسیحیت کے ابتدائی ۷۰ برس کی کوششوں کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا زمانہ تالیف ۶۲ء سے ۷۰ء کا درمیانی عرصہ قرار دیا جاتا ہے۔ اعمال الرسل کے پہلے حصہ کا مواد اس تحقیق پر مبنی ہے جو لوقا نے لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران کی اور کتاب کے بقایا حصہ کا مواد اُن تجربات سے

---

[96] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۲۲

[97] انجیل یوحنا باب ۱ فقرہ ۱

ماخوذ ہے جب وہ سچے پیرو کے قریبی دوست بن چکے تھے کیونکہ لوقا اس کتاب کو اپنی انجیل کا جاری حصہ سمجھتے تھے۔اس لئے انہوں نے اسے کوئی نام نہ دیا۔اعمال الرسل کا جو نام اسے دیا جاتا ہے وہ بہت بعد کا ہے اور اس نام کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں مسیح کے حواریوں کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہے۔کتاب مقدس کی مطالعاتی اشاعت کے مطابق جس شخص نے لوقا کی انجیل لکھی اعمال کی کتاب اس کے دو جلدوں پر مشتمل کام کا دوسرا حصہ ہے۔اعمال الرسل میں پولس کے کٹر یہودی سے یسوع پر ایمان لانے کے حالات درج ہیں۔[98]

تعلیمی کتابیں(Didactic Books)

مسیحی مبلغین کے خطوط

عہد نامہ جدید کا دوسرا حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو مسیحی مبلغین نے مختلف علاقوں کے سرکردہ لوگوں یا عمومی طور پر اس علاقہ کے رہنے والوں کے نام لکھے۔ان خطوط کو "Piostles" یا الرسل بھی کہا جاتا ہے۔اور ان خطوط کی تعداد 21 ہے۔چودہ خطوط سینٹ پال (Saint Paul) سے تعلق رکھتے ہیں۔تین خطوط سینٹ یوحنا (Johan) سے متعلق ہیں۔دو خطوط پیٹر (Saint Peter)، ایک خط یعقوب (Jacob) اور ایک خط یہوداہ (Saint Jude) سے منسوب ہے۔اکثر خطوط رومیوں، فلپیوں، تمتاؤس اور ططس کے نام ہیں۔[99]

کتاب مکاشفہ (Revelation Books)

اس کتاب کا مؤلف وہی ہے جس کی طرف انجیل یوحنا منسوب ہے۔اردو میں اس کو مکاشفہ یوحنا بھی کہا جاتا ہے۔اس کتاب میں صوفیانہ انداز میں مسیحیت کے آنے والے غلبہ کی پیش گوئی موجود ہے اور ان تمام عقائد کی تلقین ہے جس کو رومن کیتھولک چرچ نے اپنایا۔اس کا زمانہ تالیف ۸۱ء یا ۹۱ء بیان کیا جاتا ہے۔اس کا اندازِ بیان ایسا ہے جس کی بہت سی تاویلات کی جا سکتی ہیں۔کتاب مقدس کی مطالعاتی اشاعت کے مطابق جس لفظ کا ترجمہ مکاشفہ کیا گیا ہے۔وہ یونانی زبان کے لفظ "Apokalypsis" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے کہ ظاہر کرنا، پردہ اٹھانا، ڈھکی ہوئی چیز کو ظاہر کرنا، وحی الہام اور غیب کی باتوں کا اظہار یا انکشاف۔بعض علماء کے مطابق یہ ۷۰ء میں یروشلم کی تباہی سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے لکھی گئی تھی۔[100]

عہد نامہ جدید کی کل ستائیس کتب عہد نامہ جدید کی یہ کل ۲۷ کتابیں ہیں جن کو ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل

---

[98] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۸۲

[99] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۰۵۳

[100] کتاب مقدس، مطالعاتی اشاعت، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۱۹، ۲۳۲۰

میں مستند قرار دیا گیا۔ جن کتابوں کو مسترد کر دیا گیا وہ بھی بے شمار تھیں اور ان میں انجیل عیسیٰ، انجیل سبعین، انجیل تذکرہ اور انجیل برناباس بہت مشہور ہیں۔ تقریباً چالیس یا پچاس اناجیل کو مستند قرار دیا گیا اور اکیس خطوط کا انتخاب تو سینکڑوں کی تعداد میں سے کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت Encyclopaedia Britannica سے ہوتی ہے جس نے صرف حقائق تدوین پر روشنی ڈالی ہے بلکہ ساتھ عہد نامہ جدید کی کتب تسلیم شدہ کتب بھی بیان کی ہیں۔ ابتدائی مسیحی تاریخ میں اتھانسیوس: متوفی ۳۷۳ء (Athanasius) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ نیقیہ کی مشہور مجلس کا اہم رکن تھا۔ عہد نامہ جدید کی جمع وتدوین میں بھی اس کی جدوجہد بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اسی نے ۳۶۷ء میں عہد نامہ جدید کو موجودہ شکل دی اور ۸۸۲ء میں اس کے موجودہ اجزائے ترکیبی کا حتمی فیصلہ ہوا۔ اس سال روم میں پوپ دماسس کے ماتحت ایک مجلس کلیسا منعقد ہوئی۔ اس میں اتھانیسوس کی مجوزہ شکل تسلیم کر لی گئی۔ اس تجویز کے مطابق عہد نامہ جدید کی موجودہ بہت ترکیبی یہ ہے۔

۱۔ اناجیل اربعہ ۲۔ رسولوں کے اعمال ۳۔ پطرس کے تیرہ خطوط

۴۔ عبرانیوں کے نام خط ۵۔ یعقوب، پطرس، یوحنا اور یہودا کے خطوط ۶۔ مکاشفہ یوحنا

آج بھی مختلف گروہوں کی بائبلوں میں کتب کی تعداد مختلف ہے۔ مثلاً گیتھوک بائبل ۷۲ کتب اور پروٹسٹنٹ بائبل ۶۶ کتب پر مشتمل ہے۔[101]

عہد نامہ جدید کے مصنفین میں اختلاف

موجودہ عیسائیت کی بنیاد تثلیث، حلول و تجسیم اور کفارے پر رکھی گئی ہے جبکہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں یہ تینوں عنصر موجود نہیں اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے۔ دراصل یہ پولوس رسول تھا، جس نے عیسائیت کو اپنے اندازِ فکر کے مطابق اپنے سانچے میں ڈھال کر ایک مذہب بنا دیا۔ اناجیل اور عہد نامہ جدید کے مشمولات کے بارے میں خود عیسائیوں میں ہی اختلافات و شکوک کا سلسلہ ابتدائی زمانوں میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ لوقا کی انجیل میں متی اور مرقس کی اناجیل کے مقابلے میں مواد بھی کہیں زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ بحث یوحنا کی انجیل پر ہوتی ہے، دوسری صدی عیسوی میں ہی عیسائیوں کے ایک بڑے طبقے نے یوحنا رسول کی انجیل کو ان کی تصنیف ماننے سے انکار کر دیا۔ دراصل یوحنا جو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے وہ اَن پڑھ اور ماہی گیر تھے جبکہ یوحنا کی انجیل تعلیم یافتہ اور اثر ورسوخ رکھنے والے کسی بلند رتبے کی لکھی ہوئی ہے۔

---

[101] Encyclopaedia Britannica, London, 1962,3/514

عہد نامہ جدید کے متعلق Encyclopaedia of Religion میں لکھا ہے۔

Like the old testament, the new testament is the collection of books from about a dozen authors with diverse theological convictions. The books are not arranged in choronological order. [102]

عہد نامہ جدید جو عہد نامہ عتیق کی طرح کئی (یعنی ۲۷) کتابوں پر مشتمل ہے جس کے درجنوں مصنفین ہیں جو مختلف طرح طرح کے مذہبی رجحانات کی توثیق کرتے ہیں۔ اور ان کتابوں کی تقویم بھی تاریخی وار یازمانی اعتبار سے نہیں ہے۔

یوحنا کی انجیل دراصل خود پولوس رسول کی تصنیف ہے، جس نے اسے یوحنا کے نام سے منسوب کر دیا۔ کیونکہ یوحنا پولوس رسول کا چہیتا تھا۔ اناجیل کی تعداد چار نہ تھی۔ اس کی شہادت تو خود لوقا کی انجیل سے بھی ملتی ہے۔ خود لوقا نے اعتراف کیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اناجیل لکھی تھیں۔ خود لوقا کا یہ حال ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تک نہ تھا۔ اس نے یہ انجیل پولوس رسول کے زیر اثر لکھی۔۔ یوحنا کی انجیل کے بارے میں پادری برکت اللہ کہتے ہیں:

''ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی''۔ [103]

Bratton ہسٹری آف بائبل میں لکھتا ہے۔

عہدِ عتیق کی طرح عہدِ جدید میں شامل کتابوں کی تعداد بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ یوسے بئیس (Eusebius) م ۳۴۰ء جسے تاریخ کلیسا کا باپ (Father of Church History) کہا جاتا ہے۔ اور اس کے دیگر ہم عصر مسیحی رہنماؤں اور مصنفین کے نزدیک یعقوب (James) کا خط، پطرس کا دوسرا خط، یہوداہ کا خط اور یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط، غیر الہامی اور غیر مستند تھے۔ [104]

آکسفورڈ ڈکشنری آف دی چرچ کے مطابق "بائبل کے قدیم سریانی (Syriac) نسخہ میں جسے پشتیا (Peshitta) کہا جاتا ہے۔ موجودہ بائبل کے یہ حصے موجود نہیں ہیں"۔ [105] بیشتر عیسائی علماء اور محقق اس بات پر متفق ہیں۔ یوحنا کی انجیل دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یوحنا ابن زبدی کی نہیں، بلکہ ایک دوسرے فرد یوحنا بزرگ (Elder) کی تصنیف ہے اور عہد نامہ

---

[102] Encyclopaedia of Religion and Religion, Ed., Roysten Pike, E., Unwin Ltd. 1st Ed. London, 1951, 2/905

[103] پادری برکت اللہ، قدامت واصلیت اناجیل اربعہ، کرسچن لٹریچر سوسائٹی، مدراس ۱۹۳۸ء، ج ۲ ص ۱۳۱

[104] Bratton's History of the Bible, P. 122

[105] The Concise Oxford Dictionary of the Church, Ed. Elizabeth A Livingstone, Oxford, University Press, London, 1980, P 393

جدید میں جو خطوط یوحنا کے نام سے شامل ہیں دراصل وہ بھی اسی یوحنا بزرگ کے ہیں جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ رسولوں کے اعمال کا مصنف لوقا کو بتایا جاتا ہے۔ ان میں سے صرف دس خطوط پولوس رسول کے ہیں، چار خطوط کسی اور کے لکھے ہیں۔ ڈاکٹر احسان الحق رانا عہد نامہ جدید کی کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

عہد نامہ جدید جسے مسیح کے پیروکاروں نے ۵۰ء سے ۱۰۰ء کے درمیان لکھا حالانکہ وہ ۶۶ء سے ۱۰۰ء کے دوران میں پولوس سے منسوب چودہ خطوط لکھے جانے کے بعد لکھی گئی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ چاروں انجیلوں کی بنیاد حضرت مسیح کی تعلیم کی بجائے پولوس (سینٹ پال) کے نظریات پر رکھی گئی ہے۔[106] مصنفین کی اصل تعداد کا تعین آج تک نہ ہو سکا عہد نامہ جدید کے دورِ تالیف کے بارے میں بھی مختلف آراء ہیں۔ Hasting's Dictionary میں مصنفین کی تعداد ۹ بیان کی گئی ہے[107].

Encyclopaedia of Religion کے مطابق

The books were writen between C.50 CE and 150 CE. [108]

یہ کتب ۵۰ء سے ۱۵۰ء مسیح کے زمانے کے درمیان لکھی گئی ہیں۔

Paul D. Wengner لکھتا ہے۔

Apparently, the new testament works were written during a relatively short periods of time between about 48 and 100 CE.[109]

عہد نامہ جدید کی کتب واضح طور پر اندازاً ۴۸ء سے ۱۰۰ء بعد از مسیح کے ادوار میں لکھی گئی ہیں۔

Bernard M. Allen رقمطراز ہے۔ "معلوم ہوتا ہے مسیح کی موت کے بعد گزرنے والے ابتدائی سالوں میں ان کی زندگی اور تعلیمات کا کوئی تحریری ریکارڈ تیار نہیں کیا گیا۔ البتہ ان کے فرمودات میں سے چند زیادہ مؤثر باتوں کو شاید کسی سادہ عبادت واذکار میں شامل کر لیا گیا ہو۔ مگر بالعموم چونکہ ان کے متبعین مسلسل ان کی آسمان سے آمد ثانی کے منتظر رہتے تھے اس لیے انھوں نے ان کی زمینی زندگی کو ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت نہ سمجھی"۔[110]

---

[106] احسان الحق رانا، یہودیت اور مسیحیت، مسلم اکادمی لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۲۲

[107] A Dictionary of the Bible, Ed., James Hastings, Edinburgh, New York, Edition, 1904, 3/526

[108] Encyclopaedia of Religion, Ed., Roysten Pike, E., Unwin Ltd. 1st Ed. London, 1951, 2/905

[109] Paul D. Wengner, The Journey from Texts to Translations: The Origin and Development of the Bible, Baker Academic, 2004 ,P.57

[110] Bernard M. Allen, The Story Behind the Gospels, London, 1926 P.4,5

عہد نامہ جدید کے دورِ تالیف میں اختلاف

عہد نامہ جدید کے مصنفین کی تعداد کی طرح دورِ تالیف کے تعین میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

انسائکلوپیڈیا آف ریلیجنز کے مطابق

They gained that status only after a long and complete process. This collection took definitive form for most churches only in fourth century. [111]

عہد نامہ جدید کو حتمی اور آخری شکل اختیار کرنے میں کافی عرصہ لگا۔ چرچ میں اس کا مجموعے کی شکل میں آنے تک چوتھی صدی کا دور تھا۔

کیتھولک کلیسا کی دو ہزار سالہ تاریخ نامی کتاب (از جان سی دوائیا) کو اس کے مترجم جناب عمانویل نینو نے ایک انمول خزانہ قرار دیتے ہوئے اس کی ترجمانی پر اپنی بڑی خوش بختی کا اظہار کیا ہے۔ مصنف لکھتا ہے:

''متی نے اس تحریر میں مرقس کا سہارا لیا۔ اور پھر مسیح خداوند کے تحریری اقوال کا بھی استعمال کیا جس کا فی حد ذاتہٖ کوئی وجود نہیں مگر اس کو کیو ''Q'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس نے ایک آرامی زبان کی دستاویز کو بھی استعمال کیا ہے جسے کسی حواری نے لکھا تھا اور یہ آرامی دستاویز اتنی ہی قدیم ہے جتنی پیپاس کی تصانیف یعنی تقریباً ۱۳۰ء کی تصنیف کردہ، مگر پیپاس کے دیگر ریمارکس کی طرح اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جب یہ دستاویز ۱۳۰ء کی ہے تو انجیل متی لازماً اس کے بعد کی تحریر ہوگی۔ یہ متی ابتدا میں یونانی زبان میں تحریر ہوئی تھی''۔ [112]

ان حقائق کے پیشِ نظر مسیحی فضلاء نے تسلیم کیا ہے کہ: دوسری صدی تک نئے عہد نامہ کا مستند مجموعہ تیار کرنے کی ابتداء تک نہ ہوئی۔ اور تیسری صدی کے اواخر (بلکہ چوتھی صدی کے نصف اول) تک متنازعہ کتابوں کا وجود باقی تھا۔ [113]

قاضی محمد شریف لکھتے ہیں۔ وہ انجیل جو حضرت مسیحؑ پر نازل ہوئی تھی اس کی اصل زبان اب دنیا میں بالکل مفقود ہو گئی ہے۔ لہذا موجودہ انجیلوں کے متن پر کلام الٰہی کا اطلاق کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اب ان کی الہامی یعنی حضرت عیسیٰؑ کی زبان نہیں ہے۔ [114]

---

[111] Encyclopaedia of Religion, Ed., Roysten Pike, E., Unwin Ltd. 1st Ed. London, 1951,2/905

[112] جان سی دوائیا، تاریخ اصلاحات کلیسا، مترجم عمانویل نینو: مطبوعہ کیلیکٹیکل سنز کراچی۔ مارچ ۱۹۹۳، ص ۸۷-۹۰

[113] American Peoples Encyclopaedia ,3/426

[114] قاضی محمد شریف، کلام رحمان بائبل یا قرآن، ص ۲۱

عہد نامہ جدید کی الہامی واستنادی حیثیت

اس سلسلے میں Basanta coomer Bose رقم طراز ہیں:

The Gospels were written by many peoples at different times and additions embellishments have been going on since christ's death till the end of the thirteen century, as is amply proved by mr. Edwin Johnson in his "Rise of Christendom" so that we have not the christ of history but all is fable.[115]

اناجیل کو مختلف اوقات میں کئی لوگ ضبطِ تحریر میں لائے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے لے کر تیرہویں صدی تک اضافے اور تحریف ہوتی رہی ہے جیسا کہ ایڈون جانسن نے اپنی کتاب "Rise of Christendom" میں ثابت کیا ہے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی باقیات نہیں بلکہ افسانہ رکھتے ہیں۔

ابن حزم نے الملل والنحل میں لکھا ہے۔

نصاریٰ نے ہمیں اس تمام مشقت سے بے نیاز کر دیا ہے کیونکہ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ اناجیل، اللہ کے پاس سے مسیح پر نازل کی گئی ہیں اور نہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان اناجیل کو مسیح ان کے پاس لائے ہیں بلکہ یہ سب لوگ شروع سے آخر تک نسطوری، یعقوبی، مارونی وغیرہ سب کے سب ان امر میں اختلاف نہیں کرتے کہ یہ چار کتب تواریخ ہیں جن کو چار شخصوں نے تالیف کیا ہے اور وہ مختلف زمانوں میں مشہور ہیں۔[116]

ابن تیمیہ "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں لکھتے ہیں:

واما الإنجيل الذى بيدى المسيحين فإنهم معترفون بانه لم يكتبه المسيح عليه السلام ولا املاه على من كتبه وانما املاه بعد رفع المسيح، متى و يوحنا و كان قد صحبا المسيح ولم يحفظه خلق كثير مبلغون حد المتواتر، مرقس ولوقا وهما لم يرا المسيح عليه السلام، وقد ذكر هؤلاء انهم ذكروا بعد ما قاله المسيح وبعض اخباره، وإنهم لم يستوعبوا ذكر اقواله وافعاله۔[117]

اور انجیل جو مسیحیوں کے پاس موجود ہے وہ خود معترف ہیں کہ اسے مسیحؑ نے خود نہیں لکھا ہے، اور نہ ہی اس کی املاء انہوں نے کروائی بلکہ اس کو حضرت عیسیٰؑ کے رفع آسمان کے بعد لکھا گیا۔ متی اور یوحنا کی انجیل کے الفاظ کو مسیحی مبلغین نے تواتر سے محفوظ

---

[115] Basanta Coomer Bose, Mahomedanism, P.20

[116] ابن حزم، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، المتوفى: ۴۵۶ھ، الفصل في الملل والأهواء والنحل، مكتبة الخانجي، القاهرة، ج ۱ ص ۲۵۱

[117] ابن تيميه، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي، المتوفى: ۷۲۸ھ، الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح، دار العاصمة، السعودية، ۱۴۱۹ھ، ج ۱ ص ۳۶۸

نہیں کیا، اور مرقس اور لوقا کو تو مسیحؑ نے دیکھا بھی نہیں، اور ان سب اناجیل میں جو کچھ بھی بیان کردہ ہے وہ منقول کردہ ہے اور مسیحؑ سے متعلق خبر کے درجے میں ہے انہوں نے اپنے اقوال اور افعال کو خود مرتب نہیں کروایا۔

اسی بات کا اعتراف برکت اے خان اس انداز میں کرتے ہیں۔

کتاب مقدس کا دوسرا حصہ انجیل مقدس ہے اس کو نیا عہد نامہ کہتے ہیں جس کو خداوند یسوع مسیح کے مقرر کردہ مرسلین نے یونانی زبان میں پہلی سن عیسوی میں خود قلم بند کیا تھا۔[118]

ابو بلال ناصر رقمطراز ہیں۔"اسی لیے انجیل متی اور انجیل لوقا نے یسوع مسیح کی سیرت کو ان کی پیدائش کے وقت سے شروع کیا ہے اور انجیل مرقس اور یوحنا نے یسوع مسیح کی پیدائش کو بیان نہیں کیا۔ متی پہلی انجیل سے اور لوقا تیسری جو عہد نامہ جدید میں شائع کی گئی ہے جبکہ مرقس دوسری اور یوحنا چوتھی۔ متی سب سے پہلے یسوع مسیح کا نسب نامہ بیان کرتا ہے اور بعد میں یسوع مسیح کی پیدائش کے واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ جبکہ لوقا یسوع مسیح کی پیدائش کے واقعہ کو بیان کرتا ہے اور یسوع مسیح کی عمر تیس سال بیان کرنے کے بعد اس کا نسب نامہ بیان کرتا ہے۔ دونوں اناجیل میں یسوع مسیح کی نسب نامے اور پیدائش کے واقعات میں بہت زیادہ تضادات پائے جاتے ہیں"۔[119]

بشیر احمد اپنی کتاب بائبل کا تحقیقی جائزہ میں لکھتے ہیں:

عہد نامہ جدید پر تنقید کا آغاز اس مفروضے کی بنا پر ہوا کہ اس میں بہت سے تضادات و تناقضات، متن کی تبدیلیاں، بے سند روایات، مبہم قرات، اور واقعاتی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ عہد نامے کے متن کی تاریخ کو عیسائیت کی ترقی وارتقاء کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ دوسری صدی عیسوی ہی میں مذہبی امور میں اختیار رکھنے والے ادارے یعنی کلیساء کے لیے پریشان کن تھا۔[120]

اناجیل میں تحریف سے متعلق مغربی مصنفین کے شواہد

William Neil اپنی کتاب The Bible Story میں لکھتا ہے۔

So many different minds are represented in the pages of the New testament, so many writers with differing personatities and point of views.[121]

---

[118] پادری برکت اے خان، صفاتِ نبوت اور شانِ رسل، کرسچن لٹریچر سوسائٹی مدراس، ۱۹۳۸، ج ا ص ۶

[119] ابو بلال ناصر غنی، کیا اناجیل خدا کا کلام ہیں؟، ص ۳

[120] بشیر احمد، بائبل کا تحقیقی جائزہ، اسلامک سٹڈی فورم، راولپنڈی، ص ۵۵

[121] William Neil, The Bible Story, P.215; Kirkpatrick, The Divine Liberary of the Old Testament, P. 51

عہد جدید کے صفحات بہت سے مختلف دماغوں اور بہت سے لکھنے والوں کی کاوش کا نتیجہ ہے جن کی شخصیات اور نقطہ ہائے نظر آپس میں مختلف تھے۔ رسولوں کے اعمال میں بھی الہام کا دعویٰ کیے بغیر حواریوں اور ابتدائی کلیسا کے حالات ہیں۔ اس کے بعد پولس وغیرہ کے خطوط ہیں۔ جس نے رسالت اور مکاشفات کے عمومی دعویٰ تو کیے مگر اس کا یہ مطلب کسی طرح نہیں بنتا کہ خطوط میں جو اس نے لکھا وہ سارے کا سارا الہامی ہے۔

Dummelow's Commentry میں یہ اعتراف اس انداز سے کیا گیا ہے:

A copyist would sometimes put in not what was in the text, but what he thought ought to be in it. He would trust a fickle memory, or he would make the text accord with the views of the school to which he belonged.[122]

ایک نقل نویس وہ کچھ لکھنے کی بجائے جو واقعی اس میں ہوتا وہ لکھتا جو اس کے اپنے خیال میں اسی میں ہونا چاہیے تھا وہ یا تو اپنی کمزور یادداشت پر اعتماد کرتا یا متن کو اپنے مخصوص طبقہ فکر (فرقہ) کے خیالات کے مطابق بنا دیتا۔

Collier's Encyclopaedia میں اناجیل میں تحریف کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔

Saying, ancedotes, scraps of debate or conversation, miracle stories, parables, stories about Jesus and they like. [123]

بعض ماہرین کے مطابق بے سند روایات، مبہم فقرات اور واقعاتی غلطیوں کے علاوہ اور قسم کے قصے، حکایات اور روایات بھی اناجیل کی بنیاد ہیں جن میں: اقوال، واقعات، بحث و گفتگو کے ٹکڑے، معجزات کی کہانیاں، تمثیلات اور یسوع کے بارے میں کہانیاں وغیرہ شامل ہیں۔

Herbert Muller غیر جانبداری سے اعتراف کرتے ہوئے پولس پر تنقید کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

Paul wrote his letters in bad Greek sometimes hurriedly, often vehemently, in his haste he was apt to be casual or imprecise, in his passion, to be immoderate obscure, and he never had a thought that he was writing a new testament.[124]

پولس نے اپنے خطوط ناقص یونانی زبان میں لکھے وہ کبھی کبھی جلدی میں لکھتا اور اکثر تندی کو اپناتا، جلد بازی کی وجہ سے (اس کی تحریر) بے قاعدہ اور غیر واضح ہو جاتی ہے اور جذبات کی وجہ سے غیر معتدل اور مبہم اور یہ تو اسے بالکل معلوم نہ تھا کہ وہ (ان خطوط کو لکھتے ہوئے بائبل کا) نیا عہد نامہ جدید تحریر کر رہا ہے۔

---

[122]Dummelow J.R., A Commentary on the Holy Bible, Macmillan Company, 1956, PXVI

[123]Collier's Encyclopaedia, The Crowell-Collier Publishing Co., 1963, 9/199

[124]Herbert Muller, Uses of the Past, New York, 1959, P. 89

T.G. Tucker اپنی کتاب A History of the Christians میں اعتراف کرتا ہے۔

There was no hesitation in altering it, or making additions to it, or in leaving out what did not suit the writer's purpose.[125]

نقل نویس کو انجیل کے مسودے کو تبدیل کرنے، اس میں اضافہ کرنے یا ایسی چیز کو جو اس کے مقصد کے منافی ہوتی چھوڑ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوتی تھی۔

اناجیل کے مصنفین پر جدید ناقدین کا تجزیہ

بائبل کے جدید ناقدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ متی اور یوحنا کے مطابق جو انجیلیں موجود ہیں انہوں نے سرے سے ان کو مرتب ہی نہ کیا تھا۔ ان مرتبین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خود دیکھا ہو یا ان کے ارشادات اپنے کانوں سے سنے ہوں، لکھنے والی شخصیات کوئی اور تھیں اور جن سے منسوب کر دی گئیں وہ کوئی اور ہیں۔ ان صحائف کی ترتیب کا سبب ہی کچھ اور تھا کہ اپنے مخصوص نقطہ ہائے نظر اور اپنے موقف کی ترجمانی کی جائے ور پھر لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند کے انتخاب کا عمل بھی اسی بنیاد پر مبنی تھا۔ پادری برکت اے خان انجیل مقدس کے متعلق اپنے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسیحیوں کا ہر گز یہ عقیدہ نہیں کہ آسمان پر سے لکھی ہوئی توریت کی کتاب، زبور کی کتاب، صحائف انبیاء اور انجیل مقدس نازل ہوئی تھی۔[126]

ان صحائف کو یونانی زبان میں مرتب کیا گیا تھا جبکہ حضرت مسیح کی زبان آرامی تھی۔ جب یہ صحائف مرتب ہو گئے تو اس کے ایک صدی بعد تک ان میں سے کسی ایک کو بھی سند اور اعتبار کا حتمی مقام حاصل نہ ہوا۔ ان کو نقل کرنے والے پوری آزادی کے ساتھ اپنے فرقوں کے عقائد سے مطابقت قائم کرنے کے لئے ان اقوال میں ترمیم کرتے رہے۔ انجیل کے قدیم ترین نسخے کی (جن میں ویٹی کن (Vetican) کا قدیم نسخہ اور اسکندریہ کا قلمی نسخہ شامل ہیں جو چوتھی پانچویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں) تحریر و ترتیب انجیل کی اولین ترتیب کے تقریباً تین سو سال بعد عمل میں آئی۔ ان نادر قلمی نسخوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اناجیل اربعہ اور دیگر صحیفوں میں بے شمار تضادات و اختلافات نظر آتے ہیں۔ اناجیل اربعہ کے مصنفین بھی قطعی طور پر گمنام اور نامعلوم ہیں۔ Encyclopaedia Britannica کے مطابق

In fact the Gospels and the acts were published anonymously, the present titles

---

[125] T.G. Tucker, A History of the Christians in the Light of Modern Knowledge, London.N.D, P. 320

[126] پادری برکت اے خاں، اصول تنزیل الکتاب،، کرسچن لٹریچر سوسائٹی مدراس، ج ا ص ۸

came from the second century.[127]

دراصل اناجیل اور اعمال (کی کتاب) گمنام طور پر (مصنفین کے ناموں کے بغیر شائع ہوئیں اور ان کے موجودہ عناوین (اور انتساب) دوسری صدی میں رائج ہوئے۔

اس سلسلے میں F.G. Bratton رقم طراز ہیں:

The formation of the canon was a purely humen process and historical growth, in which all the Churches differed for serveral centuries regarding the authentic list of books.[128]

(مستند کتابوں کی) فہرست مسلمہ کی تدوین و تکمیل ایک خالصتاً انسانی عمل تھا۔ یہ ایک ایسا تاریخی ارتقاء تھا جس میں کئی صدیوں تک سب کلیسا کتابوں کی مسلمہ فہرست کے بارے میں اختلافات کا شکار رہے۔

Bernard M. Allen رقمطراز ہے۔

The Gospels themselves do not refer by name to their authors, and titles of the Gospels were added not earlier than a generation or two after composition, when they had been collected together in a corpus, and so required identification to distinguish them from one another.[129]

خود اناجیل میں ان کے مصنفین کے ناموں کا کوئی حوالہ موجود نہیں اور ان کے عناوین (انجیل متی، انجیل مرقس) وغیرہ کا اضافہ ان کی تالیف کے ایک دو نسل کے بعد تک کے عرصہ سے پہلے نہیں ہوا جب کہ انھیں ایک مجموعی کتاب میں اکٹھا کیا گیا، اور اس لیے ان میں باہمی امتیاز کرنے کے لیے (الگ ناموں کی) شناخت کی ضرورت پیش آئی۔

دوسری صدی کے آخر تک اربابِ کلیسا کسی حد تک نئے عہد نامے کی مستند و مسلمہ کتابوں پر متفق ہو گئے تھے۔ اگرچہ اس کے بارے میں اختلافات جاری رہے جو کہیں چوتھی صدی میں جا کر طے ہوئے مگر وہ بھی پوری طرح نہیں۔

اسی بات کے پیش نظر Encyclopaedia Britanica کے مقالہ نگار کو بالآخر کھلے دل سے اعتراف کرنا ہی پڑا

We have no certain knowledge as to how or where the four fold Gospel canon came to be formed.[130]

---

[127] Encyclopaedia Britannica, London, 1962,13/32,33

[128] F.G. Bratton, History of the Bible, London, 1961, P. 234

[129] Bernard M. Allen, The Story Behind the Gospels, London, 1926, P.4,5

[130] Encyclopaedia Britannica, London, 1962, 3/513

کہ ہم نہیں جانتے کہ اناجیل اربعہ کیسے اور کہاں سے منظر عام پر آئیں۔

دراصل اناجیل اور اعمال (کی کتاب) گمنامی، انسانی ہاتھوں کا کمال اور کلیسا کا عمل دخل اس کی الہامی واستنادی کمزوری کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے .اس کی وضاحت "Thomas Paine" کے اس تبصرے سے ہوتی ہے۔

These books ... are, we are told, the word of God..... is all we know of the matter.[131]

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ بائبل کی یہ کتابیں خدا کا کلام ہیں اس لیے ہمارے لیے یہ جاننا مناسب ہو گا کہ کس نے ہمیں یہ بات بتائی تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس پر کتنا بھروسہ کرنا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کس کے کہنے سے ہم ان کو کلام الٰہی مانتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ بات ہم خود ہی ایک دوسرے کو باور کرائیں، تاہم تاریخی طور پر واقعہ یوں ہے کہ کلیساء کے قصہ گوؤں نے اپنا نظام قائم کر لیا تو انھوں نے جتنی تحریریں مل سکتی تھیں۔ اکٹھی کر لیں۔ پھر انھوں نے رائے شماری سے فیصلہ کیا کہ اس مجموعے کی کون سی کتابیں کلام الٰہی ہونی چاہئیں۔ اور کون سی نہیں، انھوں نے متعدد کتابوں کو مسترد کر دیا وہ کتابیں جن کو کثرت سے ووٹ ملے ان کو کلام الٰہی قرار دے دیا یہ لوگ جنھوں نے یہ سب کچھ کیا، کون تھے؟ ہمیں کچھ معلوم نہیں انھوں نے اپنے لیے کلیساء کا عمومی نام اختیار کیا اور ہم بس اس کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں۔

علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں:۔ چوتھی صدی عیسوی میں متعدد اناجیل موجود تھیں جن میں سے چار انجیلیں منتخب کر کے موجودہ عہد نامے میں شامل کر لی گئیں۔ ان کتابوں کو ہم وہ انجیل نہیں کہہ سکتے جس کا قرآن میں ہر جگہ صیغہ واحد کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔[132]

چنانچہ R. William Davies اپنی کتاب The Universal God میں بائبل اور قرآن کے موازنہ کے بعد قرآن سے متعلق کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

The Quran is the most widely read and most quoted book in the world.[133]

قرآن سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دنیا کی سب سے زیادہ محفوظ کتاب ہے جس کے اقتباسات دنیا میں سب سے زیادہ

---

[131] Thomas Paine, The Age of Reason,barrios Publication, London, 1794, p.10,11

[132] محمد رشید بن علي رضا بن محمد شمس الدين بن محمد بهاء الدين بن منلا علي خليفة القلموني الحسيني (المتوفى: 1354ھ) تفسير القرآن الكريم (تفسير المنار) الهيئة المصرية العامة للكتاب مصر ج ۳ ص ۱۵۹

[133] R. William Davies, The Universal God, Xlibris Corporation, Bloomington, Indiana, United States ,2011, p 215

لئے جاتے ہیں۔ خود اناجیل میں باہمی اختلاف اور تضاد ہے۔ حالانکہ کلام ربانی میں اختلاف ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا [134]

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بھی کچھ اختلاف پاتے۔

عہد نامہ جدید و قدیم کی الہامی اور استنادی حیثیت سے متعلق پیش کیے گئے تفصیلی حوالوں اور تجزیہ نگاروں کے تبصروں اور ظاہری شواہدات اور بائبل کے اندرونی کلمات کی روشنی میں یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ ان کتابوں میں حد درجہ تحریف و من گھڑت روایات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کی تالیف میں الہام کو دخل نہ تھا یا الہام میں انسانی کاوش کی آمیزش ہو چکی تھی۔ اسی طرح ان کی قبولیت و رواج بھی الہام نہیں بلکہ انسانی فیصلوں پر مبنی تھا اور اگر ان فیصلوں کو خدائی رہنمائی نصیب ہوتی تو مختلف مقدس کتابوں کو درجہ قبول دینے یا نہ دینے کے مسئلے پر صدیوں اختلافات و تحفظات نہ پائے جاتے۔

خود آزمائی

35 عہد نامہ جدید کا مفہوم و تعارف اور اس کے اہم حصوں کی تفصیل بیان کریں۔

36 اناجیل اربعہ کا مختصر تعارف بیان کرتے ہوئے ان کی حیثیت پر بحث کریں۔

37 اعمال الرسل اور تعلیمی کتابیں کی تفصیل بیان کریں۔

38 عہد نامہ جدید کے مصنفین میں اختلاف کی تفصیل بیان کریں۔

39 عہد نامہ جدید کے دور تالیف میں اختلاف اور الہامی اور استنادی حیثیت پر روشنی ڈالیں۔

40 اناجیل میں تحریف سے متعلق مغربی مصنفین کے شواہد پر روشنی ڈالیں۔

41 اناجیل کے مصنفین پر جدید ناقدین کا تجزیہ تفصیل سے بیان کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے فٹ نوٹس میں مذکور ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

---

[134] سورۃ النساء 84:4

یونٹ:6

جزیرۃالعرب میں مسیحیت کا آغاز وارتقاء

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظرثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،

ڈاکٹر محمد عبداللہ،

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف..... 109
یونٹ کے مقاصد..... 109
اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں مسیحیت کے نفوذ کا تاریخی و جغرافیائی جائزہ:۔..... 110
نجران میں مسیحیت کا نفوذ اور عیسائیت کا پھیلاؤ: ایک تاریخی جائزہ..... 113
وسطی عرب میں مسیحیت کے عدم پھیلاؤ کی وجوہات کا تاریخی جائزہ..... 115
مسیحیوں کا رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر رد عمل اور مسلمانوں کے ساتھ ابتدائی تعلقات: 118
حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور قیصر روم ہرقل کی اسلام سے متعلق تحقیقات اور طرز عمل 121
دعوت نبوی ﷺ پر اہل نجران کا رد عمل اور مسیحی مطالعہ اسلام کا آغاز:..... 125
خود آزمائی..... 130
جوابات 130

یونٹ کا تعارف

یہ یونٹ جزیرہ نمائے عرب میں مسیحیت کے نفوذ اور اس کے تاریخی و جغرافیائی جائزے پر مشتمل ہے، جس میں اسلامی تاریخ اور عیسائیت کے تعلقات کا تفصیلی احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہم مطالعہ کریں گے کہ کس طرح مسیحیت نے عرب کے مختلف علاقوں میں قدم جمائے اور اس کے اثرات نے جزیرہ نما عرب کی معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی تشکیل میں کردار ادا کیا۔ خاص طور پر نجران اور دیگر اہم علاقوں میں مسیحیت کے پھیلاؤ اور اس کی ترقی کے بارے میں تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ یونٹ میں اس بات پر بھی روشنی ڈالی جائے گی کہ وسطی عرب میں مسیحیت کا نفوذ کیوں نہ ہو سکا اور اس کی بنیادی وجوہات کیا تھیں۔ مزید یہ کہ، اس یونٹ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی نبوت اور دعوت اسلام پر مسیحیوں کے رد عمل اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ابتدائی تعلقات کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے علاوہ، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور قیصر روم ہرقل کی اسلام سے متعلق تحقیقات اور طرز عمل کو بھی تفصیل سے بیان کیا جائے گا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے عیسائیوں نے اسلام کے پیغام کو کس نظر سے دیکھا۔ آخر میں اسلام کی دعوت کے جواب میں اہل نجران کے رد عمل اور مسیحی مطالعہ اسلام کی ابتدا پر بھی تفصیلی بحث کی جائے گی، تاکہ اس زمانے کی سیاسی، مذہبی اور ثقافتی پس منظر کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔ اس یونٹ میں ان تمام موضوعات پر جامع روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

42 اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں یہود و نصاریٰ کی قیادت اور مسیحیت کا نفوذ: ایک تاریخی و جغرافیائی جائزہ بیان کر سکیں۔

43 نجران میں مسیحیت کے نفوذ کے مختلف اسباب اور ذرائع بیان کر سکیں اور ان کے تاریخی اثرات پر روشنی ڈال سکیں۔

44 وسطی عرب میں مسیحیت کے عدم پھیلاؤ کی وجوہات کا تاریخی جائزہ لے سکیں اور بیان کر سکیں کہ وسطی عرب میں اس کا فروغ کیوں نہ ہو سکا؟

45 وحی کے نزول کے آغاز کے وقت، مسیحیوں نے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے پر کیا رد عمل ظاہر کیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے ابتدائی تعلقات کیسے رہے۔

46 حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور قیصر روم ہرقل کی اسلام سے متعلق تحقیقات اور طرز عمل اور رد عمل بیان کر

سکیں۔

47 اہل نجران کے دعوت نبوی ﷺ پر ردعمل اور مسیحی مطالعہ اسلام کے آغاز وارتقاء کو بیان کر سکیں۔

اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں مسیحیت کے نفوذ کا تاریخی وجغرافیائی جائزہ

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں صرف دو بڑی اقوام، یہود اور نصاریٰ، موجود تھیں جن کے پاس کسی نہ کسی شکل میں آسمانی کتاب موجود تھی۔ یہ دونوں اقوام یہ سمجھتی تھیں کہ وہ خدا کی ہدایت پر چلنے والی اور دنیا کی رہنمائی کا حق رکھنے والی ہیں۔ ایک وقت تھا جب ان کا یہ دعویٰ درست بھی تھا۔ حقیقت میں، یہ دونوں الگ قومیں نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی ایک ہی ملت کے دو مختلف گروہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور دین دونوں میں قیادت عطا کی تھی، جس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں موجود ہے:

يَابَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ.[135] اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی"۔

تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ بنی اسرائیل نے بھی دینِ الٰہی کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ان سے پہلے قوموں نے کیا تھا۔ انہوں نے خدا کے احکامات میں تحریف کی، دنیاوی حرص کا شکار ہو گئے اور الٰہی ہدایات کو پسِ پشت ڈال دیا۔ سنتِ الٰہی کے مطابق، ان سے قیادت چھین لی گئی۔ نتیجتاً، یہ نہ صرف سیاسی غلبہ کھو بیٹھے بلکہ دیگر اقوام نے ان کے علاقوں پر حملہ کیا، مردوں کو قتل کیا اور زندہ بچنے والوں کو غلام بنا کر اپنے علاقوں میں لے گئے۔ ان کی کئی نسلیں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئیں۔[136]

بنی اسرائیل میں سے یہ حال زیادہ تر یہود کا ہوا۔ جبکہ بنی اسرائیل میں سے الگ ہونے والا گروہ جو مسیحی کہلائے ان کا حال ان سے قدرے مختلف تھا۔ بعثت نبوی ﷺ کے وقت مسیحی سیاسی طور پر دنیا کی مضبوط ترین قوم تھی۔ اس وقت دنیا میں دو عظیم سلطنتیں تھیں ایک ایران اور دوسری روم، سلطنت روم کا سرکاری مذہب مدت سے مسیحیت چلا آرہا تھا کیونکہ قسطنطین نے مسیحیت قبول کر کے اسے سرکاری مذہب قرار دے دیا اور اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے جانشینوں نے اس کی تقلید کی۔ کیونکہ مسیحیت کی تشہیر میں رومی حکومت کے سیاسی مفادات بھی پوشیدہ تھے اس لیے انہوں نے اس کے لیے بے بہا روپیہ خرچ کیا۔ عیسائی پادریوں اور راہبوں کی سرپرستی کی اور سلطنت کے حصوں اور ملحقہ علاقوں میں گرجے اور خانقاہیں قائم کیں۔[137]

تاہم، یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ مسیحیت عرب میں کب اور کیسے پھیلی۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ پہلے عرب

---

[135] سورۃ البقرۃ 47:2

[136] ابن حزم، الملل النحل، مترجم عبداللہ عمادی، المیزان کراچی، ص 207

[137] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ نصاریٰ

کے پڑوسی علاقوں میں متعارف ہوئی اور وہاں سے اس کے اثرات آہستہ آہستہ عرب میں ظاہر ہوئے۔ عرب میں اس کی اشاعت کی سست روی کی ایک وجہ عرب کی جغرافیائی صورت حال ہو سکتی ہے۔ اونچے پہاڑ اور صحرا اور بے آب و گیاہ میدان ایران، یورپ اور دیگر ایشیائی اقوام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ کیونکہ عرب باقی دنیا سے الگ تھلگ نہ تھے عرب اکثر تجارت پیشہ تھے بحیرہ عرب، بحیرہ روم اور بحیرہ احمر کے علاقوں میں وہ تجارت کی غرض سے سفر کرتے اور ان علاقوں کے مذاہب اور لوگوں سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ پاؤل کا خط جو گلیٹئین (Galatians) کے نام ہے اس میں بھی عرب کا ذکر موجود ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ارلی کرسچین کا مقالہ نگار سڈنی۔ ایچ گریفتھ (Sidney H.Griffith) کے اس خط کا ذکر کرتا ہے۔

"According to his own testimony, shortly after his conversion Paul set off to proclaim faith in Christ Arabia... city of Bosstra, the modern Busra in Syria, which became the capital of the Roman province of Arabia in A.D106, by the half of the third century Christianity was flourishing in this area". [138]

"اپنی گواہی کے مطابق، اپنے ایمان کی تبدیلی کے فوراً بعد، پاؤل عرب میں مسیح پر ایمان کی تبلیغ کے لیے روانہ ہوا... بُسترا شہر، جو موجودہ دور کے شام میں بُصریٰ کہلاتا ہے اور جو 106 عیسوی میں رومی صوبے عرب کا دارالحکومت بن گیا، تیسری صدی کے وسط تک مسیحیت اس علاقے میں ترقی کر رہی تھی۔ پال کے اپنے بیان کے مطابق تبدیلی کے بعد اس نے یسوع کے عقیدہ کا پرچار عرب میں شروع کیا۔ خیال یہ ہے کہ اس نے جنوب اور مشرقی دمشق کے لوگوں میں تبلیغ کی، جس کا مرکز شام میں بوسٹرا، موجودہ بصرہ ہے، جو 106 عیسوی میں عرب کے رومی صوبہ کا دارلخلافہ تھا۔ تیسری صدی کے نصف میں مسیحیت اس علاقہ میں پروان چڑھی۔" یہی مقالہ نگار آگے بیان کرتا ہے کہ یہ بات ایک حقیقت ہے کہ پانچویں صدی تک مسیحیت نے سینا اور خاص عرب میں ترقی پائی اور چھٹی صدی میں عرب کے وسط تک اہم مراکز پر ان کا اثر تھا۔ ارض مقدس کے چرچ St. Euthyminus کا بڑا پادری عرب تھا اور ساتویں صدی کے آخر میں کوفہ میں عرب پادری کے لیے باقاعدہ نشست تھی۔۔۔ اسی طرح عرب تاجر بہت پہلے سے مسیحیت سے واقف تھے جبکہ اسلامی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مکہ میں مسیحیوں کا قبرستان تھا اور محمد

---

[138] Encyclopedia of Early Christianity, by Everett Ferguson, p 98

(ﷺ) کے دنوں میں کعبہ میں مریم اور عیسی کی تصویریں تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ہی عرب میں مسیحیت کے پھیلاؤ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا۔

دین مسیحیت کے ماننے والے بھی عرب کے بعض علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ یہ دین جنوب کی سمت سے شام اور جزیرہ نمائے سینا سے عرب میں آیا تھا۔ لیکن اس سرزمین میں انھیں کوئی خاص ترقی نہیں ملی۔ جزیرۃ العرب کے شمال میں مسیحیت، (قبیلہ تغلب) کے درمیان (قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ (غسان) اور قبیلہ قضاعہ کے بعض لوگوں کے درمیان رائج تھی۔ قس بن ساعدہ، حنظلہ طائی اور امیہ بن صلت کو بھی مسیحیوں کے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے اجتماعی جگہوں پر جانا چھوڑ دیا تھا اور جنگلوں میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ابن خلدون کا نظریہ ہے کہ عرب میں مسیحیت کا ظہور تیسری صدی عیسوی میں ہوا۔ عام مورخین کہتے ہیں کہ یہ زمانہ ذونواس کا تھا لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا، کیونکہ وہ تقریباً چھ سو برس پیشتر گزر چکا تھا اس مذہب کا فروغ زیادہ نجران میں ہوا، اور عرب میں اس کا کچھ زیادہ رواج نہیں ہوا البتہ بنو ربیعہ، غسان اور بنو قضاعہ میں مسیحیت پھیلی ہوئی تھی۔[139]

قاضی سلمان منصوری پوری کے مطابق "عیسائیت کو تین سو تیس (۳۳۰ء) میں بنو غسان نے قبول کیا اور پھر عراق، بحرین اور صحرائے فاران اور دومتہ الجندل اور فرات و دجلہ کے دوآبہ میں پھیل گیا، اور اس دین کی اشاعت میں نجاشی اور قیصر نے باہم مل کر کوشش کی ۳۹۵ء تا ۵۱۳ء تک اس کی اشاعت پر بڑا زور دیا گیا اور یمن میں اناجیل بکثرت پھیل گئیں"۔[140]
یمن میں مسیحیت چوتھی صدی عیسوی میں داخل ہوئی عیسائی مصنف ''فلپ حتی'' لکھتا ہے۔"

Christianity of the Monophysite type began to trickle in from the north, particularly Syria, at an early date. Syrian missionaries fleeing persecution may have entered al-Yaman at times unknown to us, but the first Christian embassy to south Arabia that we read of was that sent by the Emperor Constantius in 356A.D."[141]

ابتدائی ایام میں یک فطرتی مسیحیت نے شمال کی طرف سے خاص طور پر شام سے نفوذ شروع کیا۔ ہو سکتا ہے شامی

---

[139] ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، مترجم حکیم احمد حسین الہ آبادی، ج 1، ص 32

[140] قاضی سلمان منصور پوری، رحمۃ العالمین، ج 1 ص 31

[141] Philil K. Hitti, History of the Arabs,(London) P. 71

مشنریز یمن میں اس وقت داخل ہوئے ہوں جس کا ہمیں علم نہیں، لیکن پہلا مسیحی سفیر قسطنطین نے ۳۵۶عیسوی میں عرب بھیجا۔''

نجران میں مسیحیت کا نفوذ اور عیسائیت کا پھیلاؤ: ایک تاریخی جائزہ

نجران میں مسیحیت کے نفوذ کی تاریخ مختلف واقعات اور اسباب پر مبنی ہے، جن میں زاہد فیمیون کی تبلیغ، تجارتی سرگرمیاں، اور بیرونی مشنریوں کی کوششیں نمایاں ہیں۔ نجران، جو یمن کا ایک اہم تجارتی اور زرعی مرکز تھا، اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے اثرات کی زد میں رہا۔ عیسائیت کی آمد کا آغاز مقامی روایات، بیرونی مشنریوں، اور تاجروں کی کوششوں سے ہوا، جنہوں نے نجران کے باشندوں کو اپنی تعلیمات اور کرامات سے متاثر کیا۔ اس خطے میں مسیحیت کے فروغ کے نتیجے میں سماجی، مذہبی اور سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن کا ذکر نہ صرف اسلامی اور عیسائی روایات میں موجود ہے بلکہ ان کے اثرات بعد کے ادوار تک مرتب ہوئے۔

محمد حسین ہیکل کے مطابق: کچھ مورخین نے نجران (یمن) میں مسیحیت کی آمد کا آغاز فیمیون نامی زاہد سے کیا ہے کہ اس نے اس علاقہ میں آکر اپنے زہد و عبادت سے مقامی لوگوں کو متاثر کیا یہ عام طور پر لوگوں سے چھپ کر عبادت کرتا اور اپنی پارسائی کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتا اور جب یہ لوگوں میں مشہور ہو جاتا تو یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور نکل جاتا۔ اسی طرح چلتے چلاتے یہ عربوں کے ہاتھ لگ گیا انھوں نے غلام بنا کر اہل نجران کے ہاتھ فروخت کر دیا وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ ایک بڑے درخت کی پوجا کرتے تھے اس نے اپنے مالک سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے ایک لمبی داستان سنادی، فیمیون نے کہا تم سخت غلطی پر ہو یہ کھجور کا درخت نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان، اور اگر میں اپنے پرودگار سے اس درخت کی بربادی کی بددعا کروں تو وہ ابھی اسے برباد کر دے، مالک نے کہا اچھا تو بددعا کرا گر یہ برباد ہو گیا تو ہم تیرا مذہب اختیار کر لیں گے۔ اس پر فیمیون نے بددعا کی اور درخت زمین پر ڈھیر ہو گیا اور پھر تو نجران والوں نے اس کے مذہب کی اتباع شروع کر دی۔[142]

سیرت ابن ہشام میں ہی ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے کہ فیمیون کا معتقد ایک سردار کا بیٹا عبداللہ بن الشامر عیسائی ہو گیا اور اس کی کوششوں اور کرامات سے اہل نجران عیسائی ہو گئے بعد میں ذونواس نے انھیں یہودیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اخدود کا واقعہ پیش آیا۔[143]

---

[142] Muhammad Hussain Haykal, The Life of Arabs , P. 61

[143] سیرت ابن ہشام، مترجم مولانا غلام رسول مہر، ج1، ص56-58

جس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ "قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ-النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ-اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ"۔[144]
کہ خندقوں والے ہلاک کر دیے گئے۔ یعنی آگ کی خندقین جن میں ایندھن جھونک رکھا تھا۔''

ابن ہشام کے مطابق : یمن والوں نے اس واقعہ کے بعد قیصر روم سے امداد طلب کی اس نے شاہ حبشہ کو ان کی مدد کرنے کے لیے لکھا اور اس نے اریاط کو ایک لشکر دے کر بھیجا جس نے ذونواس کو شکست دی اور یمن پر عیسائی قابض ہو گئے ابرہہ یہیں کا گورنر تھا۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ ایک انگریز مورخ تھامس رائٹ اس طرح بیان کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ٹائرین (Tyrian) فلاسفر نے اپنے دو شاگردوں ایڈیس (Aedesius) اور فرومنٹس (Frumentius) کے ساتھ حمیر (Hamyar) کا سفر کیا۔ دوران سفر تازہ خوراک لینے کے لیے وہ حمیر نامی بندرگاہ پر رکے، اس وقت عرب میں خانہ جنگی تھی۔ جزیرہ والوں نے انھیں دشمن سمجھا اور غلام بنالیا۔ استاد کی وفات کے بعد انھیں رہا کر دیا گیا اور ساتھ ہی کچھ عرصہ اپنے پاس رہنے کی درخواست کی ان دونوں نے اسے قبول کر لیا۔ ان دونوں کے زیر سایہ کچھ لوگ عیسائی ہو گئے جب یہ دونوں واپس الیگزینڈریہ (Alexandria) آئے اور اپنے سفر کی تفصیلات بیان اور ساتھ ہی لوگوں کے عیسائیت کی طرف مائل ہونے بات کی اور سفارش کی کہ حمیر کی طرف پادری اور مشنری بھیجے جائیں۔ باہمی مشاورت سے فیصلہ ہوا کہ اس آدمی کو بھیجا جائے جو وہاں کے حالات جانتا ہے اور وہاں رہ چکا ہو۔ اس لیے اسی فرومینتس (Frumentuis) کو حمیر کا بشپ بنا کر بھیج دیا گیا یہ مسیحیت کا پہلا مشن تھا، اس نے بہت سے چرچ بنوائے اور اپنی شفقت سے لوگوں کو عیسائیت کی طرف مائل کیا۔ دوسرا مشن قسطنطین (Constantius) کے دور میں تھیوفیلس (Theophilus) کی سربراہی میں بھیجا گیا جن کی تبلیغ سے حمیر کا عرب بادشاہ عیسائی ہوا اور اس نے تین چرچ ایک اپنے دارالحکومت میں، ایک عدن میں اور ایک بحیرہ عرب کی بندرگاہ ہرمس (Hormus) میں بنایا۔[145] نعمان بن منذر (بادشاہ حیرہ) نے بھی عدی بن زید کی کوششوں سے آئین مسیحیت قبول کر لیا تھا۔
عیسائیوں کا سب سے اہم مرکز یمن میں "نجران شہر'' تھا نجران ایک آباد اور پر رونق شہر تھا وہاں کے لوگوں کا مشغلہ زراعت، ریشمی کپڑوں کی بناوٹ، کھال کی تجارت اور اسلحہ سازی تھا یہ شہر تاجروں کے راستے پر تھا جو حیرہ تک پھیلا ہوا تھا۔ نجران میں مسیحیت کے نفوذ کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ یہ تاجروں کے ذریعے متعارف ہوئی اور انھیں سے متاثر ہو کر مقامی لوگ عیسائیت کی طرف مائل ہوئے ایک عیسائی مصنف ٹریمنگم) لکھتا ہے۔

---

[144] سورۃ البروج 85:4-6

[145] Thomas Wright, Early Christianity in Arabia, P. 20

Trimingham.J.S("The person credited to bringing Christianity to Najaran is a man named Hanan or Hayyan. Hannan/Hayyan was a Jajrani merchant." [146]

نجران میں مسیحیت لانے کا سہرا احسان یا حیان نامی بجرانی تاجر کے سر ہے۔''

عرب کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں عیسائیت کا وجود تاریخی شواہد سے ظاہر ہے جبکہ وسطی عرب بہت حد تک مسیحیت کے اثرات سے محفوظ تھا لیکن مسیحیت کا تعارف اور مسیحیوں کا پایا جانا بھی ثابت ہے۔ جہاں تک شمالی عرب کا تعلق ہے تو ان کا تعلق براہ راست بازنطینی حکومت سے تھا یہ علاقہ شام اور عراق تک پھیلا ہوا تھا غسانی اور لحمڈز (Lakhmids) قبائل نے مسیحیت قبول کر لی تھی۔ ظہور اسلام کے وقت طی، مذحج، سطیح، غسان اور ملحم یمن میں مسیحی قبائل تھے۔ نجران میں مسیحیت کے نفوذ نے ایک طویل عرصے تک اس علاقے کی مذہبی شناخت کو متاثر کیا، جہاں عیسائیت کی پھیلاؤ کے ساتھ مقامی لوگ اس مذہب کی تعلیمات کو اپنانے لگے۔ نجران میں عیسائیت کے مرکز بننے کے بعد اس نے یمن کے دیگر علاقوں میں بھی اپنا اثر ورسوخ قائم کیا، خاص طور پر تجارتی روابط اور مذہبی تبادلے کے ذریعے۔ تاہم، جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے نجران کی مذہبی صورتحال پر ایک نیا اثر ڈالا۔ نبی اکرم ﷺ کی تبلیغی کوششوں کے دوران نجران کے عیسائیوں کو اسلام کی حقیقت اور اس کے پیغام سے آگاہ کیا گیا۔ اسلامی تعلیمات اور آپ ﷺ کی قیادت نے نجران میں عیسائیت کی موجودگی کو چیلنج کیا، اور بالآخر نجران کے عیسائیوں نے اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ اس طرح اسلام نے نہ صرف نجران بلکہ پورے عرب میں عیسائیت کے اثرات کو اپنے زیر اثر کیا، اور اس علاقے کی مذہبی شناخت میں نیا موڑ آیا۔ اسلام کے نفوذ نے نہ صرف عیسائیت کی موجودگی کو کم کیا بلکہ ایک نیا سماجی اور سیاسی ڈھانچہ بھی تشکیل دیا۔

وسطی عرب میں مسیحیت کے عدم پھیلاؤ کی وجوہات کا تاریخی جائزہ

عرب میں مسیحیت کے نفوذ کا آغاز مختلف سیاسی، مذہبی اور ثقافتی اثرات سے ہوا، جن میں رومی حکومت کی حکمرانی، حبشہ کے عیسائی حکمرانوں کے تعلقات، اور تجارتی راستوں کی اہمیت شامل ہیں۔ خاص طور پر حیرہ اور نجران جیسے علاقوں میں مسیحیت نے فروغ پایا، جہاں رومی اسیر اور عیسائی مشنریوں کی کوششوں نے اس مذہب کی پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔ حیرہ میں عیسائیت کا آغاز رومی اسیروں کے ذریعے ہوا اور یہاں کے مقامی لوگوں میں اس مذہب کے عقائد پھیلنے لگے، جن میں کچھ اہم شخصیات جیسے ہند، نعمان پنجم کی بیوی اور کچھ عیسائی مشنری شامل تھے۔ اس کے علاوہ، حبشہ کی عیسائی حکومت نے بھی یمن اور اس

[146] Christianity among Arabs in Pre Islamic Times, P. 294

کے اطراف میں عیسائیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، جہاں پانچویں صدی عیسوی تک عیسائی حکام کا غلبہ رہا۔اس کے باوجود، عرب کے مختلف حصوں میں، خاص طور پر وسطی عرب میں، عیسائیت کا فروغ مکمل طور پر نہ ہو سکا، اور اس کی مختلف وجوہات جیسے بدویانہ طرز زندگی اور مذہبی روایات نے اس کی پزیرائی میں رکاوٹ ڈالی۔

ایک دوسرا علاقہ یہاں پر مسیحیت کو فروغ ملا وہ شہر حیرہ تھا۔یہ عرب کے شرق میں واقع تھا۔یہ مذہب رومی اسیروں کے ذریعہ اس علاقہ میں آیا تھا، حکومت ایران ہرمز کے زمانے سے ایسی جگہوں پر مسلط ہو گئی یہاں کے رہنے والے رومی اسیر تھے ان میں کچھ اسیر حیرہ میں رہتے تھے اور اپنے مذہب کی تبلیغ میں مصروف بھی تھے، عربوں کے بازاروں میں وعظ و نصیحت اور جنت و جہنم کے مسئلہ سے آگاہ کرتے تھے ان کی محنتوں اور کوششوں کے نتیجہ میں ایک گروہ اس آئین کا گرویدہ ہو گیا بلکہ ہند (نعمان پنجم کی بیوی) نے بھی یہ مذہب قبول کر لیا اور ایک معبد بنایا جو معبد ہند'' کے نام سے مشہور ہوا اور طبری کے زمانے تک باقی رہا، حنظلہ طائی، قس بن ساعدہ اور امیہ بن صلت حیرہ کے لوگوں میں سے تھے۔اس کے علاوہ عرب میں مسیحیت کی آمد کے حوالے سے مندرجہ ذیل روایات بھی ملتی ہیں کہ الیگزینڈیرین (Alexandrian) فلاسفر قریتینس (Pantaenus) جو چوتھی صدی عیسوی میں ایک مشن لے کر حیرہ کے علاقے میں گیا وہاں اس نے Gospel کا ایک نسخہ دیکھا جو ہر تھولیوں (Bartholomeu) نے چھوڑا تھا جو تبلیغ کے لیے وہاں گیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حمیر میں عیسائیت تھیو گونٹا (Theognosta) کے ذریعے پھیلی جو ایک نن (Nun) تھی جسے ڈاکوؤں نے پکڑ لیا اور اسے بطور تحفہ حمیر کے بادشاہ کو دے دیا۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ حمیر والے چھٹی صدی عیسوی میں عیسائی بنے جب قسطنطنیہ کا تھا۔ایک دوسری روایت یہ بھی موجود ہے کہ اتھوپیا کا ایک نیک آدمی ازکر (Azkir) ادھر آیا جس کی تبلیغ اور کرامات سے پانچویں صدی عیسوی کے آخر پر جنوبی عرب میں عیسائیت کو فروغ ملا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں مسیحیت کا داخلہ زیادہ تر شمالی اور جنوبی علاقوں سے ہوا اور ان علاقوں میں مسیحیت کافی مستحکم تھی اور اس کے اثرات سے وسطی عرب بھی محفوظ نہ تھا یہ الگ بات ہے کہ وہاں پر اس کو فروغ حاصل نہیں ہوا۔اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔جس میں وسطی عرب کا شدید ماحول، صحرائی علاقہ اور بدویانہ طرز زندگی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی دو وجوہات اور بھی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ اس وقت مسیحی فرقوں میں حضرت عیسی کی ذات کے بارے اتنے اختلافات اور پیچیدگیاں پائی جاتی تھیں کہ عام آدمی اور خاص طور پر عربوں کے لیے جو زیادہ تر ان پڑھ اور تجارت پیشہ تھے اس لیے یہ فلسفیانہ موشگافیاں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔اس لیے وہ مسیحیت کی طرف مائل نہیں ہوئے اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ شمال کی

طرف اکثر سفر مکہ کے تاجر اور قریش کرتے تھے ان کی رگ رگ میں بت پرستی بھی ہوئی تھی اور وہ کسی اور دین کا خیال لانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مکہ، مدینہ اور طائف میں کچھ لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی آپ ﷺ کی بعثت سے تھوڑا عرصہ پہلے چار لوگوں کا پتہ چلتا ہے جو بت پرستی سے بیزار ہو کر راہ حق کی تلاش میں ادھر اُدھر نکل گئے تھے اور ان میں سے تین لوگوں نے مسیحیت قبول کر لی۔ ان میں اسد بن عبدالعزی، عثمان بن حویرث اور ورقہ بن نوفل تھے اور زیادہ نمایاں ورقہ بن نوفل اور عثمان بن الحویرث تھے۔ ان میں عثمان بن الحویرث کے بارے میں آتا ہے کہ وہ قیصر کے پاس گیا جس نے اس کی اتنی عزت کی کہ اسے تاج پہنایا اور بطریق کا لقب دیا۔ عثمان نے قیصر کو اکسایا کہ وہ مکہ پر حملہ کرے اور اسے مکہ کا گورنر بنائے۔ اسی سلسلے میں یہ مکہ لوٹ آیا اور لوگوں کو قیصر کی اطاعت کرنے پر قائل کرنے لگا۔ مدینہ میں صرف ابو عامر کا پتہ چلتا ہے جس نے مسیحیت قبول کر لی تھی اور وہ راہب کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کا تعلق خزرج قبیلہ سے تھا اور عبداللہ بن ابی اس کا بھتیجا تھا عبد اللہ بن ابی کی سرداری جانے کا اس کو بھی دکھ ہوا۔ یہ احد میں قریش کے ساتھ ہو کر لڑا۔ اور اس نے مسجد ضرار بنوائی اور قیصر سے مدینہ پر قبضہ کرنے کے لیے امداد طلب کی۔ یہ ۹ یا ۱۰ ہجری کو قیصر کے پاس ہی مرا۔ شلبی کے مطابق طائف میں بھی کچھ لوگ دین عیسوی کے پیروکار تھے جاہلی شاعر امیہ بن ابی صلت عیسائی تھا اس کے اشعار میں جنت و دوزخ اور قصص الانبیاء کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بھی عرب میں نبی منتظر کا امیدوار تھا جب اس کے اشعار رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **آمن شعره و کفر قلبه۔**[147]

ان روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں مسیحی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعے پھیلے۔ مگر جزیرہ نما عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں مسیحیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ کیونکہ عربوں اور اہل حبشہ کے تعلقات قدیم تھے جس کا آغاز تیسری صدی عیسوی کے شروع سے ہوتا ہے اور یمن میں مسیحیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ اگر تمام روایات کو یکجا کر لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں مسیحیت آچکی تھی۔ اس وقت یہاں پر حمیری حکومت تھی۔ جس کے فرمانروا یہودی تھے اور ان کا آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ مسیحیوں اور یہودیوں کا بیر اجل سے چلا آرہا تھا ذونواس کے قتل عام (واقعہ اخدود) نے قیصر اور شاہ حبشہ کو یہودی حکومت ختم کرنے کا موقع فراہم کر دیا اور ذونواس کی شکست اور موت کے ساتھ ہی یمن سے یہودیت کا خاتمہ ہو گیا اور پورا یمن عیسائی حکومت کے تحت آگیا اور شاہ حبشہ کی طرف سے مسلسل یہاں گورنر

---

[147] عبدالجلیل شلبی، الاسلام المستشرقون، ص 17

مقرر ہوتے رہے۔ان کے زیر سایہ یہاں مسیحیت کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور باقی رہا۔اس کے بعد یمن پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ گیا، مگر ختم نہیں ہوئی۔اس سے ایک اور بات ثابت ہوتی ہے کہ مسیحیت کا فروغ صرف اور صرف سیاسی غلبہ کی بنا پر ہوا اور چند ایک لوگ ایسے تھے جو عیسائی میل ملاپ اور تجارتی تعلقات کی بنا پر مسیحیت کی طرف مائل ہوئے۔

مسیحیت کا عرب میں نفوذ مختلف سیاسی، مذہبی، اور تجارتی تعلقات کے ذریعے ہوا، خاص طور پر شمالی اور جنوبی عرب میں جہاں رومی حکمرانی اور حبشہ کی عیسائی حکومت کا اثر تھا۔ حیرہ اور نجران جیسے علاقوں میں عیسائیت نے نمایاں فروغ پایا، جہاں رومی اسیر، تجارتی تعلقات، اور حکومتی سطح پر عیسائی حکام کی موجودگی نے اس مذہب کو قوت بخشی۔ لیکن وسطی عرب میں اس مذہب کا فروغ اس لیے نہ ہو سکا کیونکہ یہاں کی بدویانہ زندگی، صحرائی ماحول، اور شدید سماجی و مذہبی روایات نے عیسائیت کو اپنی جڑیں نہ پکڑنے دیں۔ وسطی عرب، خاص طور پر مکہ، مدینہ، اور طائف میں، لوگوں کے لیے عیسائیت کا فلسفہ اور پیچیدہ عقائد سمجھنا مشکل تھا۔اس کے علاوہ، یہاں کے لوگوں کا عقیدہ بت پرستی میں جڑا ہوا تھا اور کسی دوسرے دین کو قبول کرنا ان کے لیے ایک ثقافتی اور مذہبی دھچکا تھا۔ عربوں کے لیے حضرت عیسیٰ کی ذات پر موجود اختلافات اور عیسائی فرقوں کے متنازعہ عقائد نے بھی ان کی دلچسپی کم کر دی۔اس کے ساتھ ہی مکہ کے تجارتی راستے اور قریش کے ثقافتی اثرات نے عیسائیت کی پذیرائی میں رکاوٹ ڈالی۔ اس کے باوجود، کچھ افراد نے عیسائیت کو اختیار کیا، جیسے ورقہ بن نوفل اور عثمان بن الحویرث، جو مکہ اور مدینہ کے علاقوں میں عیسائیت کے پیروکار تھے۔ تاہم، ان تمام عوامل کے باوجود، وسطی عرب میں عیسائیت کو اتنا فروغ نہ مل سکا جتنا شمالی اور جنوبی عرب میں ہوا۔

مسیحیوں کا رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر رد عمل اور مسلمانوں کے ساتھ ابتدائی تعلقات:

جب نبی اکرم ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا، اس وقت دین عیسوی کے پیروکاروں نے نہ صرف یہ کہ وحی کے بارے میں خفگی یا ناراضی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ ابتدائی طور پر ان میں سے بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم بھی کیا۔ قرآن میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی تعلیمات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور انہیں اللہ کا کلمہ اور روح قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانوں نے مسیحیوں کو دیگر اقوام کے مقابلے میں زیادہ قریب اور مہربان پایا۔ اسی طرح قرآن میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر اللہ کی طرف سے انجیل نازل کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسیحیوں کو دوسرے ادیان کی نسبت مہربان پایا۔ قرآن خود تسلیم کرتا ہے کہ عیسیٰ کلام اللہ تھے روح اللہ تھے، وہ صحیح تھے، خدا کے رسول تھے۔ اور ان کی پیدائش ایک عزت مآب کنواری کے بطن سے ہوئی، ان کا کوئی باپ نہیں تھا وہ اللہ کا ایک معجزہ تھے جو اس کی قدرت مطلقہ کا اظہار تھا۔ یہ کسی بھی دوسرے مذہب نے مسیحیوں

کے بارے میں تسلیم نہیں کیا۔ قرآن یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰؑ پر کتاب انجیل نازل کی۔ ابتداء میں مسلمان، عیسائیوں کو یہودیوں اور مشرکین کی نسبت اپنے زیادہ قریب سمجھتے تھے اور اللہ تعالی نے قرآن میں مسیحیوں کے بارے میں فرمایا

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔[148]

''اے پیغمبر تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور یہ تکبر نہیں کرتے۔''

بعض مسیحیوں نے خفیہ اور بعض نے اعلانیہ آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کیا شاید اس کی وجہ انجیل کی وہ عبارات تھیں جن میں آخری نبی کی علامات اور نشانیاں بتائی گئیں تھیں۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے تو یہود کے احبار اور نصاریٰ کے راہب اور عربوں کے کاہن آپ ﷺ کے متعلق حالات کی خبر دیا کرتے تھے۔ احبار اور راہبوں کے علم کا ذریعہ تو وہ تھا جو انھوں نے اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفت اور آپ ﷺ کے زمانے کی صفت کے متعلق پایا تھا اور ان کے انبیاء نے آپ ﷺ کے متعلق ان سے عہد لیا تھا۔ اور وہ سب آپ ﷺ کی ذات میں موجود تھیں جن کا اظہار صرف اعلان نبوت ہی سے نہیں ہوا بلکہ وہ علامات و نشانیاں آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے ساتھ ہی نمودار ہو ناشروع ہو گئی تھیں۔ سفر شام میں بحیرا راہب کی تصدیق کہ اس لڑکے کی بڑی شان ہو گی صرف بحیرا ہی نہیں بلکہ اسی سفر میں ابن ہشام کے مطابق زرّیر، تمّام اور دُریس نے بھی جو اہل کتاب میں سے تھے آپ ﷺ کو اسی نظر سے دیکھا اور آپ ﷺ کو ضرر بھی پہچانا چاہا لیکن بحیرا نے باز رکھا اور وہ سب باتیں یاد دلائیں جو ان کی اپنی کتاب میں موجود تھیں اور کہا اگر تم چاہو بھی تو اس تک نہ پہنچ سکو گے سب نے اس کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کو چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔

جبکہ محمد بن عبد الوہاب نے ایک دوسرا واقعہ بھی بیان کیا ہے جب آپ ﷺ حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر شام گئے اور مقام بصری میں آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو نسطورا راہب نے کہا یہ نبی ہے کیونکہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی دوسرا شخص کبھی نہیں بیٹھا۔ ابن ہشام نے بھی اس سفر میں ایک راہب سے ملاقات کا ذکر کیا ہے گو اس کا نام ذکر نہیں کیا مگر الفاظ وہی ہیں جو اوپر ذکر ہوئے۔ جب غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو ورقہ بن

---

[148] سورۃ المائدہ 82:5

نوفل کے پاس لے گئیں ورقہ نے دین نصرانی اختیار کر رکھا تھا الہامی کتابیں پڑھیں ہوئی تھیں اور تورات و انجیل کی باتیں سن رکھیں تھیں جب حضرت خدیجہؓ نے ورقہ سے وہ واقعات بیان فرمائے جو حضور ﷺ نے بیان کیے تھے تو ورقہ نے کہا، اے خدیجہ اگر تو نے مجھ سے سچ کہا تو یہ ناموس اکبر، جو موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا وہ ان کے پاس آ پہنچا اور بے شک وہ اس امت کے نبی ہیں۔ گویا نزول وحی کے بعد یہ سب سے پہلی تصدیق ہے اور وہ بھی ایک مسیحی عالم کی زبانی جو اپنی مقدس کتاب کا عالم تھا۔ دوسری تصدیق نجاشی شاہ حبشہ کی ہے جب مسلمان قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم حبشہ کی طرف نکل جاؤ کیونکہ حبشہ میں ایک ایسا بادشاہ ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (بحوالہ ابن ہشام) اس فرمان نبوی ﷺ کے مطابق مسلمان حبشہ جا کر امن و سکون کی زندگی گزارنے لگے مگر قریش کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی اور ان مظلوم مسلمانوں کو لینے کے لیے شاہ حبشہ کے پاس حاضر ہوئے اور مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن نجاشی نے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور جب سفراء قریش نے نجاشی سے پھر التجا کی کہ یہ آپ کے دین کے بھی خلاف ہیں اور عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بارے میں وہ عقیدہ نہیں رکھتے جو تم رکھتے ہو تو نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ طلب کیا اور اس بارے میں استفسار کیا تو حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا جس سے خود نجاشی اور اس کے درباری رو پڑے اور نجاشی نے کہا: واللہ بے شک یہ چیز اور وہ چیز جو عیسیٰؑ لائے تھے ایک ہی طاق سے نکلی ہوئی روشنی ہے میں انھیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور جب سفراء قریش کے کہنے پر نجاشی نے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ کی ابنیت کے بارے میں سوال کیا تو حضرت جعفر نے کہا کہ عیسیٰؑ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم کی جانب ڈال دیا۔ نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا: واللہ جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق اس وقت تقریباً ہر اس مسیحی نے کی جس کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی۔ جب آپ ﷺ اہم سفر طائف سے واپس آ رہے تھے اور آپ ﷺ نے عقبہ اور شیبہ کے باغ میں پناہ لی تو بقول ابن اسحاق انھوں نے اپنے غلام عداس کو انگور کا ایک خوشہ دے کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے پہلے بسم اللہ کہا اور پھر انگور کھائے تو وہ حیران ہوا اور آپ ﷺ کے متعلق دریافت کرنے لگا جب آپ ﷺ بتایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو وہ جھکا اور آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا، عتبہ اور شیبہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اسے برا بھلا کہنے لگے تو عداس کہنے لگا میرے آقا روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں اس نے مجھے وہ بات بتائی ہے جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مسلمانوں اور مسیحیوں کے تعلقات اتنے خوشگوار تھے کہ ان ایام میں ان کے درمیان کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا بلکہ مسیحیوں کا دکھ مسلمان اپنا دکھ سمجھتے تھے اور ان کے ہر دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ جس کی واضح مثال مہاجرین

حبشہ کی شاہ حبشہ کی اس وقت مدد کے لیے تیار ہونا اور حضرت زبیر بن عوامؓ کا دریائے نیل عبور کر کے میدان جنگ میں پہنچنا اور باقی مسلمانوں کا نجاشی کی فتحیابی کے لیے دعا کرنا جب اس کے خلاف بغاوت ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا بعض منصف مزاج مسیحیوں نے مثبت جواب دیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے جس میں خود نجاشی اور اس کے رفقاء کار تھے نجاشی نے ایک وفد تیار کیا جو بیس تیس علماء وزعماء پر مشتمل تھا مکہ روانہ کیا۔ انھوں نے مکہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست، آپ ﷺ کے عادات واطوار کا جائزہ لیا اور حاضر خدمت ہوئے۔ سوال وجواب کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کی چند آیات تلاوت کیں۔ وفد کے ارکان آیات سن کر رونے لگے انھوں نے قرآن کی تصدیق اور رسول اللہ ﷺ کو سچا نبی ماننے کا اعلان کیا۔

جب ایرانیوں اور رومیوں کی آپس میں جنگ جاری تھی ایرانیوں کی مسلسل فتح سے مسیحی تو مسیحی مسلمان بھی پریشان تھے اور مسیحیوں کی کامیابی کی دعائیں بھی کرتے تھے مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالی نے قرآن نازل کیا۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ "[149] اہل روم غالب ہو گئے، قریب کے ملک میں۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔"

مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات ابتدا میں خوشگوار تھے اور دونوں کے درمیان احترام اور محبت کا رشتہ تھا۔ یہ تعلقات اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور دین اسلام کی آمد کے بعد بھی، عیسائیوں نے ان کے پیغام کی قدردانی کی اور کئی اہم شخصیات نے اس کی تصدیق کی۔ نہ صرف مسیحیوں کے عالم وراہبوں نے، بلکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے بھی مسلمانوں کو اپنے ملک میں پذیرائی دی اور آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کیا اور بعد ازاں اسلام قبول کیا۔ مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان یہ تعلقات ایک مثال بنے کہ جب دو مختلف مذہبی اقوام آپس میں باہمی احترام کے ساتھ زندگی گزاریں تو وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اور اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ اسلام اور مسیحیت کے درمیان ابتدائی روابط تناؤ سے پاک اور ہم آہنگ رہے ہیں۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور قیصر روم ہرقل کی اسلام سے متعلق تحقیقات اور طرز عمل

آپ ﷺ کے دور میں دوسرا واقعہ نجاشی کا اسلام اور آپ ﷺ کے بارے میں مہاجرین حبشہ سے تحقیق و مطالعہ ہے۔ جب قریش کی سفارت مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے نجاشی کے دربار میں پہنچی تو اس نے تحقیق حال کے لیے مسلمانوں کو طلب کیا تو حضرت جعفر نے فرمایا: اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے اور مردار کھاتے تھے۔۔۔ ان حالات

---

[149] سورۃ الروم 30:2-3

میں اللہ نے ہماری طرف ایک شخص بھیجا جس کے نسب، سچائی اور امانت اور پاک دامنی کو ہم سب جانتے ہیں اس نے ہمیں اللہ کی جانب دعوت دی کہ ہم اسے یکتا مانیں، اس کی عبادت کریں، بتوں اور پتھروں کی پوجا چھوڑ دیں۔ (بحوالہ ابن ہشام) اس تعارف پر نجاشی کی تسلی نہیں ہوتی وہ اس کلام کو سننا چاہتا ہے جو اس نبی ﷺ پر نازل ہوا۔ بقول حضرت ام سلمہ: نجاشی نے کہا کہ اس رسول ﷺ پر جو کچھ نازل ہوا کیا اس میں سے کچھ تمھارے پاس ہے وہ پڑھ کر سناؤ، تو حضرت جعفر سورہ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سناتے ہیں جس سے نجاشی اور اس کے درباری علماء رو پڑے، اور یہ الفاظ کہے کہ یہ اور وہ جو عیسیٰؑ لائے وہ ایک ہی چیز ہے۔ اسلام کے بارے میں یہ مطالعہ گویا فرد واحد نے نہیں کیا بلکہ مسیحی علماء کے ایک پینل نے کیا اور کسی نے ان آیات کو رد نہیں کیا۔ ان درباری علماء کی مزید تسلی کے لیے نجاشی ایک وفد تشکیل دیتے ہیں کہ وہ بنفس نفیس مکہ میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے ملیں اور آپ ﷺ کے حالات کا جائزہ لیں، آپ ﷺ سے گفتگو کریں اور تحقیق حال کے بعد قبول یا رد کا فیصلہ کریں۔ مکہ میں باہر سے آنے والا یہ پہلا وفد تھا، نصاریٰ کا یہ وفد بیس افراد پر مشتمل تھا جو رسول خدا ﷺ سے مسجد الحرام میں ملاقات سے مشرف ہوا۔ باہمی گفتگو کا آغاز ہوا، جب سلسلہ گفتگو اختتام پذیر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں اور انھیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کی۔ اور جب یہ وفد ملاقات کے بعد جانے لگا تو ابو جہل ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ تم کیسے نادان ہو، تمہاری قوم نے تمہیں اس مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ وہاں جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کرو اور اس کا جائزہ لو اور تم نے فوراً بے خوف و خطر اپنے دین و آئین کو ترک کر دیا اور محمد ﷺ کی دعوت پر کاربند ہو گئے، نصاریٰ کے نمائندوں نے کہا ہم تمہارے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے کی غرض سے تو نہیں آئے۔ تم اپنا دین اپنے پاس رکھو اور ہمیں ہمارے آئین و مسلک پر رہنے دو۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۔ وَاِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ"۔[150]

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور جب قرآن ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لے آئے بے شک یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے اور ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں۔"

صلح حدیبہ کے بعد آپ ﷺ ہم نے مختلف فرمانرواں کو دعوتی خطوط ارسال کیے۔ ہمارے اس موضوع کے حوالے سے دو خطوط بہت اہم ہیں جن میں سے ایک خط شاہ حبشہ نجاشی کو لکھا گیا اور دوسرا قیصر روم ہرقل کو لکھا گیا۔ مسیحی مطالعہ اسلام

---

[150] سورۃ القصص 28:52-55

کے حوالے سے ان کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ ان دونوں کے پاس بے لاگ تحقیق کے سارے ذرائع موجود تھے جس کا انھوں نے بھرپور استعمال بھی کیا یہ دونوں آزاد اور طاقتور حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ مذہب مسیحیت کا وسیع مطالعہ بھی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے دربار میں ہر وقت احبار و رہبان کا ایک جم غفیر بھی موجود رہتا تھا اور ان پر کسی قسم کا بیرونی دباؤ بھی نہیں تھا۔ نجاشی کے مطالعہ اسلام کا کچھ ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے لیکن روایات کے مطابق ابھی تک وہ مشرف بااسلام نہیں ہوا تھا اور غالب گمان یہی ہے کہ ۵ نبوی سے ۶ ہجری تک وہ کسی نہ کسی طرح مطالعہ اسلام میں مصروف رہا ہو جس کا ایک ذریعہ تو وہ مسلمان تھے جو اس کے ملک میں موجود تھے اور دوسرا عرب تاجر جو اس کے ملک میں تجارت کی غرض سے سفر کرتے تھے پھر اس نے خود بھی ایک وفد بھیج کر اسلام اور آپ ﷺ کے بارے میں تحقیق کر لی تھی ذیل میں اس خط کا ذکر کیا جائے گا جو آپ ﷺ نے نجاشی کے نام لکھا۔ ۶ ہجری میں حضور ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو حبشہ کے فرمانروا کی طرف خط دے کر روانہ کیا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی یہ اصل خط دریافت ہو چکا ہے جس کی بحث ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب ''رسول اللہ کی سیاسی زندگی'' میں ہے خط کا اصل متن موجود ہے۔ اس خط کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے۔

سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسی ابن مریم، روح اللہ اور کلمہ تھے جو اللہ نے مریم پاکیزہ کی طرف القا کیا، میں تمہیں اللہ وحدہ کی طرف اور اس کی اطاعت پر بلاتا ہوں اور تم میری پیروی کرو۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی کی طرف بلاتا ہوں۔

ملک النجاشی نے حضور ﷺ کا نامہ مبارک وصول کر کے آنکھوں سے لگایا اور از راہ احترام اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر وہ ایمان لے آیا اور حق کی شہادت دی اور کہا اگر مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی استطاعت ہوتی تو ضرور قدم بوس ہوتا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا جواب لکھا جس میں حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی اور جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ نجاشی نے آپ ﷺ کے خط کا یہ جواب دیا۔

" الی محمد رسول الله من النجاشي سلام عليک يا نبی الله و رحمة الله و بركاته و- قد با يعتک و با يعت ابن عمک و اسلمت علی يديه الله رب العالمين و قد بعثت اليک بابنی و ان شئت آن آتيک فعلت يا رسول الله فاني اشهد ان ما تقول حق و السلام عليک و رحمة الله و بركاته''[151]

''محمد رسول اللہ کے نام نجاشی کی طرف سے، اے نبی اللہ آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکات ہوں اس اللہ کی

[151] ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ، ص 465

جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے امابعد: اے رسول اللہ آپ کا خط میرے پاس پہنچا آپ نے جو عیسی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ آسمان اور زمین کے رب کی قسم عیسی علیہ السلام نے بھی اس پر ذرہ بھر زیادہ نہیں کیا اور وہ ایسے ہی ہیں جو آپ نے فرمایا آپ نے جو دعوت بھیجی ہے اسے ہم نے جان لیا۔ آپ کے چچازاد بھائی اور ان کے ساتھی آئے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچازاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی اللہ رب العالمین کے واسطے، میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں اور آپ حکم دیں تو میں خود بھی حاضر ہو سکتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں سچ ہے آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں"۔ حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ جب نجاشی کے انتقال کی خبر آئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اظہار رنج وحزن کیا اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔

دوسرا خط آپ ﷺ نے مسیحی بادشاہ ہرقل کو لکھا جسے حضرت دحیہ کلبی لے کر گئے ان دنوں قیصر بیت المقدس آیا ہوا تھا جب اسے خط ملا تو اس نے کہا کہ عرب کا جو شخص بھی ملے اسے لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجار عرب کے ساتھ ایلیاء میں موجود تھا قیصر نے بڑے اہتمام سے دربار منعقد کیا اور اس کے ارد گرد عظماء روم تھے پھر اس نے اہل عرب کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا تم میں سے اس شخص کا رشتہ دار کون ہے؟ جو نبوت کا دعویدار ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں، ہرقل نے کہا اس شخص کو میرے اور قریب بٹھاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس پیٹھ کے پیچھے بٹھا دیا گیا اور ان سے کہا میں اس شخص (ابوسفیان) سے اس مدعی نبوت کے متعلق سوالات کروں گا اگر یہ شخص جھوٹ بولے تو واضح کر دینا، پھر اس نے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ قیصر نے پوچھا اس کا خاندان کیسا ہے، ابوسفیان شریف ہے، کیا اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعوی کیا تھا، نہیں، اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے، نہیں، اس کا مذہب قبول کرنے والے کمزور ہیں یا مالدار، کمزور، اور اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں، بڑھ رہے ہیں، کبھی اس سے جھوٹ کا تجربہ ہوا، نہیں، وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو، وغیرہ وغیرہ، پھر قیصر نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر کہا تم نے اسے شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا اس کے خاندان سے کسی نے نبوت کا دعوی نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی اثر ہے، تم نے کہا اس کے خاندان سے کوئی بادشاہ نہیں گزرا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اسے بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو بندوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم نے کہا اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچا مذہب اسی طرح پھیلتا ہے۔۔۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقوی و پاکدامنی کا حکم دیتا ہے اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہو گا اگر میں وہاں جا سکتا تو اس کے پاؤں دھوتا، پھر اس نے خط پڑھنے کا حکم دیا۔ اس خط کا

مفہوم اس طرح ہے۔ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے ھرقل قیصر روم کی طرف۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لا سلامت رہے گا اور خدا تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تجھ پر ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کی آیت يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ ۔۔۔الخ[152]

قیصر نے نبی ﷺ کا خط پڑھا اور روم کے بڑے بڑے امراء، علماء اور مشائخ جو اس کے ساتھ تھے ان سے مخاطب ہو کر فریایا: ''اے اہل روم کیا تم رشد و فلاح چاہتے ہو تا کہ تمھارا ملک تمھارے لیے باقی رہے اور تم اس کی پیروی کرتے رہو جو عیسی بن مریم نے کہا؟ رومیوں نے کہا جہاں پناہ، وہ کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا کیا تم اس نبی عربی کی پیروی کرو گے؟ اس پر سب وحشی گدھوں کی طرح بلک گئے اور رینگنے لگے اور انھوں نے صلیبیں بلند کر لیں جب ہرقل نے یہ حالت دیکھی تو ان کے اسلام لانے سے مایوس ہو گیا اور اسے ان کے سامنے اپنی جان اور اپنی سلطنت خطرے میں دکھائی دی، اس لیے اسلام سے محروم رہا۔[153]

تاریخ طبری میں ہے کہ خط پڑھنے کے بعد قیصر اپنے احبار و رحبان سے یوں مخاطب ہوا۔ اے اہل روم میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں بتانا تمہارا کیا ارادہ ہے، انھوں نے کہا وہ کیا بات ہے۔ قیصر نے کہا تم جانتے ہو یہ اللہ - کے نبی ہیں جس کی صفات ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں۔ اس کی پیروی کر لو دنیا اور آخرت مل جائے گی۔ انھوں نے کہا عرب ہمارے ماتحت ہیں ہم ان سے بہتر اور کثیر ہیں اور ہمارا ملک ان سے بہتر ہے۔ پھر قیصر نے جزیہ کا کہا، لوگوں نے پھر وہی جواب دیا۔ پھر قیصر نے ارض شام دینے کی بات کی تو لوگوں نے اسے بھی رد کر دیا۔ قیصر نے کہا اللہ کی قسم تم دیکھو گے کہ وہ تمہارے شہروں پر قابض ہو گا۔ اس نے ارض شام کو خیر باد کہا اور قسطنطنیہ میں داخل ہو گیا۔[154]

دعوت نبوی ﷺ پر اہل نجران کا ردعمل اور مسیحی مطالعہ اسلام کا آغاز:

مسیحی مطالعہ اسلام کا آغاز تو حضور ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی ہو گیا تھا مسیحی مطالعہ اسلام کا یہ دور اول ہے جو ساتویں صدی عیسوی تک چلتا ہے اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ مسیحی علماء اس دور میں حضور ﷺ اور اسلام کا مطالعہ معلومات کے حصول اور جانکاری کے لیے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں جن میں سب سے بڑی وجہ مسیحیوں کی کتاب مقدس میں آنے والے نبی کی واضح نشانیاں پیشگوئیاں اور وہ معلومات ہیں جو آخری نبی کے بارے میں ان کو حاصل تھیں اور مسیحی اپنی کتاب مقدس کی روشنی میں آپ ﷺ کی ذات، اخلاق اور تعلیمات کا مشاہدہ کرتے تھے جو انجیل یوحنا میں مسلسل

---

[152] صحیح البخاری، رقم الحدیث 1181

[153] ابن سعد، طبقات، ج2، ص30

[154] تاریخ طبری، ج2 ص651

باب ۱۴ سے ۱۶ تک منقول ہوئیں ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ لیکن جب وہ مدد گار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا"۔[155] لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مدد گار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا"۔[156]

اگر ہم تاریخی واقعات پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے ہی مسیحی پادری اور راہب آپ ﷺ میں وہ آثار و علامات دیکھتے تھے جو ان کی کتب کے مطابق آخری نبی میں ہوں گی۔ جیسا کہ بحیرہ اور نسطورا راہب کے واقعات سے ظاہر ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اسے مسیحی مطالعہ اسلام کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔ اہل مکہ اکثر تجارت پیشہ تھے ان کے ذریعے بیرونی ممالک میں آپ ﷺ کا تعارف ہو چکا تھا کہ مکہ میں ایک شخص نے نبی ہونے کا دعوی کیا ہے مسیحی پہلے ہی سے آنے والے نبی کے منتظر تھے آپ ﷺ کا ظہور چونکہ مکہ میں ہوا تھا اور مکہ میں مسیحی تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے اور جن کا ذکر ملتا ہے وہ بھی صاحب علم نہ تھے سوائے ورقہ بن نوفل کے، پھر جب آپ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوتا ہے اور حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو ان کے پاس لے جاتی ہیں جو نہ صرف مسیحی تھے، بلکہ ان کا شمار ماہر مسیحی علماء میں ہوتا تھا اور وہ اس وقت کافی بوڑھے ہو چکے تھے حالات سن کر اور اس کا جائزہ لے کر وہ کہتے ہیں، کہ یہ قدوس، قدوس پاک ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے اے خدیجہ اگر تو نے سچ کہا تو یہ وہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا وہ اس کے پاس آ پہنچا، بے شک وہ اس امت کا نبی ہے تم ان سے کہ دو کہ ثابت قدمی اختیار کریں (بحوالہ ابن ہشام)۔

بعثت نبوی ﷺ کے بعد یہ مسیحیت کے مطالعہ اسلام کا آغاز ہے۔ ورقہ بن نوفل نے اپنی مذہبی معلومات کی روشنی میں آپ ﷺ اور وحی کا جائزہ لیا اور اس مطالعہ میں اس نے وہ اہم اور بنیادی پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا کہ خدا کی وحی صرف پیغمبر پر جبریل کے ذریعے ہی سے آتی ہے اور دوسرا یہ کہ جس نبی کا ظہور ہونے والا تھا اور جس کے وہ منتظر تھے وہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ مسیحی مطالعہ اسلام کا سلسلہ اس دور میں برابر جاری رہا عرب اور بیرون عرب سے مسیحی وفود حجاز مقدس میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق تحقیقات کرتے رہے اور جنھوں نے تعصب کی عینک اتار کر تعلیمات اسلام پر غور کیا رشد و ہدایت ان کا مقدر بنی اور جن کے دامن گیر دنیاوی لالچ رہا وہ اس نعمت خداوندی سے محروم رہے۔ 9ھ میں سب سے اہم اور اعلی تحقیق جو سامنے آتی ہے وہ وفد

---

[155] کتاب یوحنا 26:15

[156] کتاب یوحنا 4:14

نجران کی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو دعوتی خط لکھا اور اس کی تحقیق کے لیے اہل نجران کا ایک وفد مدینہ حاضر ہوا، ابن سعد کے مطابق ان کی تعداد چودہ تھی (۸۱)۔ جبکہ ابن ہشام کے مطابق یہ ساٹھ آدمیوں کا وفد تھا (۸۲)۔ ان میں تین آدمی ان کے سربراہ اور تمام معاملات کے منتظم تھے، جن میں سے "عاقب" یہ اس وفد کا امیر و مشیر تھا انھیں کی رائے پر وہ عمل کرتے تھے۔ ابن ہشام نے اس کا نام عبدالمسیح ذکر کیا ہے۔ دوسرا "السید" جوان کی دیکھ بھال اور ان کے سفروں اور اجتماعات کا منتظم تھا اور تیسرا "ابو حارثہ بن علقمہ" تھا جو ان کا دینی پیشوا، ماہر عالم، امام اور ان کی درسگاہوں کا افسر تھا اور مذہبی تعلیم دیا کرتا تھا مسیحی بادشاہوں نے اسے بڑا مقام و مرتبہ دے رکھا تھا۔[157] تفسیر قرطبیؒ (ص۱۵۹) میں ابن عباسؓ سے روایت ہے: **قال ابن عباس هم اهل نجران ، السيد ، والعاقب و ابن الحارث رونساهم** "ابن عباس نے فرمایا: اہل نجران کے رؤساء میں سید، عاقب اور ابن حارث شامل تھے۔" تمام لوگ اس دعوتی خط کے کے جواب میں تحقیق کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے اہل یہ نجران کی طرف بھیجا تھا امام حاکم کے مطابق وہ خط یہ تھا۔ **اما بعد فاني ادعوكم الى عبادة الله من عبادة العباد و ادعوكم الى ولاية الله من الايته العباد فان ابيتم فالجزية فان ابيتم فقد اذنتكم بحرب و السلام**۔[158] میں تمھیں بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور بندوں کی دوستی ترک کر کے اللہ کی دوستی کی طرف بلاتا ہوں، اگر تم یہ نہیں مانتے تو جزیہ ادا کرو اور اگر یہ بھی نہیں مانتے تو پھر تمہارے خلاف جنگ ہے۔" جب یہ خط لاٹ پادری (اسقف) نے پڑھی، تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا اور مارے خوف کے بے حال ہو گیا اس نے یہ چٹھی نجران کے ایک آدمی کے پاس بھیجی جس کا نام شرجیل بن دواعہ تھا اور ہمدان کا رہنے والا تھا جب وہ چٹھی پڑھ چکا تو اسقف نے اس سے پوچھا، اے ابن مریم اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اس نے کہا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ابراہیم سے اسماعیل کی اولاد میں ایک نبی بھیجنے کا وعدہ کیا ہے اگر کوئی دنیا کا معاملہ ہوتا تو میں آپ کو سوچ سمجھ کر مشورہ دیتا۔ اسقف نے کہا ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر دوسرے آدمی کو بلایا جس کا نام عبداللہ بن شرجیل تھا اس نے بھی یہی کہا، پھر تیسرے آدمی کو بلایا جس کا نام جبار بن فیض تھا اس نے بھی وہی کہا جو پہلے دو کہہ چکے تھے، اس کے بعد اس نے گھڑیال بجانے اور گرجوں پر جھنڈے لہرانے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی چٹھی پڑھ کر سنائی تو سب نے اتفاق کیا کہ شرجیل بن وداعہ، عبداللہ بن شرجیل اور جبار بن فیض کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا جائے پھر یہ تینوں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت عیسیٰؑ کے

---

[157] ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ ج ۱، ص 654

[158] مستدرک حاکم،، ج 2، ص 382

بارے میں سوالات کیے ان سوالات کے جواب میں سورہ آل عمران کی آیات نازل ہوئیں۔ تفسیر ابن کثیر میں اس گفتگو کا ذکر اس طرح ہے، نصاریٰ نے کہا: وہ اللہ ہے کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے کوڑھی اور اندھے کو ٹھیک کرتا ہے، غیب کی خبریں بتاتا ہے، مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں روح ڈالتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا تھا تاکہ لوگوں کے لیے نشانیاں ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا اسلام قبول کر لو، انھوں نے کہا ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں، آپ ﷺ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو تم خدا کے لیے بیٹا اور صلیب کی پوجا اور خنزیر کھاتے ہو، انھوں نے کہا اس کا باپ کون ہے آپ ﷺ خاموش رہے تو اللہ نے یہ آیات نازل کیں۔ "إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ "[159] عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے پہلے ان کو مٹی سے بنایا پھر فرمایا کہ باشعور انسان ہو جا تو وہ ویسے ہی ہو گئے۔ "امام قرطبیؒ نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **و نزلت هذه الآية بسبب وفد نجران حين انكروا على النبي سلام قوله ان عيسى عبد الله و كلمته ، ... فقال : من ا بو عيسى ؟ فانزل الله تعالى ان مثل عيسى عند الله كمثل آدم)** جب وفد نجران نے نبی ﷺ کے قول کہ عیسی اللہ کے بندے اور کلمہ ہیں کا انکار کیا اور کہا کہ ہمیں کوئی ایسا بندہ دکھاؤ جو بغیر باپ کے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آدم، اس کا باپ کون ہے؟ تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ عیسی کا باپ نہیں، جبکہ آدم کا نہ باپ اور نہ ہی ماں ہے۔ جب انھیں اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ تمہیں اسلام سے تین چیزوں نے منع کر رکھا ہے۔ تم نے اللہ کے لیے بیٹا بنالیا، خنزیر کھاتے ہو اور صلیب کو سجدہ کرتے ہو۔ پھر انھوں نے کہا: عیسیٰؑ کا باپ کون ہے تو اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں **(ان مثل عند الله كمثل آدم)**"۔ اس ساری گفتگو کے بعد جب وفد نجران کے سربراہ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآنی تشریحات کو ماننے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق انھیں مباہلہ کی دعوت دی نہ صرف دعوت دی بلکہ آپ اپنے اہل کے ساتھ اس کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ قرآن میں ہے۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔[160]

"پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تجھ سے جھگڑا کریں اس کے بعد کہ تم کو حقیقت معلوم ہو ہی چلی ہے ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق

---

[159] سورۃ آل عمران 59:3

[160] سورۃ آل عمران 61:3

اللہ سے دعااور التجا کریں اس طرح جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔''

ان آیات کی تفسیر میں امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ یہ آیات نبوت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جب انھیں مباہلہ کے لیے بلایا گیا تو انھوں نے انکار کیا اور جزیہ دینے کے لیے راضی ہو گئے کیونکہ ان کے بڑے عاقب نے جان لیا کہ وہ آگ کی وادی کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نجران کا ایک وفد نبی ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ (ﷺ) کی عیسیٰؑ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ روح اللہ، کلمۃ اللہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس وفد نے کہا کیا آپ ہمارے ساتھ مباہلہ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ایسے نہ تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہی چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، جیسے تمہاری مرضی پھر آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور اپنے بیٹوں حسن اور حسین کو ساتھ لے جانے کے لیے جمع کیا۔ ان کے ایک سردار نے کہا کہ اس آدمی سے مباہلہ مت کرو۔ اللہ کی قسم: اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا کوئی بھی مضبوط سے مضبوط آدمی بھی نہیں بچے گا۔ پھر وہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ابوالقاسم ہمارے کچھ بیوقوف آدمیوں نے آپ سے مباہلہ کا ارادہ کیا تھا ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے انہیں معاف کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: عذاب نے اہل نجران کو گھیر لیا تھا''۔(۹۴) نجران کا علاقہ مسیحیت کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے مسیحی مشائخ ان کے پاس موجود تھے۔ اس لیے جب نبی ﷺ کا دعوتی خط ملا تو انھیں ایک نجات دہندہ کا انتظار تو پہلے ہی سے تھا۔ انھوں نے تحقیق حال کے لیے اپنے برگزیدہ اور چیدہ چیدہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ جنھوں نے تحقیق کے بعد اس بات کو مان لیا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہدایت ان کے مقدر میں نہ تھی۔ اس دور میں مسیحیوں کو اسلام سے کوئی خاص پریشانی اور سروکار نہیں تھا۔ بلکہ یہ محض معلومات کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کا مطالعہ کرنے لیے مشرق و مغرب سے گروہی اور انفرادی شکل میں اس نئے دین اور رسول ﷺ کی شناخت کے لیے مدینہ آتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد تحقیق بھی پورا ہو جاتا تھا اور ان میں سے کچھ اسلام کو قبول کرتے اور کچھ واپس اپنے ملکوں اور علاقوں میں جا کر لوگوں کو اس نئے دین کے بارے میں آگاہ کرتے تھے۔ اس دور میں اسلام، قرآن اور پیغمبر ﷺ پر کوئی تنقیدی حملے کا اظہار نہیں ہوا صرف معلومات اور جانکاری تک ہی محدود رہا۔ یہ مسیحیوں کی طرف سے بے لاگ تحقیق تھی۔ دراصل اس دور کی مسیحی تحقیق وہ تحقیق تھی جو تحقیق کہلانے کی مستحق ہے کیونکہ یہ تعصب اور شخصی مفادات سے بالاتر تھی اس دور کا مسیحی مطالعہ اسلام مفروضوں اور سنے سنائے قصوں اور افسانوں پر مشتمل نہ تھا بلکہ جو مسیحی عالم اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات اور تعلیمات کے بارے میں سنتا وہ یا تو خود چل کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا یا تحقیق حال کے لیے وفد روانہ کرتا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکتا تو اپنے ملک میں موجود ان لوگوں خاص طور مکہ اور مدینہ کے باشندوں سے اس نئے نبی اور نئے دین کے بارے میں گفتگو کرتا۔ اس لیے

اس دور کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مطالعہ اسلام کرنے والے اکثر عیسائی مسلمان ہوئے اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں بھی کیا انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال کیے۔ طعن و تشنیع اور بہتان طرازی سے احتراز کیا۔ اس دور میں اسلام اور مسیحیت میں جو اکادکا جنگی واقعات پیش آئے وہ مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھے اور دونوں طرف سے ان کا مقصد سرحدات کی حفاظت اور ان کو ایک دوسرے کے اثرات سے محفوظ بنانا تھا یہ ہلال اور صلیب کی جنگیں نہیں تھیں۔

خود آزمائی

1 اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں یہود و نصاریٰ کی قیادت اور مسیحیت کا نفوذ: ایک تاریخی و جغرافیائی جائزہ بیان کریں۔

2 نجران میں مسیحیت کے نفوذ کے مختلف اسباب اور ذرائع بیان کریں اور ان کے تاریخی اثرات پر روشنی ڈالیں۔

3 وسطی عرب میں مسیحیت کے عدم پھیلاؤ کی وجوہات کا تاریخی جائزہ لیں اور بیان کریں کہ وسطی عرب میں اس کا فروغ کیوں نہ ہو سکا؟

4 وحی کے نزول کے آغاز کے وقت، مسیحیوں نے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے پر کیا ردعمل ظاہر کیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے ابتدائی تعلقات کیسے رہے؟

5 حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور قیصر روم ہرقل کی اسلام سے متعلق تحقیقات اور طرز عمل اور رد عمل بیان کریں۔

6 اہل نجران کے دعوت نبوی ﷺ پر رد عمل اور مسیحی مطالعہ اسلام کے آغاز وارتقاء کو بیان کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے فٹ نوٹس میں مذکور ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

یونٹ:7

صلیبی جنگوں کے اسباب واثرات

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظرثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،

ڈاکٹر محمد عبداللہ،

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 134

یونٹ کے مقاصد 134

تمہید 135

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تصادم کا پس منظر 135

اسلام اور مسیحیت کی کشمکش کا نقطہ آغاز: غزوہ موتہ 136

عیسائیوں کے ساتھ مسلح تصادم: جیشِ اسامہ 138

اسلامی ریاست کی فتوحات اور ہمہ گیر اثرات 139

استشراقی فکر کے ارتقاء میں صلیبی جنگوں کا کردار 140

اسلام کی عالمگیریت و کاملیت 141

صلیبی جنگوں کے اسباب 142

مذہبی اسباب 142

سیاسی اسباب 143

معاشرتی اسباب: 144

معاشی اسباب: 144

پہلی صلیبی جنگ (۱۰۹۶ تا ۱۰۹۹) 145

عیسائیوں کے مظالم: 147

مسلمانوں کی ناکامی کے اسباب: 147

عماد الدین اور نور الدین زنگی میدان میں 148

دوسری صلیبی جنگ: (۱۱۴۷ تا ۱۱۵۹) 148

مصر پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ: 149

بیت المقدس کی فتح (۱۱۸۷) 150

صلیبیوں کے ساتھ رواداری: 150

تیسری صلیبی جنگ:(۱۱۸۹تا۱۱۹۲) 151
چوتھی صلیبی جنگ:(۱۲۰۲تا۱۲۰۴) 152
پانچویں صلیبی جنگ(۱۲۱۸تا۱۲۲۱)..... 152
چھٹی صلیبی جنگ:(۱۲۲۸تا۱۲۲۹) 152
ساتویں صلیبی جنگ(۱۲۴۸تا۱۲۴۹)..... 152
آٹھویں صلیبی جنگ:(۱۲۷۰تا۱۲۷۱) 152
صلیبی جنگوں کے منفی اثرات اور نتائج: 153
خود آزمائی..... 154
جوابات 154

یونٹ کا تعارف

قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں انسانی تاریخ کا اہم حصہ ہیں، اور ان میں کئی اہم واقعات شامل ہیں جو دنیا کے سماجی، ثقافتی، اور سیاسی تناظر پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ گیارہویں اور بارہویں صدی میں ہونے والی صلیبی جنگیں اسی سلسلے کی ایک مثال ہیں۔ یہ جنگیں یورپ کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان یروشلم اور قریبی مقدس مقامات پر کنٹرول کے لیے لڑی گئیں۔ صلیبی جنگوں کا آغاز 1095ء میں پوپ اربن دوم کی ایک اپیل سے ہوا، جس میں انہوں نے یورپ کے نوجوانوں اور جنگجوؤں کو دعوت دی کہ وہ مذہبی مقامات کی آزادی کے لیے اپنی خدمات پیش کریں۔ یہ جنگیں تقریباً دو صدیوں تک جاری رہیں اور ان کے نتیجے میں دونوں فریقین نے شدید نقصانات اور مشکلات کا سامنا کیا۔ بیت المقدس وہ شہر ہے جو یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے لیے تینوں مذاہب کے عقائد کے تناظر میں یکساں اہمیت رکھتا ہے، اور اس پر کنٹرول کی کوششوں نے دنیا کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان جنگوں میں دونوں فریقوں کے طرز عمل مختلف اوقات میں انسانی احساسات کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر فریقین نے غیر معمولی رحم دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا، جبکہ دیگر مواقع پر تنازعات نے ان جنگوں کے نتیجے میں صورتحال کو مزید مشکل بنا دیا۔ اس دوران مسلمانوں نے رحمدلی اور رواداری کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی تعریف یورپ کے مؤرخین نے بھی کی ہے۔ یورپ کے مورخین نے ان جنگوں کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے تسلیم کیا کہ مسلمانوں کی جانب سے دکھائی گئی رواداری اور حکمت عملی نے کئی مثبت نقوش چھوڑے۔ یہ جنگیں صرف فوجی تنازعات نہیں تھیں بلکہ ان کے نتیجے میں ثقافتی اور فکری تبادلے کا ایک نیا دور بھی شروع ہوا، جس نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بنیاد فراہم کی۔ اس یونٹ میں صلیبی جنگوں کی تاریخ اور ان کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

48 مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تصادم کے تاریخی پس منظر کو بیان کر سکیں، خاص طور پر غزوہ موتہ کو اسلام اور مسیحیت کی کشمکش کے نقطہ آغاز کے طور پر واضح کر سکیں۔

49 اسلامی ریاست کی فتوحات کے پس منظر میں عیسائیوں کے ساتھ ہونے والے تصادم، خاص طور پر جیشِ اسامہ کے واقعے کو بیان کر سکیں اور ان فتوحات کے ہمہ گیر اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔

50 صلیبی جنگوں کے استشراقی فکر کے ارتقاء پر اثرات اور اسلام کی عالمگیریت و کاملیت کے حوالے سے ان جنگوں کے کردار کا تجزیہ کر سکیں۔

51 صلیبی جنگوں کے آغاز کے مذہبی اسباب پر روشنی ڈال سکیں اور ان اسباب کے اثرات واضح کر سکیں۔

52 صلیبی جنگوں کے آغاز کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی اسباب کا تجزیہ کر سکیں اور ان اسباب کے اثرات پر روشنی ڈال سکیں۔

53 پہلی صلیبی جنگ (1096تا1099) کے دوران عیسائیوں کے مظالم، مسلمانوں کی ناکامی کے اسباب، اور عمادالدین اور نورالدین زنگی کے میدان جنگ میں کردار کا تجزیہ کر سکیں۔

54 دوسری صلیبی جنگ (1147-1159) کے دوران مصر پر صلاح الدین ایوبی کے قبضے، بیت المقدس کی فتح (1187) اور صلیبیوں کے ساتھ رواداری کے حوالے سے صلاح الدین ایوبی کی حکمت عملی کا تجزیہ کر سکیں۔

55 تیسری سے آٹھویں صلیبی جنگوں تک کے اہم واقعات اور ان جنگوں کے منفی اثرات و نتائج پر روشنی ڈال سکیں۔

تمہید

ارض فلسطین بالخصوص بیت المقدس پر عیسائی قبضہ کے لئے یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے جو جنگیں لڑیں تاریخ میں انھیں ''صلیبی جنگیں'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ جنگیں فلسطین اور شام کے علاقے میں لڑی گئیں۔ صلیبی جنگوں کا یہ سلسلہ تقریباً دو سو برس تک جاری رہا ان جنگوں کی ابتدا ۱۰۹۶ میں ہوئی اور یہ سلسلہ ۱۲۹۲ تک قائم رہا۔ صلیبی جنگوں کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے بعض مؤرخین کے مطابق صلیبی حملے سات مرتبہ ہوئے اور بعض کے مطابق نو مرتبہ۔ دراصل نو میں سے دو صلیبی جنگیں ایسی ہیں جن میں صلیبیوں کا مقابلہ مسلمانوں سے نہیں ہوا بلکہ وہ مقابلہ سے پہلے آپس ہی میں الجھ گئے تھے اس طرح ان کی تعداد سات ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تصادم کا پس منظر

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس دنیا کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے اور مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے پیروکاران کے بارے میں مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے آپ ﷺ نبوت کے کمال کا مظہر ہیں، جو ایمان، خلوص، دیانت، راست بازی، اخلاق عالیہ، اور توحید کے سب سے بڑے داعی ہیں۔ آپ ﷺ کو تمام انبیاء کے سردار اور انسانیت کے لیے ایک کامل رہنما کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جنہوں نے زندگی کے ہر پہلو میں ایک ایسا عملی نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ دوسری طرف، عیسائی دنیا کے بعض حلقوں میں حضرت محمد ﷺ کی ذات کو تاریخی، ثقافتی، اور مذہبی عوامل کی

بناپر غلط فہمیوں اور تعصبات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اختلافات اکثر اوقات انفرادی اور اجتماعی سطح پر غلط معلومات اور تاریخی واقعات کی یکطرفہ تشریح کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایسے خیالات نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان افہام و تفہیم کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں اور مکالمے کی اہمیت کو متاثر کیا۔ تاریخ کے گہرے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تعلقات مختلف ادوار میں مختلف نوعیت کے رہے ہیں۔ صلیبی جنگوں جیسے واقعات نے ان تعلقات پر گہرا اثر ڈالا، جہاں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے ساتھ سخت محاذ آرائی کی۔ تاہم، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ کے مختلف مواقع پر دونوں مذاہب کے ماننے والوں نے تعاون، رواداری اور مکالمے کی مثالیں بھی قائم کیں۔ اسلام اپنی اصل میں امن، رواداری، اور انسانیت کی خدمت کا دین ہے، اور حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ بھی شفقت، صبر، اور رواداری کا مظاہرہ کیا، جس کی گواہی غیر مسلم مورخین نے بھی دی ہے۔ آج کے دور میں، جہاں دنیا کو تعصبات سے نکل کر ہم آہنگی کی ضرورت ہے، مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بہتر تعلقات قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے۔ دونوں مذاہب کے پیروکاروں کو ایک دوسرے کو سمجھنے، مکالمے کو فروغ دینے، اور مشترکہ اقدار پر کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ دنیا میں امن اور بھائی چارے کا پیغام عام ہو سکے۔ حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ اس ضمن میں ایک مثالی نمونہ ہے جو ہر انسان کو رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت کے اظہار کے لیے خاتم الانبیاء، ہادیِ عالم، سید الانبیاء ﷺ نے صلح حدیبیہ [161] سے واپسی پر ذی الحجہ 6ھ میں فرماں روایانِ عالم اور سلاطین کے نام دعوتِ اسلام کے پیغامات ارسال فرمائے۔ صلح حدیبیہ کی بدولت عارضی جنگ بندی اور پرامن بقائے باہمی کے ایام میں دعوتِ اسلام اور تبلیغِ احکام کے دروازے دنیائے انسانیت کے لیے کھل گئے اور مختلف ممالک کے حکمرانوں کو دعوت اسلام کے خطوط ارسال کیے گئے۔[162] مورخ واقدی کے مطابق یہ خطوط چھ ہجری (6ھ) کے اخیر میں صلح حدیبیہ کے بعد ذی الحجہ کے مہینے میں روانہ کیے گئے۔ جبکہ بعض سیرت نگاروں کی رائے یہ ہے کہ یہ خطوط سات ہجری (7ھ) میں روانہ کیے گئے۔ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام خطوط بھیجنے کا ارادہ 6ھ کے اخیر میں فرمایا ہو اور 7ھ میں یہ خطوط روانہ فرمائے ہوں۔[163]

اسلام اور مسیحیت کی کشمکش کا نقطہ آغاز: غزوہ موتہ

ہادی عالم ﷺ نے جب سلاطینِ عالم اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔[164] تو عیسائی حاکم

---

161 صفی الرحمان مبارک پوری، الرحیق المختوم ص۔459تا474

162 محمد بن جریر بن یزید طبری، تاریخ الامم والملوک، ج3 ص84

163 عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ ج،2 ص294

164 سلاطینِ عالم کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی ﷺ

شرحبیل بن عمرو غسانی کے نام بھی ایک خط روانہ فرمایا، جو کہ قیصرِ روم کی طرف سے شام کے علاقے بلقاء کا امیر تھا۔ حضرت حارث بن عمیر جب رسالت مآب ﷺ کا خط مبارک لے کر مقامِ موتہ پہنچے تو شرحبیل نے ان کو مضبوطی سے بندھوا کر قتل کرا دیا۔ سفیروں اور قاصدوں کے ساتھ بدسلوکی یا ان کا قتل ہر دور میں انتہائی بدترین جرم سمجھا گیا ہے۔ جو اعلانِ جنگ بلکہ اس سے بھی بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جب پیغمبرِ خدا ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ پر یہ بات سخت گراں گزری، اور رسولِ رحمت ﷺ نے اس علاقے پر فوج کشی کے لیے تین ہزار کا لشکر تیار کیا، یہ سب سے بڑا اسلامی لشکر تھا، اس سے پہلے جنگ احزاب کے علاوہ کسی اور غزوے یا سریے میں اتنی بڑی عسکری تعداد کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔[165] اسلام اور دنیائے عیسائیت کے درمیان کشمکش کا نکتہ آغاز غزوہ موتہ ہے۔ اس تاریخی غزوے کو صلیبی جنگوں کے اسباب میں سے اولین سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ سید الاولین والآخرین ﷺ نے اس تاریخ ساز معرکے میں اسلامی تاریخ کے نامور سپاہ سالاروں کو کمان دار مقرر فرمایا۔ چنانچہ نامور صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر مقرر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر زید بن حارثہ قتل ہو جائیں، تو ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن ابی رواحہ سردار لشکر ہوں اور اگر عبداللہ بھی جامِ شہادت نوش کریں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں۔ اسی بناء پر اس غزوے کو غزوہ جیش الامراء بھی کہا جاتا ہے۔[166] غزوہ موتہ کے شرکاء کو آپ ﷺ نے یہ وصیت بھی فرمائی کہ جس مقام پر حضرت حارث بن عمیر شہید کیے گئے تھے، وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو دینِ حق کی طرف بلائیں، اگر وہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو بہتر، ورنہ اللہ سے مدد مانگیں، اور خالقِ کائنات اور اس کے حبیب ﷺ کے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔ نیز نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر، اللہ کے راستے میں، اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرو اور دیکھو معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرنا، خیانت سے اجتناب کرنا، کسی بچے اور عورت اور انتہائی عمر رسیدہ بوڑھوں کو اور گرجاگھروں میں مقیم تارک الدنیا افراد کو قتل نہ کرنا، کھجور اور درخت نہ کاٹنا اور کسی کی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔[167] موتہ کے تاریخی مقام پر اسلام اور عیسائیت کے درمیان تاریخ ساز معرکہ غزوہ موتہ وقوع پذیر ہوا، تین ہزار مجاہدین کی مختصر جماعت دو لاکھ ٹڈی دل کے طوفانی حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس تاریخی معرکے میں رسالت مآب ﷺ کے مقرر کردہ تینوں امرائے جیش جرات و شجاعت کی ایک بے مثال تاریخ رقم کرکے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ بعد ازاں سیف اللہ والرسول حضرت خالد بن ولید کو مسلمانوں نے اپنا امیر مقرر کیا جو

---

165 احمد بن علی بن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج7 ص392

166 العسقلانی، فتح الباری، ج7 ص393

167 قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج2 ص271

خود اس معرکے میں جرات واستقامت کی لازوال داستان رقم کر رہے تھے، لڑتے لڑتے اور کفار کو جہنم رسید کرتے کرتے ان کی نو تلواریں ٹوٹ گئیں، صرف ایک یمنی تلوار ان کے ہاتھ میں باقی رہ گئی تھی۔[168] آپ نہایت حُسن تدبیر، معاملہ فہمی اور جنگی حکمتِ عملی کی بدولت صحابہ کرام کی بقیہ جماعت کو دشمن کے نرغے سے بچا کر اور جرات وشجاعت کی تاریخ رقم کر کے مدینہ طیبہ میں حاضرِ خدمتِ نبوی ﷺ ہوئے۔ یہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان پہلی کشمکش یا بہ الفاظ دیگر عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف صلیبی جنگوں کا نقطہ آغاز تھا۔[169]

عیسائیوں کے ساتھ مسلح تصادم: جیشِ اسامہ

عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا دوسرا مسلح تصادم جیشِ اسامہ کی صورت میں ہوا۔ رحمت للعالمین ﷺ نے وصال سے قبل (26) صفر بروز دوشنبہ (11)ھ کو رومیوں کے مقابلے اور جنگ موتہ کے انتقام کے لیے لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا جس میں حضرت اسامہ کے والد حضرت زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ سالارانِ لشکر شہید ہوئے۔ یہ رسالت مآب ﷺ کی آخری عسکری مہم تھی اور رحمتِ عالم ﷺ کی فرستادہ افواج کی آخری فوج تھی۔ اسامہ بن زید بن حارثہ کو آپ ﷺ نے اس لشکر کا امیر اور سردار مقرر کیا۔ اس لشکر میں مہاجرین اولین اور جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے۔ پنج شنبہ کو باوجود شدید علالت اور مرضِ وصال کے رسالت مآب ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے نشان بنا کر حضرت اسامہ کو دیا اور ارشاد فرمایا: **أغز بسم الله في سبيل الله، فقاتل من كفر بالله**"[170] اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام پر، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر کرنے والوں سے مقاتلہ کرو۔

رسالت مآب، سید الاولین والآخرین ﷺ کے وصال کے بعد عیسائیوں نے دگرگوں حالات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور نوخیز اسلامی ریاست کو غیر مستحکم کرنے کے لیے ہر ممکن سازشیں شروع کیں۔ خلیفہ اوّل، سیّدنا صدیقِ اکبرؓ نے نہایت جرات واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی وصیت کی تکمیل اور پیروی میں جیشِ اسامہ کو روانہ کیا، جنہوں نے اس دور کی عیسائی دنیا کو بدترین شکست سے دوچار کر کے اسلام کے غلبے اور دینِ مبین کی اشاعت میں مثالی کردار ادا کیا۔ سیّدنا صدیقِ اکبر کے بعد دیگر خلفائے راشدین اور اموی حکمرانوں نے اس مشن کو جاری رکھا۔ دورِ رسالت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی اسلام اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف محاذ آرائیاں مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں کی بین ثبوت ہے، جب میدانِ جنگ میں انہیں مسلمانوں کے

---

[168] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازي، باب غزوة موتة من أرض الشام، رقم الحدیث: 4018

[169] Robert P. Gwinn. History of Arabs, "Encyclopedia Britannica, Vol.16. P. 656.

[170] کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، ج2 ص244۔

ہاتھوں ذلت آمیز شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے اپنا انداز تبدیل کر کے قلمی جنگ کا آغاز کیا۔ "اس قلمی جنگ کو مشرق اور مغربی اہلِ کتاب نے آٹھویں صدی عیسوئی میں شروع کیا۔ اہلِ کتاب کا مشرقی نمائندہ یوحنا(676۔749ء) مسلمان خلیفہ ہشام کے دور میں سرکاری خزانے میں ملازم تھا، چنانچہ وہ ملازمت چھوڑ کر فلسطین کے گرجے میں گیا اور وہاں مسلمانوں کے خلاف کتابیں لکھنے لگا۔[171] اس تفصیل سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے درمیان مسلح کشمکش کا سلسلہ طویل عرصے سے جاری ہے، اور یہی بنیادی سبب ہے جس کے باعث مستشرقین نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کا موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور سیرتِ طیبہ پر طرح طرح کے اعتراضات کئے ہیں۔

اسلامی ریاست کی فتوحات اور ہمہ گیر اثرات

تاریخی شواہد اور واقعات کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکت تعلیمات اور خاتم النبیین ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر مستشرقین کے شبہات و اعتراضات کا ایک سبب اسلامی ریاست کا دن بدن وسعت اختیار کرنا اور مختلف عیسائی ریاستوں اور علاقوں کا اسلامی ریاست کے زیرِ نگیں ہونا ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ اپنے ملک و ملت کی خاطر جان و مال کی قربانیاں دیتے ہیں، اور اپنے مدِ مقابل کا ہر ممکن طریقے سے مقابلہ کرنا باعثِ افتخار اور ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ دینِ متین اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آخری کامل و مکمل مذہب اور دین ہے، جس نے پوری دنیا میں پھیلنا ہے اور اس کے ابدی قوانین کی عملی تنفیذ کے واسطے دنیا کے مختلف خطوں نے اس کے زیرِ تسلط آنا ہے تاکہ خالقِ کائنات کی طرف سے عطا کردہ قوانین، احکامات و ہدایات کی عملی تنفیذ سے دنیا ان کے فوائد و ثمرات اور افادیت و برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے اور کسی کو اس کے قانونِ الٰہی اور دنیوی و اخروی نجات کا باعث ہونے میں ذرہ برابر کا کوئی شبہ نہ رہے۔ اس وجہ سے اسلام نے اپنی تاثیر و جامعیت اور عین فطری ہونے کی بناء پر بہت جلد دنیا کے مختلف اقوام کو متاثر کر کے رکھ دیا جس کے نتیجے میں یہ بڑی تیزی سے دنیا کے مختلف اطراف و اکناف میں پھیل گیا، اور اسلامی قانون دنیا کے مختلف حصوں میں رائج ہو کر وہ علاقے اسلامی سلطنت کے زیرِ تسلط آ گئے۔ جس کے نتیجے میں مختلف غیر مسلموں بالخصوص بعض عیسائیوں کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو موردِ الزام اور ہدفِ تنقید بنایا شروع کر دیا۔ بیزنطینی سلطنت کے شام، فلسطین اور مصر جیسے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ جو کہ مشرقی چرچ کے مضبوط گڑھ تھے، عربوں کی جانب سے شمالی افریقہ، اسپین اور صقلیہ کی فتح اور روم تک فاتحانہ پیش قدمی، ترکوں کا عروج، مشرقی اور وسطی یورپ میں ان کی

---

[171] ضیاء العمري، موقف الاستشراق من السنة والسيرة النبوية، ص65

شان دار فتوحات کا سلسلہ، یعنی عیسائی دنیا کے قلب پر ان کی دستک، مغربی دنیا کی جانب سے صلیبی جنگوں کا آغاز اور ان میں ان کی بھیانک شکست، مغربی سامراج کی ایک نئی لہر، اس کی پیش قدمی، پسپائی اور زوال پذیری، عیسائی مبلغین کی جانب سے مسلمانانِ مشرق کو عیسائی بنانے کی کوششوں میں عبرت انگیز ناکامی، ان تمام باتوں نے مل جل کر عناد کو جنم دیا، نفرت اور تعصب کو پروان چڑھایا اور اسلام اور سید الاولین والآخرین ﷺ کے خلاف اہلِ مغرب (دنیائے عیسائیت) کے دلوں میں نفرت، عداوت اور تلخی کے بیج بو دیے گئے۔[172] جبکہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف جو نفرت پھیلائی گئی، آپ ﷺ کی سیرت و کردار کو جس طرح موضوع بحث بنایا گیا اس بحث کا بنیادی محور رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور نجی زندگی بالخصوص تعدّد ازواج اور آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی قرار پائی۔ نبی رحمت ﷺ کے خلاف منافرت اور اظہارِ عداوت کا نقطہ عروج کارزارِ صلیب تھا۔

استشراقی فکر کے ارتقاء میں صلیبی جنگوں کا کردار

اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے صلیبی جنگیں تقریباً پانچ سو سال تک جاری رہیں اور پانچ صدیوں میں وقفے وقفے سے یورپ کی مشترکہ عسکری قوت مسلم شرق اوسط پر زندگی کے لیے موت اور آبادی کے لیے ویرانی کے دیو کی طرح منڈلاتی رہی۔ 1099ء میں پہلی خون آشام جنگ ہوئی۔ دوسری صلیبی جنگ 1147ء میں لڑی گئی اور تیسری معروف صلیبی جنگ معروف فاتح صلاح الدین ایوبی اور شہنشاہ انگلستان رچرڈ کے درمیان 1189ء سے 1193ء تک جاری رہی۔ چوتھی صلیبی جنگ 1203ء اور 1204ء کے درمیان لڑی گئی، اور 1217ء میں پانچویں صلیبی جنگ پیش آئی۔ چھٹی صلیبی جنگ کا واقعہ 1228ء میں پیش آیا۔ جب یہ تمام کوششیں اور کاوشیں ناکام ہو گئیں تو مسلمانوں کی تاراجی کے لیے اہلِ صلیب نے منگول قوت کے ساتھ عسکری اتحاد قائم کیا۔ جس کے نتیجے میں زوالِ بغداد کا واقعہ 1258ء میں پیش آیا، آٹھویں صلیبی جنگ 1271ء میں پیش آئی، نویں صلیبی جنگ 1365ء اور آخری دسویں صلیبی جنگ 1464ء میں پیش آئی۔ ان صلیبی جنگوں اور خون آشامیوں کا تعلق مستشرقین سے بڑا گہرا ہے۔ کیونکہ پانچ صدیوں میں یورپ کے مفکرین، مولفین اور شعراء اسلام اور نبی رحمت ﷺ کے خلاف مسیحی جذبات کو گدگداتے، اسلام اور مسلمانوں کی تاراجی پر ابھارتے، اور ان کے اندر شہادت کا جذبہ پیدا کر کے آمادہ پیکار ہونے کی روح پھونکتے رہے۔ صلیبی جنگوں کی پانچ سو سالہ تاریخ (1099ء۔1464ء) کے دوران یعنی گیارہویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی عیسوی تک مستشرقین نے دینِ اسلام اور سید الاولین والآخرین ﷺ کے خلاف معاندانہ لٹریچر تیار کیا۔ تمام صلیبی جنگوں

---

[172] ظفر علی قریشی، شانِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی بحث کا تنقیدی جائزہ، ص 8

میں یورپ کی مشترکہ عسکری قوت کا دیوالیہ نکل گیا۔اسی شکستِ فاش کی بناء پر عیسائی دنیا میں دینِ متین اور نبی آخر الزماں ﷺ کے خلاف نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ یہ در حقیقت رحمتِ عالم ﷺ کے خلاف نفرت اور تعصب کا امنڈتا ہوا ایک طوفان تھا، ہر قسم کے غلیظ القابات اور جنسی اتہامات ذاتِ نبوی ﷺ سے منسوب کیے گئے۔[173]

اسلام کی عالمگیریت وکاملیت

دینِ اسلام اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں عیسائیوں کے نقطہ ہائے نظر میں فرق کا ایک واضح سبب یہ بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ امام الانبیاء، سیّد الانبیاء والمرسلین اور خاتم النبیین کی حیثیت سے مبعوث کیے گئے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد تمام ادیان اور شرائع و مذاہب منسوخ قرار پائیں۔ اسلام دینِ کامل اور ابدی ضابطہ حیات اور امام الانبیاء ﷺ آخری نبی ورسول ہیں۔ یہ مخاصمت اور تنازع کا مذہبی پہلو ہے۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ عیسائیت مذہب کی آخری اور مکمل شکل ہے۔ چنانچہ عیسائی مصنف جارج فشر (George Fisher) کہتا ہے: ہم کہتے ہیں کہ عیسائیت، مذہب کی تمام وکمال صورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک قطعی مذہب ہے۔ یہ ارتقاء کے طویل عمل کا حتمی نتیجہ ہے، بلکہ یہ اس پیغامِ ربّانی کی تکمیل کے مرحلے یا اسے مکمل کرنے کا نقطۂ عروج ہے جو اس سے قبل نازل ہوا۔[174] ڈبلیو منٹگمری واٹ (Watt, W. Montgomery) پر زور طریقے سے اعلان کرتا ہے: عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں اس سب کو صحیح کر دیا گیا جو دنیا میں غلط اور نادرست تھا۔[175] اس حوالے سے دلیل کی دنیا میں جب عیسائیت کو اسلام کے مقابلے کی ہمت نہ رہی تو بعض مستشرقین نے رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اعتراضات و شبہات کا سلسلہ شروع کر لیا تاکہ اصل مسئلے کو پسِ پشت ڈال کر کسی طرح دینِ برحق اور امام المرسلین ﷺ کی (العیاذ باللہ) بدنامی کر کے لوگوں کو اس سے دور رکھا جائے، اور اسلام کی اشاعت اور ترقی کو روکا جا سکے، جبکہ اسلام اپنی فطرت کی وجہ سے روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے اور جتنی زیادہ اس کی مخالفت کی جا رہی ہو اتنے ہی زیادہ لوگ اس کے آغوش میں پناہ گزیں ہو کر ترقی کی راہ پر گامزن ہونے لگتے ہیں اور اسلام پہلے سے زیادہ مضبوط اور توانا ہو کر دنیا کے سامنے آتا ہے۔ فلسطین اور بیت المقدس کا شہر حضرت عمر کے زمانے میں ہی فتح ہو چکا تھا یہ سرزمین مسلمانوں کے قبضے میں رہی عیسائیوں نے زمانہ دراز تک اس قبضہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں سلجوقیوں کے زوال کے بعد دفعتاً ان کے

---

[173] حبیب الحق ندوی، اسلام اور مستشرقین، مرتب۔ سیّد صباح الدین عبدالرحمن، ج3 ص19

[174] George Fisher, The Beginning of Christianity, P 25.

[175] William Montgomery Watt, The Cure for Human Ills (London: S.P.C.K. 1959), P. 37.

دلوں میں بیت المقدس کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ ان جنگوں میں تنگ نظری، بد عہدی، بد اخلاقی اور سفاکی کا جو مظاہرہ اہلِ یورپ نے کیا وہ ان کی پیشانی پر شرمناک داغ ہے۔ ان جنگوں کا تذکرہ کرنے سے قبل ان اسباب و عوامل اور محرکات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جن کی بنا پر یہ خوں ریز لڑائیاں پیش آئیں جن میں لاکھوں انسانوں کی جانیں ضائع اور بہت سے آباد و پر رونق شہر تباہ و برباد ہوئے۔

صلیبی جنگوں کے اسباب

صلیبی جنگوں کے اصل اسباب مذہبی تھے مگر اسے بعض سیاسی، معاشی اور معاشرتی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ ذیل میں ان اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مذہبی اسباب

بیت المقدس یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک مقدس اور متبرک ہے۔ یہودیوں کے نزدیک اس لئے کہ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون وغیرہ بہت سے انبیائے بنی اسرائیل کا تعلق اسی سرزمین سے تھا۔ عیسائیوں کے نزدیک اس لئے کہ فلسطین سے ہی عیسائی مذہب کا آغاز ہوا اور وہیں حضرت عیسیٰؑ نے زندگی گزاری اور مسلمانوں کے نزدیک اس لئے کہ یہ ان کا قبلہ اول ہے اور حضرت محمد ﷺ کے معراج کا سفر اسی بیت المقدس سے شروع ہوا یعنی یہیں سے آپ ﷺ کو آسمانوں پر لے جایا گیا اور اس لئے بھی کہ بیت المقدس انبیا کا مرکز اور مسکن رہا ہے اور مسلمان جس طرح آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا نبی سمجھتے ہیں اسی طرح دیگر انبیا کو بھی اپنا نبی سمجھتے اور ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ بیت المقدس اور فلسطین میں بڑے بڑے جلیل القدر انبیا کی قبریں ہیں مسلمانوں کے لئے یہ سرزمین یہودیوں اور عیسائیوں سے کہیں زیادہ متبرک ہے اور مسلمانوں نے متبرک مقامات کی ہمیشہ حفاظت کی ہے چنانچہ اسلامی دورِ حکومت میں غیر مسلم زائرین جب اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے یہاں آتے تو مسلمان انھیں ہر طرح کی سہولت فراہم کرتے۔ ان کے گرجے اور خانقاہیں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد تھے مسلم حکومتوں نے اپنی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا لیکن خلافتِ اسلامیہ کے زوال و انتشار کے دور میں ان زائرین نے ان سہولتوں اور رواداریوں کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ان کی بد عہدی تنگ نظری اور تعصب کے نتیجے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونا شروع ہو گئیں یہ جاہل اور متعصب زائرین جب بیت المقدس سے واپس جاتے تو مسلمانوں کے ظلم و ستم کے فرضی افسانے گھڑ کر اہلِ یورپ کو سناتے اور ان کے جزبات کو برانگیختہ کرتے۔

یورپ کے عیسائی جو اسلامی حکومت کے قیام اور فتوحات کے ابتدائی دور سے ہی مسلمانوں کے دشمن تھے ظلم و ستم کی ان فرضی داستانوں کو سن کر ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کے شعلے ابلنے لگتے چنانچہ دسویں صدی

عیسوی کے دوران یورپ کی عیسائی سلطنتوں (اٹلی، فرانس، جرمنیاور انگلستان وغیرہ) نے سرزمینِ فلسطین کی تسخیر اور اس کو مسلمانوں سے چھین کر عیسائی مملکت کا حصہ بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اس دوران پورے یورپ میں یہ افواہ بھی پورے زور شور سے پھیلائی گئی کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ نزول فرما کر عیسائیوں کے تمام مصائب کا خاتمہ کریں گے لیکن ان کا نزول اسی وقت ہوگا جب یروشلم کا مقدس شہر مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرالیا جائے اس افواہ نے عیسائیوں کے مذہبی جوش و خروش میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اس کے علاوہ عیسائی مذہبی رہنماؤں نے یہ چیز بھی عام کر دی تھی کہ اگر کوئی چور، بدمعاش اور بدکردار بھی بیت المقدس کی زیارت کر آئے گا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا۔ لہذا اس عقیدہ کی بناپر بڑے بڑے بدکردار لوگ بھی بیت المقدس کی زیارت کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ شہر میں داخل ہوتے وقت وہ ناچتے، باجے بجاتے اور شور وغل کرتے ہوئے اپنی برتری کا اظہار کرتے اور کھلے بندوں شراب پیتے۔ زائرین کی ان نازیبا حرکتوں، سیاہ کاریوں، بدنظمیوں اور امن سوز سرگرمیوں کی وجہ سے ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں لگادی گئیں۔ لیکن ان زائرین نے واپس جاکر مسلمانوں کی زیادتیوں کے من گھڑت افسانے لوگوں کو سنانے شروع کر دیئے تاکہ ان کے مذہبی جزبات کو ابھارا جاسکے۔

عیسائی اس وقت دو حصوں میں منقسم تھے: ایک حصے کا تعلق یورپ کے مغربی کلیسا سے تھا جس کا مرکز روم تھا۔ دوسرے حصے کا تعلق مشرقی یا یونانی کلیسا سے تھا جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ دونوں چرچ کے ماننے والے ایک دوسرے کے سخت مخالف تھے روم کے پوپ (اربن ثانی) ایک جاہ پرست اور جنگجو مذہبی رہنما تھا وہ عیسائیوں کی بالادستی اور مسلمانوں کی شکست و ریخت کا قائل تھا اور چرچ کی گرفت کو مضبوط کرنے یورپ کے حکمرانوں میں اس کا وقار کم ہو چکا تھا اپنی ساکھ بحال کرنے کے لئے اس نے عیسائیوں میں مذہبی جنون پھیلانا شروع کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں انسانوں کو جنگ کی آگ میں جھونک کر لقمۂ اجل بنادیا۔ اس کی ایک عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ مشرقی بازنطینی کلیسا کی سربراہی بھی اسے حاصل ہو جائے اس طرح وہ ساری عیسائی دنیا کا واحد روحانی پیشوا بن جائے گا۔ اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس نے اعلان کر دیا کہ ساری دنیا کے عیسائی بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، جو اس جنگ میں مارا جائے گا وہ جنت کا حقدار ہوگا اس کے سب گناہ دھل جائیں گے اور فتح کے بعد جو مال و زر حاصل ہوگا وہ ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد ساری عیسائی دنیا مسلمانوں کے خلاف دیوانہ وار اٹھ کھڑی ہوئی۔

سیاسی اسباب

اسلامی حکومت کے قیام اور فتوحات کے ابتدائی دور سے ہی عیسائی دنیا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کمربستہ ہو گئی تھی خاص کر جب مسلمانوں نے یورپ کے مختلف ممالک پر اپنی فتح کا جھنڈا گاڑ دیا تو عیسائیوں کی نظروں میں یہ سلطنتیں خار کی طرح کھٹکنے

لگیں، وہ اپنی ازلی عداوت اور ابدی بیر کی وجہ سے دنیا کے کسی حصہ میں بھی مسلمانوں کی قوت وسطوت کو گوارہ نہیں کر سکتے۔ اپنے دور عروج میں مسلمانوں نے بڑی بڑی سلطنتیں زیر وزبر کر دی تھیں، عرب و عراق اور مصر و شام کے علاوہ افریقا، ایشیا، جزائر، بحیرہ روم (صقلیہ و قبرص) اور اسپین و پرتگال سب مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔ دنیا کے بیشتر حصے پر مسلمان پوری شان و شوکت کے ساتھ عدل و انصاف کی حکمرانی کر رہے تھے اور اقوام عالم میں سب سے بہادر، طاقت ور اور سب سے سپر پاور کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، اس وقت عیسائی دنیا اپنی ازلی عداوت کے باوجود مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی لیکن گیارہویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کی حالت بدل چکی تھی خلافت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا تھا، خلافت چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تبدیل ہو چکی تھی، ہر طرف انتشار کا عالم تھا، عالم اسلام کی ان مسلم حکومتوں میں باہمی اتحاد کا فقدان تھا، بغداد کی عباسی خلافت، مصر کی فاطمی سلطنت، اسپین کی حکومت انحطاط کا شکار تھی، ان کے درمیان باہمی اشتراک کی کوئی صورت موجود نہ تھی۔ عیسائیوں کے لیے مسلمانوں پر حملہ کرنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا اس سے بہتر اور نادر موقع اور کون سا ہو سکتا تھا، چنانچہ مشرق اور مغرب دونوں مخالف کلیساؤں نے اپنے اختلافات کو بھلا کر سمجھوتہ کیا اور متحد ہو کر مسلمانوں کے صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا۔

معاشرتی اسباب:

یورپ معاشرتی لحاظ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں پسماندہ تھا، سماجی اور معاشرتی نقطہ نظر سے مساوات، اخوت اور عدل وانصاف کے جن اصولوں کو مسلمانوں نے اپنے یہاں رواج دیا تھا یورپ کا عیسائی معاشرہ اب تک ان سے محروم تھا، غریب اور نادار لوگ طرح طرح کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے، یورپ کا نظام جاگیر داری پر مبنی تھا، جاگیر دار غریب عوام کا خون چوس رہے تھے اور ان کے حقوق انہیں میسر نہیں تھے، صاحب اقتدار مذہبی گروہ نے ان لوگوں کی منافرت کا رخ اپنے بجائے مسلمانوں کی طرف موڑ دیا۔ لیبان کا یہ بیان اس دور کے معاشرہ کی صحیح عکاسی کرتا ہے کہ: جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو حصول مال کا ذریعہ بھی نظر آتا تھا، کاشت کار جو زمین دار کے غلام تھے، وہ افراد خاندان جو قانون کی رو سے وراثت سے محروم تھے، وہ امرا جنہیں جائداد کا کم حصہ ملا تھا اور جن کی خواہش تھی کہ دولت کمائے، وہ راہب جو خانقاہی زندگی کی سختیوں سے تنگ تھے، غرض کل مفلوک الحال اور محروم الارث اشخاص جن کی بہت بڑی تعداد تھی اس مقدس گروہ میں شریک تھے۔[176]

معاشی اسباب:

اسلامی دنیا کی خوشحالی اور دولت و ثروت کے چرچے یورپ میں عام تھے، یورپ ابھی تک خوشحالی کی ان منازل سے نہ گزرا تھا جن کا مشاہدہ مشرقی اسلامی سلطنتیں کر چکی تھیں لہذا یورپ کے وہ تمام عناصر جنہیں حصول زر کے ذرائع میسر نہ تھے اپنی قسمت آزمائی کے لیے اس مذہبی مہم میں شامل ہو گئے، ان کا مقصد لوٹ کھسوٹ اور مال و دولت کے جمع کرنے کے سوا کچھ نہ تھا،

---

[176] صباح الدین عبدالرحمن، صلیبی جنگیں، ص: ۵

اس کی تصدیق صلیبیوں کے اس طرز عمل سے ہوتی ہے جو انہوں نے ہنگری سے گزرتے ہوئے وہاں کے عیسائی باشندوں کے ساتھ روا رکھا تھا، سید صباح الدین عبد الرحمن اس جنگ کی نوعیت بیان کرتے ہوئے گبن کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ان میں زیادہ تر ایسے تھے جو اس جنگ کے ذریعہ سے اپنی خواہشوں کی جنت آباد کرنے کے خواہاں تھے، ان کا خیال تھا کہ مسلمان امرا کی دولت حاصل کر کے وہ متمول ہو جائیں گے، ان کو اچھی سے اچھی شراب اور حسین سے حسین عورتیں ملیں گی، اس جنگ میں شریک ہونے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جو جاگیرداری اور کلیسائی نظام سے آزردہ تھے، وہ کسان بھی تھے جو اپنے زمینی آقاؤں کے مظالم سے نجات چاہتے تھے وہ اپنی پسند کا ایک علاقہ چاہتے تھے، وہ راہب بھی تھے جو کلیسا کے جبر سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ مقروض لوگ بھی تھے جو اپنے قرض خواہوں سے نجات چاہتے تھے، وہ مجرم بھی تھے جو اپنے جرائم کی سزا سے نجات چاہتے تھے۔ ان اسباب کے علاوہ مسلمانوں کا سیاسی انتشار اور مسلم حکمرانوں میں اتحاد واتفاق کا فقدان ان صلیبی جنگوں کا سب سے بڑا سبب ثابت ہوا۔ ۱۰۹۲ میں ملک شاہ سلجوقی کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے رکن الدین اور محمد کے درمیان تخت سلطنت کے لیے خوریز خانہ جنگیاں ہوئیں، اسماعیلیوں یعنی حسن بن صباح کے فدائیوں نے شمالی ایران، عراق اور شام پر قبضہ کر لیا جس سے سلجوقیوں کی طاقت اور بھی کمزور ہو گئی جس سے بغداد کی خلافت کمزور تر ہوتی چلی گئی، مصر میں فاطمی حکمراں بھی عام مسلمانوں کے دشمن بن گئے اور عیسائیوں کی مدد پر آمادہ تھے، مسلمانوں کی ان کمزوریوں سے عیسائی بے خبر نہیں تھے، مسلمانوں کے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوپ اربن ثانی نے نومبر ۱۰۹۵ میں فرانس کے کلیر ماؤنٹ کے تاریخی اجتماع میں صلیبی جنگوں کو خدا کی مشیت قرار دے کر یورپ کو اسلامی دنیا پر ٹوٹ پڑنے کا فتوی صادر کر دیا۔[177]

پہلی صلیبی جنگ (۱۰۹۶ تا ۱۰۹۹)

پوپ کے اعلان جہاد کے بعد یکے بعد دیگرے صلیبیوں کے چار عظیم الشان لشکر بیت المقدس کی فتح کا عزم لیے روانہ ہوئے۔ پہلا لشکر والٹر مفلس کی رہنمائی میں بڑھا مگر یہ فوج جس علاقے سے گزری مفت رسد حاصل کرنے کی خاطر لوٹ مار کرتی گئی یہاں تک کہ بلغاریہ کے خود عیسائیوں نے ان کا قتل عام کر کے اس فوج کو تہس نہس کر دیا۔ دوسرا گروہ پیٹر ہرمٹ کی نگرانی میں نکلا جس کی تعداد چالیس ہزار تھی راستہ میں اس گروہ نے بلغاریہ کے قتل عام کا پورا بدلہ لیا جس سے ہنگری اور بلغاریہ کے علاقے ویران ہو گئے، وہ ایشیائے کوچک پہونچے تو انہوں نے دودھ پیتے بچوں کو قتل کیا اور ان کے جسم کے ٹکرے ہوا میں بکھیرے اس طرح وہ نائس تک پہنچ گئے۔ تیسرے جتھے کی قیادت ایک جرمن راہب گاوس فل نے کی جس کے ساتھ بقول گبن

---

[177] صباح الدین عبد الرحمن، صلیبی جنگیں، ص: ۵

وحشیوں کی ایک بھیڑ تھی وہ شراب پیتے زنا کرتے اور لوٹتے مارتے آگے بڑھے تو ہنگری اور بلغاریہ والوں نے ان کا اتنا قتل عام کیا کہ میدانوں میں ان کی ہڈیاں ہی ہڈیاں نظر آتی تھیں۔ چوتھا لشکر انگلستان فرانس اور لورین سے روانہ ہوا اس میں بھی ویسے ہی قماش کے وحشی لوگ تھے راستے میں ان کو مسلمان نہیں ملے تو یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کولون میں ہزاروں یہودیوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا اسی طرح دریائے رائین کے ساحل پر بھی انہوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا۔ یہ لوگ ہنگری سے گزرے تو اہل ہنگری نے ان کا صفایا کر کے ہنگری کی سرزمین کو ان کا قبرستان بنا دیا۔ ان دستوں کی ناکامی کی بنا پر مغربی مؤرخین نے ان کو صلیبی جنگوں میں شامل نہیں کیا ہے۔ اس کے دوسرے سال ۱۰۹۷ میں گاڈفرے (God frey) کی قیادت میں ایک لاکھ سے زیادہ صلیبی جنگجوؤں پر مشتمل ایک لشکر قسطنطنیہ میں جمع ہوا تاکہ وہاں سے ایشیائے کوچک (Asia Minor) (ہوتے ہوئے شام اور فلسطین پر قبضہ کیا جا سکے۔ یورپی مؤرخین نے اس کو پہلی صلیبی جنگ کا آغاز قرار دیا ہے، اس لشکر کے بارے میں صباح الدین عبدالرحمن لکھتے ہیں:

قسطنطنیہ اور نائیس ہوتا ہوا یہ انطاکیہ پہنچا تو اس کا سات مہینے تک محاصرہ کیا، کھانے پینے کی کمی ہوئی تو انسانوں کا گوشت کھانے لگے اور جب انطاکیہ پر ان کا تسلط ہوا تو مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا، دو ہزار ترکوں کے سر کاٹ کر فوجی کیمپ کے گرد نمائش کے لیے لٹکا دیے گئے وہاں کی قبریں کھود کر لاشوں کو باہر نکالا جاتا اور ان کے اعزہ کو بٹھا کر ان کو رونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا، سلجوقی خاندان کے نوجوان ان کے والدین کے سامنے مارے جاتے انسانیت سوز حرکتیں جتنی ہو سکتی تھیں وہ عمل میں آ گئیں، عورتوں کی عصمت ریزی اور شراب نوشی کی ذلت آمیز فواحش سب دیکھنے میں آئے، ایک فرانسیسی مؤرخ لکھتا ہے کہ بابل کی وحشیانہ اور غیر انسانی حرکتیں ان مقدس مجاہدوں اور بیت المقدس کے نجات دہندوں کے ذریعہ سے عمل میں آئے، ان لاطینی وحشیوں کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کو کہیں پناہ نہیں ملی، مسجدیں بے رحمانہ طریقہ پر مسمار کی گئیں، ہر گھر مذبح خانہ بنا ہوا تھا، گلی کوچے میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں، دس ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتارے گئے۔[178] انطاکیہ سے یہ فوج شمالی شام کی طرف بڑھ کر معرۃ النعمان پہنچی جہاں تین دن تک قتل عام کرتی رہی شام کے زرخیز ترین شہروں میں اس کا شمار ہوتا تھا وہاں تقریباً ایک لاکھ مسلمان قتل اور اسی قدر زندہ گرفتار کیے گئے اس کے بعد آگے بڑھ کر صلیبیوں نے رملہ شہر پر قبضہ کر لیا جس کو مسلمان چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکے تھے اور ۷ جون ۱۰۹۹ میں چالیس ہزار صلیبی جنگجو بیت المقدس پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا ۱۵ جولائی کو انہوں نے شہر پر دھاوا بول دیا اور ستر ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا ۱۱۰۹ میں شام کے شہر طرابلس میں

---

[178] صباح الدین عبدالرحمن، صلیبی جنگیں، ص: 8

(Tripoli)پر بھی صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا۔اس طرح پہلی صلیبی جنگ کے نتیجہ میں مسلم ایشیا میں چار عیسائی ریاستیں قائم ہو گئیں۔بیت المقدس اور اس کے ارد گرد کے علاقوں پر قبضہ کے بعد گاڈفرے کو بیت المقدس کا بادشاہ بنادیا گیا اور مفتوحہ علاقوں کو جن میں طرابلس،انطاکیہ اور شام کے علاقے شامل تھے عیسائی مملکتوں میں بانٹ دیا گیا۔

عیسائیوں کے مظالم:

بیت المقدس کے فتح کے بعد عیسائیوں نے ایسے اندھے تعصب کا ثبوت دیا جس کی مثال گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی گبن لکھتا ہے کہ صلیب کے ان علم برداروں نے تین دن تک اتنا قتل عام کیا کہ ستر ہزار لاشوں کی وجہ سے وبا پھیل گئی جب اس سے بھی ان کو تشفی نہیں ہوئی تو یہودیوں کو ان کی عبادت گاہوں میں جلادیا گیا لیبان کا بیان ہے کہ یہ فوج بچوں،جوانوں،بوڑھوں اور سب کو قتل کرتی رہی چاروں طرف لاشیں دکھائی دیتیں،اس قدر خون بہا کہ لاشیں تیرتی پھرتی تھیں،بیت المقدس کے مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور غیر مقلد عیسائیوں کا بھی قتل عام آٹھ روز تک ہوتا رہا تقریباً ساٹھ ستر ہزار آدمی مارے گئے۔لیبان یہ بھی لکھتا ہے کہ ان صلیبیوں کا برتاؤ اس مقدس شہر کے باشندوں کے ساتھ اس سے مختلف رہا جو حضرت عمر نے کئی صدی پہلے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔تاریخ یورپ کا مصنف اے،جی گرانٹ بیت المقدس پر صلیبیوں کی فتح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :صلیبیوں کے نزدیک دشمن کو قتل کرنا خدا کی عبادت کے مساوی تھا اسی لیے پوپ کو یہ تحریر بھیجی گئی کہ خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہو گیا ہمارے عجز والحاح کے آٹھویں روز اس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالے کر دیا،اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔[179]

مسلمانوں کی ناکامی کے اسباب:

اس شکست کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی تھی،سلجوقی فرماں روا ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے فرزند حکومت وسلطنت کے لیے آپسی نزاع میں الجھے ہوئے تھے نظام الملک جیسا کوئی وزیر نہیں تھا جو ان کے باہمی نزاع کو دور کر کے ان میں مصالحت کرادیتا،بڑے بڑے سردار جو سلجوقی بادشاہوں کے ماتحت کام کر چکے تھے خود مختار بننے کی فکر میں تھے،ہر شخص ٹوٹے ہوئے تاج کے ٹکڑوں کے لیے دست و گریباں تھا،یہی وقت تھا جب کہ یورپ والے فوج کشی کر کے اپنی کامیابی کو ممکن کر لیں،اگر اہل یورپ یہ حملہ ایک پشت پہلے ہوتا تو سلجوقی ایسے نہ تھے کہ کوئی گھونسہ دکھاتا اور وہ چپ بیٹھے رہتے،یورپ کی

---

[179] صباح الدین عبدالرحمن،صلیبی جنگیں،دارالمصنفین اعظم گڑھ،ص:۱۰

یہی فوج کشی اگر ایک پشت بعد پیش آتی تو عماد الدین اور نور الدین زنگی سلجوقیوں کے مقامات حکومت پر ایسے مستولی ہو چکے تھے کہ وہ یورپ کے ان حملہ آوروں کو دھکے دیکر سمندر میں غرق کر دیتے۔[180]

عماد الدین اور نور الدین زنگی میدان میں

سلجوقیوں کے انتشار کے دوران عماد الدین زنگی کی زبردست شخصیت ابھری وہ ملک شاہ کے غلاموں میں سے ایک غلام کی اولاد میں سے تھا، شہزادوں کا اتالیق تھا اس لیے اتابک (بمعنی اتالیق) خطاب ملا، اس میں غیر معمولی سیاسی ہوش مندی تھی، اس نے محسوس کیا کہ صلیبیوں کے خلاف مسلمانوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان متحد نہیں ہیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہیں، ان ریاستوں کے حکمراں اپنی ریاست کو بچانے کی خاطر مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں سے بھی مل جاتے ہیں، ان حالات کو دیکھ کر عماد الدین زنگی نے موصل، حران اور حلب وغیرہ کے علاقوں کو فتح کر کے زنگی حکومت کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کو پھر سے حیات نو بخشی۔ عماد الدین نے جس جرأت اور حوصلہ مندی سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا اور ان کو زبردست شکست دی وہ تاریخ اسلام کا قابل فخر باب ہے۔ عماد الدین نے قلعہ اثارب اور مصر کے سرحدی علاقوں سے عیسائیوں کو نکال کر خود قبضہ کر لیا، محاذ شام پر صلیبیوں کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا اور زنگی نے شام کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ عماد الدین کی وفات کے بعد اس کا لائق بیٹا نور الدین زنگی اس کا جانشین ہوا، صلیبیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے باپ سے کم مستعد نہ تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے مسلمانوں میں جہاد کی ایک نئی روح پھونک دی اور عیسائیوں سے بیشتر علاقے چھین لیے اور انہیں ہر محاذ پر شکست دیتا ہوا روحا کے شہر پر دوبارہ قابض ہو گیا۔

دوسری صلیبی جنگ: (۱۱۴۷تا۱۱۵۹)

عیسائیوں کی شکستوں کی خبریں پورے یورپ میں پہنچیں تو ایک بار پھر پوپ یوجین سوم نے دوسری صلیبی جنگ کا اعلان کیا اور اس طرح دوسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا۔ جرمنی کے بادشاہ کونراڈ سوم اور فرانس کے حکمراں لونی ہفتم کی قیادت میں کئی لاکھ افراد پر مشتمل فوج مسلمانوں کے مقابلے کے لیے یورپ سے روانہ ہوئی۔[181] اس میں عورتیں بھی شامل تھیں پہلے صلیبی معرکوں کی طرح ان فوجیوں نے بھی خوب اخلاق سوز حرکتیں کیں، لونی ہفتم کی فوج کا ایک بڑا حصہ سلجوقیوں کے ہاتھوں تباہ ہوا چنانچہ جب وہ انطاکیہ پہنچا تو اس کی تین چوتھائی فوج برباد ہو چکی تھی، باقی ماندہ فوج نے آگے بڑھ کر محاصرہ کر لیا لیکن سیف الدین

---

[180] صباح الدین عبد الرحمن، دار المصنفین اعظم گڑھ، ص: ۱۲

[181] صباح الدین عبد الرحمن، صلیبی جنگیں، دار المصنفین، ص15

زنگی اور نورالدین زنگی کی مشترکہ مساعی سے صلیبی اپنے عزائم میں ناکام رہے، لوئی ہفتم اور کونراڈ کو دوبارہ یورپ کی سرحدوں میں ڈھکیل دیا گیا اس طرح دوسری صلیبی جنگ ناکام ہوئی۔

مصر پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ:

اس دوران حالات نے پلٹا کھایا اور تاریخ اسلام میں ایک ایسی شخصیت نمودار ہوئی جس کے سرفروشانہ کارنامے آج بھی مسلمانوں کے لیے درس عمل ہیں، یہ عظیم شخصیت صلاح الدین ایوبی کی تھی۔ مصر کے فاطمی خلیفہ فائز باللہ میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ عیسائیوں کے طوفان کو روک سکتا اس کے وزیر شاور سعدی نے صلیبیوں کے خطرہ کا اندازہ کرتے ہوئے نورالدین زنگی کو مصر پر حملہ کی دعوت دی نورالدین نے اپنے بھائی اسدالدین شیر کوہ کو اس مہم پر مامور کیا، صلاح الدین ایوبی بھی اس مہم میں شیر کوہ کا ہمرکاب تھا، شیر کوہ کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اس کی جگہ لی۔ مصر کا خود مختار حکمراں بننے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا، مگر ملت اسلامیہ کی شومی قسمت یہ تھی کہ اسلام کے اس سرفروش غازی اور مجاہد کو صلیبیوں کے خلاف جہاد میں مسلم حکمرانوں کی طرف سے مدد اور تعاون کے بجائے مخالفتوں اور سازشوں کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ موصل کا والی سیف الدین غازی اور دمشق کے امرا نے صلیبیوں سے مل کر اس کے خلاف سازش کی لیکن اس کی ہوشمندی اور بیدار مغزی کام آئی اس نے بڑھ کر دمشق، حمص، حماۃ اور بعلبک پر قبضہ کر لیا اور سیف الدین کو شکست دے کر بزاعہ اور غراز وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا، خود مصر میں بھی اس کے خلاف سازش جاری تھی، باطنیوں نے اس پر قاتلانہ حملے کیے، سیف الدین کے جانشین عزالدین اور اس کے چچازاد بھائی عماد الدین نے اپنی مخالفت جاری رکھی، شام کے چھوٹے چھوٹے مسلم حکمران بھی اس کے مخالف رہے مگر صلاح الدین نے اس کا مقابلہ کامیابی سے کیا، بخارا اور حلب جیسے علاقے پر بھی قابض ہو گیا۔[182]

مصر کے علاوہ صلاح الدین نے اب تک شام، موصل اور حلب وغیرہ کے علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے، اس دوران صلیبی سردار ریجنالڈ کے ساتھ چار سالہ معاہدہ صلح ہو چکا تھا جس کی رو سے دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے، لیکن یہ معاہدہ محض کاغذی اور رسمی تھا صلیبی بدستور اپنی اشتعال انگیزیوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے اور مسلمانوں کے قافلوں کو برابر لوٹ رہے تھے۔ ۱۱۸۶ میں عیسائیوں کے ایک ایسے ہی حملہ میں ریجنالڈ نے یہ جسارت کی کہ بہت سے دیگر عیسائی امرا کے ساتھ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کی غرض سے حجاز کی جانب رخ کیا، صلاح الدین ایوبی نے ان کی سرگرمیوں کی

---

[182] صباح الدین عبدالرحمن، صلیبی جنگیں، دارالمصنفین، ص17

روک تھام کے لیے اقدامات کیے اور فوراً ریجنالڈ کا تعاقب کرتے ہوئے اسے حطین میں جالیا، سلطان نے یہیں دشمن کے لشکر پر ایک ایسا آتش گیر مادہ ڈلوایا جس سے زمین پر آگ بھڑک اٹھی، چنانچہ اس آتشی ماحول میں ۱۱۸۷ کو حطین کے مقام پر تاریخ کی خوفناک ترین جنگ کا آغاز ہوا اس جنگ کے نتیجہ میں تیس ہزار عیسائی ہلاک ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے، ریجنالڈ گرفتار ہوا اور سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کیا، اس جنگ کے بعد اسلامی فوجیں عیسائی علاقوں پر چھا گئیں۔

بیت المقدس کی فتح (۱۱۸۷)

حطین کی فتح کے بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف رخ کیا ایک ہفتہ تک خونریز جنگ کے بعد عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور رحم کی درخواست کی۔ بیت المقدس پورے ۹۱ سال بعد دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ بیت المقدس کی فتح صلاح الدین ایوبی کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔

صلیبیوں کے ساتھ رواداری:

صلیبیوں کے برعکس سلطان نے عیسائیوں کے ساتھ انتہائی فراخدلانہ اور روادارانہ برتاؤ کیا جس کی تعریف تمام یورپین مؤرخین نے کی ہے، گبن لکھتا ہے کہ انصاف کا تقاضہ ہے کہ اس ترک فاتح کی رحمدلی کی تعریف کی جائے اس نے مفتوحوں کو کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہونے نہیں دیا وہ ان سے بھاری رقمیں وصول کر سکتا تھا لیکن تیس ہزار کی رقم لے کر اس نے ستر ہزار قیدیوں کو آزاد کیا، دو تین ہزار کو تو اس نے رحم کھا کر یوں ہی چھوڑ دیا، جب یروشلم کی ملکہ اس کے سامنے آئی تو اس نے اس سے نہ صرف انتہائی مہربانی سے باتیں کیں بلکہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اس نے جنگ کے یتیموں اور بیواؤں میں خیرات تقسیم کی، جنگ کے زخمیوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں، وہ قرآن کے دشمنوں کے ساتھ ہر طرح کی سختی سے پیش آنے میں حق بجانب تھا، مگر اس نے جس فیاضانہ رحمدلی کا ثبوت دیا اس سے وہ نہ صرف تعریف و تحسین بلکہ محبت کیے جانے کا مستحق ہے۔ لین پول یہ بھی لکھتا ہے کہ بعض وقت ایسے غربا بھی آتے جو زر فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے مسلمان سپاہی اور تاجر عیسائیوں کا مال اور اسباب خریدتے تھے تاکہ عیسائیوں کے پاس اتنا سرمایہ ہو جائے کہ وہ اپنی آزادی خرید سکے مسلمان فوجی سردار بھی اس طرح کے نیک کام کرتے رہے، اس کے برعکس عیسائی مذہبی طبقہ کا حال یہ تھا کہ تقدس مآب بطریق یروشلم اخلاق و ایمان دونوں سے عاری تھا اس نے گرجاؤں کی دولت سمیٹی، سونے کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان حتی کہ مہدی مسیح پر جو طلائی ظروف رکھے تھے اپنے قبضے میں کیے اس کے ساتھ اپنا ذاتی اندوختہ بھی بہت تھا سب کو محفوظ کیا، یہ جمع کی ہوئی دولت اتنی تھی کہ اگر چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زر فدیہ دے کر آزاد کرا دیتا، جب مسلمان امرا نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا اتنا مال لے جانے سے روکا جائے تو سلطان صلاح الدین نے جواب دیا کہ میں

جو قول دے چکا ہوں اس سے پھر نہیں سکتا، لین پول نے یہ بھی لکھا کہ صلاح الدین کے بھائی العادل نے ایک ہزار غلام صلاح الدین سے مانگ کر آزاد کیے، پھر صلاح الدین نے خود شہر میں یہ منادی کرائی کہ تمام بوڑھے جن کے پاس زر فدیہ ادا کرنے کو نہیں، آزاد کیے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں، جن عیسائی عورتوں کے شوہر مر چکے تھے انہیں صلاح الدین نے بلا کر ان کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے کثیر روپے عطا کیے۔ یہ عورتیں جہاں گئیں اس عزت اور فیاضی کا چرچہ کیا۔

تیسری صلیبی جنگ: (۱۱۸۹تا۱۱۹۲)

بیت المقدس کی فتح صلیبیوں کے لیے پیغام اجل سے کم نہ تھی، اس فتح کی خبر سے سارے یورپ میں تہلکہ مچ گیا، اور پھر پورے یورپ میں غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی، شاہ جرمنی فریڈرک، شاہ فرانس فلپ دوم، شاہ انگلستان رچرڈ[183]، صقلیہ[184]، آسٹریلیا اور دیگر علاقوں کے آہن پوش فوجی سردار شام کی طرف امنڈ پڑے۔[185] ثروت صولت کے مطابق یہ جنگ ۱۱۸۹ سے ۱۱۹۲ تک جاری رہی۔[186] لیکن صباح الدین عبدالرحمن نے تیسری صلیبی جنگ کی مدت پانچ سال لکھی ہے۔[187] بہر حال اس جنگ کے لیے پادریوں اور راہبوں نے قریہ قریہ گھوم کر عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا، عیسائیوں نے اس قدر لاتعداد فوج اب تک کسی اور جنگ میں جمع نہیں کیا تھا جتنی اس جنگ میں تھی، یہ عظیم الشان لشکر یورپ سے روانہ ہوا اور عکہ کی بندرگاہ کا محاصرہ کر لیا، اگرچہ سلطان صلاح الدین نے تن تنہا اس شہر کی حفاظت کے تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے لیکن صلیبیوں کو یورپ سے مسلسل کمک پہنچ رہی تھی اس لیے صلیبیوں نے محاصرہ جاری رکھا، مسلم حکمرانوں میں سے کسی نے سلطان کی مدد نہ کی، مسلسل ناکہ بندی کی وجہ سے اہل شہر اور سلطان کا تعلق ٹوٹ گیا اور سلطان باوجود پوری کوشش کے مسلمانوں کو کمک نہ پہنچا سکا تنگ آکر اہل شہر نے امان کے وعدہ پر شہر کو عیسائیوں کے حوالہ کر دینے پر آمادگی ظاہر کی، فریقین کے درمیان معاہدہ طے ہوا جس کے مطابق مسلمانوں نے دو لاکھ اشرفیاں بطور تاوان جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا اور صلیب اعظم اور پانچ سو عیسائی قیدیوں کی واپسی کی شرائط طے کرتے ہوئے مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیے، مسلمانوں کو اجازت دی دے گئی کہ وہ تمام مال واسباب لے کر شہر سے نکل جائیں، لیکن رچرڈ نے بد عہدی کی اور محصورین کو قتل کر دیا۔

---

[183] اس نے کنگ رچرڈ اوّل کی حیثیت سے 1189ء میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور وفات تک شہنشاہِ انگلستان رہا۔ وہ عیسائی عوام میں "شیر دل" کے لقب سے مشہور ہوا۔

[184] صقلیہ یا سسلی (انگریزی: Sicily، عربی: صقلیہ) اٹلی کا ایک خود مختار علاقہ اور بحیرہ روم کا سب سے بڑا جزیرہ ہے، جس کا رقبہ 25 ہزار 700 مربع کلو میٹر اور آبادی 50 لاکھ ہے۔ سب سے بڑا شہر پالیرمو کہلاتا ہے جہاں پانچ مختلف تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔

[185] صباح الدین عبدالرحمن، صلیبی جنگیں، دارالمصنفین، ص20

[186] ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ج:1، ص:298

[187] صباح الدین عبدالرحمن، صلیبی جنگیں، دارالمصنفین، ص20

عکہ کے بعد صلیبیوں نے فلسطین کی بندرگاہ عسکلان کا رخ کیا عسکلان پہنچنے تک عیسائیوں کا سلطان کے ساتھ گیارہ بارہ بار مقابلہ ہوا، سب سے اہم معرکہ ارسوف کا تھا، سلطان نے جوانمردی اور بہادری کی درخشندہ مثالیں پیش کیں، لیکن چونکہ کسی بھی مسلمان حکومت بالخصوص خلیفہ بغداد کی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچی لہذا سلطان کو پسپائی اختیار کرنی پڑی، واپسی پر سلطان نے عسقلان کا شہر خود ہی تباہ کر دیا اور جب صلیبی وہاں پہنچے تو انہیں اینٹوں کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا، اس دوران سلطان نے بیت المقدس کی حفاظت کی تیاریاں مکمل کیں کیوں کہ اب صلیبیوں کا نشانہ بیت المقدس تھا سلطان نے اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ اس عظیم الشان لشکر کا بڑی جرأت اور بہادری سے مقابلہ کیا جب فتح کی کوئی امید باقی نہ رہی تو صلیبیوں نے صلح کی درخواست کی، فریقین میں معاہدہ صلح ہوا جس کی رو سے تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا۔ اس صلیبی جنگ میں سوائے عکہ شہر کے عیسائیوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور وہ ناکام واپس ہوئے، رچرڈ شیر دل سلطان کی فیاضی اور بہادری سے بہت متاثر ہوا، جرمنی کا بادشاہ بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب کر مر گیا اور بے شمار عیسائی اس جنگ میں مارے گئے۔

چوتھی صلیبی جنگ: (۱۲۰۲تا۱۲۰۴)

اس جنگ میں یورپ کے صلیبی مجاہد آپس میں لڑ پڑے یورپ کے شہروں میں قتل وغارت کی اور بیت المقدس کی بجائے یورپ کے مسیحی شہر قسطنطنیہ کو فتح کیا۔

پانچویں صلیبی جنگ (۱۲۱۸تا۱۲۲۱)

اس جنگ کے دوران یورپ کے صلیبی لشکر نے مصر پر حملہ کیا، ملک کامل ایوبی نے شکست دی۔

چھٹی صلیبی جنگ: (۱۲۲۸تا۱۲۲۹)

جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک دوم اس مہم کا قائد تھا، جنگ نہیں ہوئی اور ملک کامل نے باہمی تصفیہ کے ذریعہ بیت المقدس عیسائیوں کے سپرد کر دیا، لیکن کامل کے بعد مسلمانوں نے بیت المقدس دوبارہ واپس لے لیا۔

ساتویں صلیبی جنگ (۱۲۴۸تا۱۲۴۹)

اس کا قائد فرانس کا لوئی نہم تھا، مصر پر حملہ کیا گیا ملک الصالح نے مقابلہ کیا، شہنشاہ لوئی گرفتار ہو گیا، بعد میں فدیہ دے کر رہا ہوا۔

آٹھویں صلیبی جنگ: (۱۲۷۰تا۱۲۷۱)

لوئی نہم نے رہائی کے بعد پھر ایک کوشش کی اس مرتبہ انگلستان کا شاہ ایڈورڈ بھی شامل تھا، جولائی ۱۲۷۰ میں تیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سوار لے کر روانہ ہوا، تیونس کی طرف اس امید موہوم کے ساتھ بڑھا کہ وہاں کے حاکم کو عیسائی بنائے، مگر

اس شہر کے محاصرہ میں طاعون کے مرض سے مر گیااور اس کی فوج بھی اس وبا کی نذر ہو گئی۔[188]

صلیبی جنگوں کے منفی اثرات اور نتائج:

دو صدیوں پر محیط یہ صلیبی جنگیں جو مسلمانوں پر بے جا طور پر مسط کی گئی تھیں اپنے ساتھ تباہی و بربادی لے کر آئیں، یوں مذہبی جنونیوں نے دنیا کی ایک کثیر آبادی کو آہ وفغاں کے اتھاہ اندھیروں میں دھکیل دیا۔ یہ جنگیں فلسطین پر قبضہ کرنے کی کوشش تھی لیکن مسلمانوں کا قبضہ بیت المقدس پر بدستور قائم رہا، عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان اجنبیت کی ایک مستقل جو آج تک ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان حائل ہے وہ ان صلیبی جنگوں کا ایک بنیادی نتیجہ ہے اور فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام اسی کی ایک کڑی ہے۔ صلیبی جنگوں کے دوررس سیاسی، تجارتی، اقتصادی، معاشرتی اور علمی اثرات مرتب ہوئے جن کے فوائد سراسر یورپ والوں کو حاصل ہوئے، بہت کم نقصانات ان کے حصہ میں آئے، دوسری طرف مسلمانوں کو ان جنگوں سے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، معاشی اور علمی ہر طرح کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان جنگوں کا ایک منفی اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف اہل یورپ میں مذہبی جنون اور ہر طرح کی نفرت پیدا کر دی گئی جس کی وجہ سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے قریب نہ آسکے اور اسلام کے پیغام امن وانسانیت کے سمجھنے سے قاصر رہے۔ صلیبی جنگوں پر کئی صدیاں گزر گئیں لیکن اب تک ان کے دلوں سے نفرت وعداوت کی وہ آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی جو دوران جنگ صلیبی پادریوں اور رہنماؤں نے غلط پروپیگنڈہ کے ذریعہ ان کے دلوں میں سلگائی تھی۔ یہ ان ہی جنگوں کا نتیجہ ہے کہ فتنہ استشراق رونما ہوا اور بڑی تعداد میں متعصب مستشرقین نے اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا، اور آج بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش اور پروپیگنڈہ کر کے اپنے دل میں موجود انتقامی جذبے کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ صلیبی جنگوں سے جو نتائج برآمد ہوئے اور مشرق و مغرب پر ان کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ دوررس بھی تھے، مجموعی طور پر ان سے عیسائی دنیا کو فوائد زیادہ اور نقصانات بہت کم ہوئے، اس کے برعکس اسلامی دنیا کو ان جنگوں سے جو نقصانات پہنچے ان کا دائرہ بہت وسیع اور جو فائدے حاصل ہوئے وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اہل یورپ معاشرتی، ثقافتی، علمی اور اخلاقی ہر اعتبار سے خود ہی قلاش اور کنگال تھے، مسلمانوں کو دینے کے لیے ان کے پاس تھا ہی کیا جو وہ دیتے، اس کے برعکس مسلمان ہر قسم کی دولت، ثروت اور علم و فن کی میراث سے مالا مال تھے، اس لیے اہل مغرب نے مسلمانوں کی دولت و ثروت اور خصوصاً علم و فن سے بھر پور فائدہ اٹھایا، جو بعد میں ان کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنا، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ یورپ نے آج علم و سائنس میں جو کچھ ترقی کی اور

---

[188] صباح الدین عبدالرحمن، صلیبی جنگیں، دارالمصنفین، ص24

وہاں جو کچھ چمک دمک موجود ہے وہ اسلام اور مسلمان کی مرہون منت ہے تو کچھ بیجا نہ ہو گا۔

خود آزمائی

1 مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تصادم کے تاریخی پس منظر کو بیان کریں، خاص طور پر غزوہ موتہ کو اسلام اور مسیحیت کی کشمکش کے نقطہ آغاز کے طور پر واضح کریں۔

2 اسلامی ریاست کی فتوحات کے پس منظر میں عیسائیوں کے ساتھ ہونے والے تصادم، خاص طور پر جیشِ اسامہ کے واقعے کو بیان کریں اور ان فتوحات کے ہمہ گیر اثرات کا تجزیہ کریں۔

3 صلیبی جنگوں کے استشراقی فکر کے ارتقاء پر اثرات اور اسلام کی عالمگیریت و کاملیت کے حوالے سے ان جنگوں کے کردار کا تجزیہ کریں۔

4 صلیبی جنگوں کے آغاز کے مذہبی اسباب پر روشنی ڈالیں اور ان اسباب کے اثرات واضح کریں۔

5 صلیبی جنگوں کے آغاز کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی اسباب کا تجزیہ کریں اور ان اسباب کے اثرات پر روشنی ڈالیں۔

6 پہلی صلیبی جنگ (1096 تا 1099) کے دوران عیسائیوں کے مظالم، مسلمانوں کی ناکامی کے اسباب، اور عماد الدین اور نور الدین زنگی کے میدان جنگ میں کردار کا تجزیہ کریں۔

7 دوسری صلیبی جنگ (1147-1159) کے دوران مصر پر صلاح الدین ایوبی کے قبضے، بیت المقدس کی فتح (1187) اور صلیبیوں کے ساتھ رواداری کے حوالے سے صلاح الدین ایوبی کی حکمت عملی کا تجزیہ کریں۔

8 تیسری سے آٹھویں صلیبی جنگوں تک کے اہم واقعات اور ان جنگوں کے منفی اثرات و نتائج پر روشنی ڈالیں۔

جوابات تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں، مزید تفصیل کے لئے فٹ نوٹس میں مذکور مآخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

یونٹ:8

مسیحیت کا سیاسی پس منظر اور کشمکش

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ

نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،

ڈاکٹر محمد عبداللہ،

ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 158

یونٹ کے مقاصد 158

رومی سلطنت کا سیاسی ورثہ اور عیسائیت کی بنیاد 159

روم میں واحد شہنشاہ کی طرف رجوع کا عمل 159

روم میں اخلاقی بگاڑ اور عیش و عشرت کی زیادتی 160

رومی طاقت اور دولت کا تصور 160

شام میں ابتدائی مسیحی برادری کی تشکیل 161

بنی اسرائیل کا مسیح موعود کا عقیدہ 161

حضرت عیسیٰ کی انسان دوستی پر مبنی تعلیمات 161

کلیسا کا قیام اور اس کی ترقی 161

عیسائیت کی تبلیغ اور دنیا میں پھیلاؤ 162

رومی حکمرانوں کا عیسائیت سے خوف 162

قسطنطین کی مسیحیت کی حمایت اور عیسائیت میں شرک کے اثرات 163

مسیحیت کی سرکاری سرپرستی کا آغاز: 164

کلیسا کی تاریخ 165

کلیسا کی مختصر تاریخ 165

کلیسا کی تنظیم میں ترقی: 166

چرچ میں فکری انتشار: 167

کلیسائی درجہ بندی کا مفہوم 170

اختلافات کی وجوہات 170

عداوت اور دشمنی 171

کلیسائی درجہ بندی کے تاریخی اثرات 171

کلیساؤں کے باہمی اختلافات اور مسیحیت کی تاریخ کا تجزیہ 171
سیاسی اثرات اور اختلافات کی شروعات 172
ابتدائی فرقے اور عقائد میں اختلافات 172
پروٹسٹنٹ تحریک اور کلیسائی تقسیم 172
مسیحی مذہبی اختلافات کے نتیجے میں جنگیں اور نفرتیں 172
جدید دور میں کلیسائی اتحاد کی کوششیں 173
مسیحیت کے فرقوں پر مسیحی حلقوں کی تنقید 174
.1فرقہ وارانہ تقسیم اور اتحاد کا فقدان 174
.2پروٹسٹنٹ تحریک پر کیتھولک چرچ کی تنقید 174
.3 مسیحی تاریخ میں جنگوں اور تشدد پر تنقید 174
.4فرقوں کے نظریاتی تضادات پر مسیحی رہنماؤں کی تنقید 174
.5ایکومنیکل موومنٹ اور فرقہ بندی کی مذمت 175
کلیساؤں کے باہمی اختلافات: 175
خود آزمائی 176
جوابات 176

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ کا مقصد عیسائیت کی تاریخ، اس کی بنیاد اور اس کی تنظیم کے ارتقاء کو جامع انداز میں سمجھنا ہے۔ اس میں رومی سلطنت کے سیاسی ورثے اور اس کے مسیحیت پر اثرات کے حوالے سے روشنی ڈالی جائے گی، جس نے موجودہ عیسائیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتداء میں رومی حکمرانوں کا عیسائیت سے خوف بعد ازاں قسطنطین کی حمایت اور عیسائیت کی سرکاری سرپرستی کے آغاز کے تاریخی مراحل کو بھی تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔ یونٹ میں کلیسا کی تاریخ اور اس کی تنظیمی ترقی کا جائزہ لیا جائے گا، ساتھ ہی کلیسا کے اندر فکری انتشار اور فکری تسلط کے اثرات کا تجزیہ کیا جائے گا۔ کلیسائی درجہ بندی کا مفہوم، اس میں موجود اختلافات اور ان اختلافات کے تاریخی اثرات کو بھی زیرِ بحث لایا جائے گا۔ اس کے علاوہ، مسیحیت کے فرقوں اور کلیساؤں کے باہمی اختلافات اور ان پر مسیحی حلقوں کی تنقید کو بھی جانچا جائے گا۔ اس یونٹ میں ہم عیسائیت کے مختلف پہلوؤں، اس کے فرقوں، تنظیموں اور تاریخی واقعات کا تجزیہ کریں گے، تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ کس طرح کلیسا نے موجودہ عیسائیت کی مذہبی، سیاسی اور سماجی شناخت کو تشکیل دیا اور مسیحی فرقوں کے اختلافات کے نتیجے میں اس کی تاریخ پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اس یونٹ کے ذریعے عیسائیت کے عالمگیر پھیلاؤ، اس کے فرقوں کے مابین موجود کشمکش کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

56 رومی سلطنت کے سیاسی ورثے، عیسائیت کی بنیاد، شہنشاہی نظام کی طرف رجوع، اخلاقی بگاڑ، عیش و عشرت، اور طاقت و دولت کے تصور کے باہمی تعلقات کا تجزیہ کر سکیں۔

57 عیسائیت کی ابتدائی تشکیل، حضرت عیسیٰ کی تعلیمات، کلیسا کے قیام، اور اس کے دنیا میں پھیلاؤ کو مختصر طور پر بیان کر سکیں۔

58 رومی حکمرانوں کے عیسائیت سے خوف، قسطنطین کی حمایت، اور مسیحیت کی سرکاری سرپرستی کے آغاز کی تاریخ بیان کر سکیں۔

59 کلیسا کی تاریخ، تنظیم کی ترقی، فکری انتشار، اور فکری تسلط کے اثرات کا جائزہ پیش کر سکیں۔

60 کلیسائی درجہ بندی کا مفہوم، اس کے اختلافات کی وجوہات، عداوت، اور تاریخی اثرات کا جائزہ پیش کر سکیں۔

61 مسیحیت کی تاریخ میں کلیسائی اختلافات، ان کے سیاسی اور مذہبی اثرات، ابتدائی فرقوں کے عقائد، اور جدید

دور میں اتحاد کی کوششوں کا تجزیہ کر سکیں۔

62 مسیحیت کے فرقوں اور کلیساؤں کے باہمی اختلافات پر مسیحی حلقوں کی تنقید کا جائزہ پیش کر سکیں۔

رومی سلطنت کا سیاسی ورثہ اور عیسائیت کی بنیاد

عیسائیت کو سیاسی لحاظ سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ عظیم رومی سلطنت کا ایک اہم ورثہ ہے۔ جب روم نے جمہوریت چھوڑ کر بادشاہت کا نظام اپنایا، تو بحیرہ روم کے آس پاس کی آزاد قومیں ایک ایک کر کے روم کے زیرِ حکومت آ گئیں۔ اس سے ان قوموں کو آپس کی لڑائیوں سے نجات ملی اور امن قائم ہوا۔ رومی حکمرانوں نے اپنی کامیابیوں کو یادگار بنانے اور اپنی عظمت دکھانے کے لیے، مختلف علاقوں کے دیوتاؤں کو روم میں لا کر بسایا۔ ان دیوتاؤں کی عبادت کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی، جس سے ان اقوام کے دیوتاؤں کا اثر کم ہو گیا۔ مختلف جگہوں کے دیوتا ایک ہی جگہ جمع ہونے کی وجہ سے ان کا پرانا مقام اور اہمیت ختم ہو گئی۔ اس وقت لوگوں کے مذہبی عقائد پہلے ہی کمزور ہو رہے تھے، اور روم کے اس اقدام نے ان عقائد کو مزید متاثر کر دیا۔

ابتدائی تین صدیاں چرچ کے ابتلاء کا دور تھا۔ مسیحیت حضرت عیسی علیہ السلام سے موسوم تھی۔ جن کے بارے میں مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ رومن ایمپائر کا خاتمہ کر کے عالمی یہودی حکومت قائم کریں گے۔ اسی بناء پر اولین عیسائی رومی جارحیت کا شکار تھے، ان میں روم کے خلاف نفرت پائی جاتی تھی۔ ۱۳۲ء میں یہود نے رومی اقتدار کو ختم کرنے کے لئے ایک بار پھر مسلح جدوجہد کی تو عیسائی بھی اس میں شریک ہو گئے۔ ان حالات میں رومی حکمرانوں کو اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا کہ یہ نیا فرقہ مذہب کی آڑ میں ایک منظم سیاسی تحریک ہے جن کا مقصد رومن ایمپائر کو ختم کرتا ہے۔ حکومت کی طرف سے سختی شروع ہوئی کتابیں جلائی گئیں۔ قید و بند اور سختیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مذہبی اجتماعات پر پابندیاں لگیں۔ گرجے اور جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ عیسائیت سے برأت کے حلف نامے لئے گئے، مقدمات سے صرف وہ لوگ محفوظ رہ سکتے تھے جو فرار ہو جاتے یا کسی نہ کسی طرح حکومت سے یہ صداقت نامہ حاصل کر لیتے کہ شخص ملکی قانون کا پابند ہے۔[189]

روم میں واحد شہنشاہ کی طرف رجوع کا عمل

روم کی سلطنت میں جب تمام مفتوحہ علاقوں کے حکمران ختم ہو گئے اور ایک واحد شہنشاہ حکمران بن گیا، تو یہ بات زیادہ حیرت کی بات نہیں تھی کہ لوگوں نے مختلف دیوتاؤں کے بجائے ایک ہی معبود کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ روم میں ابتدا میں مرے ہوئے شہنشاہوں کو دیوتا کا درجہ دیا گیا، اور آہستہ آہستہ زندہ شہنشاہوں کو بھی خدائی درجہ دیا جانے لگا۔ دیوتاؤں کا

[189] Gibbon E, Decline and Fall of Roman Empire, London 1879, Vol. ii, P. 106-107

اضافہ اتنی آسانی سے ہونے لگا کہ لوگوں کے دلوں میں اس سے ایک اخلاقی اثر پیدا ہوا۔ جب کوئی نیا دیوتا عقیدت کا مرکز بن جاتا تو پرانے دیوتاؤں کی اہمیت کم ہو جاتی۔ ایشیا میں دیوتا آسمان سے زمین پر انسانی شکل میں ظاہر ہوتے تھے، جب کہ یورپ میں انسان زمین سے آسمان پر چڑھ کر دیوتاؤں میں شامل ہو جاتے تھے۔ روم میں مختلف مذاہب اور دیوتاؤں کی وجہ سے لوگوں کے عقیدے میں شک اور بداعتمادی بڑھنے لگی، اور یہ بداعتمادی کا اثر روم میں ہی پیدا ہوا تھا، نہ کہ یونان سے۔[190]

روم میں مختلف طبقوں نے ایک معبود کی طرف رجوع کرنے میں ایک جیسی رفتار سے حصہ نہیں لیا۔ تاجروں، قانون دانوں اور فوجیوں کو اپنے پیشوں کی وجہ سے زندگی کے مختلف حالات اور مشکلات کا زیادہ تجربہ تھا، اور ان کی ذہنی صلاحیت بھی زیادہ تھی، لہٰذا وہ سب سے پہلے اس تبدیلی سے متاثر ہوئے۔ اس کے بعد کسانوں اور مزدور طبقے نے اس رجحان کو اپنایا۔

روم میں اخلاقی بگاڑ اور عیش و عشرت کی زیادتی

جب رومی سلطنت طاقت اور سیاسی اثر و رسوخ کے لحاظ سے اپنی بلندی پر پہنچ گئی، تو اخلاقی طور پر وہ بگاڑ کا شکار ہو چکی تھی۔ روم کے لوگوں کی عیش و عشرت کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ ان کا اصول یہ تھا کہ زندگی کو مکمل لطف اندوزی کا ذریعہ بنا دیا جائے۔ پاکیزگی کو وہ صرف ایک اضافی چیز سمجھتے تھے، اور اعتدال کو خوشی کو طویل کرنے کا ایک طریقہ مانتے تھے۔ ان کے دستر خوان سونے چاندی کے برتنوں سے بھرے ہوتے تھے جن پر قیمتی جواہرات جڑے ہوتے تھے، اور نوکر زرق برق لباس میں ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے۔ رومی خواتین، جو اکثر پاکدامنی کی پابندیوں سے آزاد ہوتی تھیں، محفلوں میں دلکشی بڑھانے کا کام کرتی تھیں۔ بڑی بڑی گرم حمام گاہیں، خوبصورت تفریحی مقامات اور دنگل بھی ان کی عیاشی میں اضافے کا سبب تھے، جہاں پہلوان ایک دوسرے یا جنگلی جانوروں سے اُس وقت تک لڑتے رہتے جب تک کہ ایک ہمیشہ کے لیے ہار نہ جائے۔[191]

رومی طاقت اور دولت کا تصور

رومیوں نے تجربے سے یہ سیکھا کہ اگر کسی چیز کی عبادت کرنی چاہیے تو وہ طاقت ہے، کیونکہ اسی طاقت کے ذریعے وہ تمام وسائل اور مال و دولت حاصل کر سکتے تھے۔ جنگ میں کامیابی کے بعد ضبط شدہ مال و املاک اور صوبوں کے محصولات ان کے زور و قوت کی بدولت تھے، اور رومی سلطنت کا حکمران اس طاقت کا نشان تھا۔ یوں روم کے نظام میں ایک شان و شوکت تو

---

[190] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص133

[191] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص134

نظر آتی تھی، لیکن یہ سطحی نمائش کے مشابہ تھی، جیسے یونان کی قدیم تہذیب پر چڑھی چمک دمک۔

شام میں ابتدائی مسیحی برادری کی تشکیل

قدیم دور میں روم کے ایک مشرقی صوبے شام میں کچھ غریب لوگوں نے ایک مذہبی برادری قائم کی تھی جس کا مقصد انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا تھا۔ ان لوگوں کے اصول عالمگیر بھائی چارے پر مبنی تھے، جسے روم کی فتوحات نے تقویت دی تھی۔ یہ گروہ اور ان کے اصولوں پر حضرت عیسیٰ ابن مریم کی تعلیمات کے اثرات تھے۔

بنی اسرائیل کا مسیح موعود کا عقیدہ

اس زمانے میں بنی اسرائیل کا ایک عقیدہ تھا کہ ان کی قوم میں سے ایک نجات دہندہ پیدا ہوگا، جو ان کی گزر چکی عظمت اور کھوئی ہوئی شان و شوکت کو بحال کرے گا۔ حضرت عیسیٰ کے شاگردانہیں وہی مسیح موعود سمجھ کر ان پر ایمان لے آئے، جس کا ذکر پہلے کی کتابوں میں تھا۔ لیکن یہودی کاہنوں کو لگا کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات ان کے مفادات کے خلاف ہیں، لہٰذا انہوں نے حضرت عیسیٰ کی شکایت رومی گورنر سے کر دی، اور رومی گورنر نے کاہنوں کو خوش کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ کو موت کے حوالے کر دیا۔

حضرت عیسیٰ کی انسان دوستی پر مبنی تعلیمات

حضرت عیسیٰ کی انسان دوستی پر مبنی تعلیمات، جس میں انسانی بھائی چارے کا پیغام شامل تھا، ان کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں۔ ان کے پیروکار بکھرنے کے بجائے ایک گروپ کی صورت میں جڑ گئے۔ اس برادری میں ہر رکن اپنی جائیداد کا کچھ حصہ مشترکہ فنڈ میں شامل کر دیتا تھا، جس سے بیواؤں، یتیموں، غریبوں، اور بیماروں کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔

کلیسا کا قیام اور اس کی ترقی

اس برادری نے وقت کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے ایک نئی اور مضبوط جماعت کی شکل اختیار کر لی، جسے کلیسا کہا گیا۔ کلیسا کو ایک نئی تحریک اس لئے کہا جا سکتا ہے کیونکہ ایسی کوئی جماعت پہلے موجود نہیں تھی، اور مضبوط اس لئے کہ مختلف کلیساؤں نے اپنے مشترکہ مقاصد کے تحفظ کے لیے مل کر ایک نظام بنا لیا تھا۔ اس طرح عیسائیت کو سیاسی طاقت بھی ملنے لگی۔ روم کے جنگی تسلط کی بدولت دنیا میں امن قائم تھا اور مفتوح قوموں میں بھائی چارے کے خیالات فروغ پا رہے تھے، جس سے مسیحی تعلیمات کا پھیلاؤ آسان ہو گیا۔ یہ تحریک شام سے شروع ہو کر ایشیائے کوچک میں پھیلی اور قبرص، یونان، اور اٹلی سے ہوتی ہوئی مغربی علاقوں جیسے فرانس اور برطانیہ میں بھی پہنچ گئی۔ مسیحیت کے پیغام کو پھیلانے میں ان تبلیغ کرنے والوں نے بڑا کردار ادا کیا، جو ہر جگہ دین کی دعوت دیتے تھے۔ یہ ایسا طریقہ تھا جسے فلسفے کے قدیم مذاہب کے پیروکاروں نے کبھی نہیں اپنایا تھا۔

عیسائیت کی تبلیغ اور دنیا میں پھیلاؤ

عیسائیت کے پھیلاؤ میں اُس وقت کی سیاسی حالات نے بڑا کردار ادا کیا۔ آخر کار یہ نیا مذہب اُن تمام علاقوں میں پھیل گیا جن پر روم کی حکومت تھی۔ یروشلم، جو حضرت عیسیٰ کی زندگی سے جڑا ہوا تھا، کے بجائے روم عیسائی مذہب کا مرکز بن گیا، حالانکہ حضرت پطرس کی وہاں وفات مشکوک سمجھی جاتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود عیسائیت کا پرچم روم جیسے بڑے شہر پر لہرانا ہی موزوں سمجھا گیا۔

"سالہا سال تک مذہب عیسوی صرف تین اصولوں کی تلقین کرتا رہا یعنی حق اللہ، حق الذات اور حق العباد جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ خدائے بزرگ و برتر کی تعظیم و تکریم کرے۔ ذاتی طور پر نیک اور پاکباز ہو اور اپنے ابنائے جنس کے ساتھ بھلائی کرے۔"[192]

یعنی، لوگوں کو چاہیے کہ خدا کی تعظیم کریں، خود نیک بنیں اور دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ شروع میں، جب عیسائیت ایک کمزور مذہب تھا، اس نے نرمی اور انکسار سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ مگر جب عیسائیوں کی تعداد اور اثر بڑھا تو اس میں سیاسی طاقت کا عنصر شامل ہونے لگا، اور انہوں نے حکومت کے اندر اپنی الگ حیثیت بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ رجحان آج تک برقرار ہے اور عیسائیت کے پھیلاؤ کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔

رومی حکمرانوں کا عیسائیت سے خوف

رومی حکمرانوں نے عیسائیت کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو اپنی حکومت کے لیے خطرہ سمجھا اور فوجی طاقت سے اسے روکنے کی کوشش کی۔ 302-303 عیسوی کے موسم سرما میں کچھ عیسائی سپاہیوں نے دیوتاؤں کی پوجا اور ان کے نام پر قربانیاں دینے سے انکار کر دیا، جو کہ قدیم رواج تھا۔ یہ بغاوت بہت تیزی سے پھیلی، اور حالات اتنے خراب ہو گئے کہ قیصر دیوکلیشن کو خاص طور پر ایک مشاورتی مجلس بلانی پڑی کہ اس بحران کو کس طرح سنبھالا جائے۔

قیصر کی ملکہ اور بیٹی دونوں عیسائی تھیں، جس سے حالات اور بھی نازک ہو گئے۔ قیصر ایک عقل مند اور دور اندیش شخص تھا، اور اسے اندازہ تھا کہ اس بڑھتی ہوئی جماعت کا زور توڑنا ضروری ہے، مگر اس نے اپنے حکم میں خونریزی سے بچنے کی ہدایت بھی کی۔ تاہم، عوامی غصے کو قابو کرنا مشکل تھا، اور نتیجتاً نیکومڈیا کے گرجے کو تباہ کر دیا گیا۔

تیسری صدی کے اختتام تک عیسائیت ملک کے ہر خطے اور معاشرے کے ہر طبقے میں پہنچ چکی تھی لیکن ابھی تک

---

[192] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص136

رومن سلطنت میں غیر عیسائی رومن باشندے زیادہ تھے، جو مسیحیوں اور چرچ سے معاندانہ رویہ رکھتے تھے۔ ان حالات نے چرچ کو اپنی بقا کی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ابتلاء و مظلومیت کا یہ دور "نیرو" کے عہد سے لے کر "دیوکلشین" کے عہد تک رہا۔ اس کے بعد چرچ کے نمائندوں کو دربار میں جگہ ملنے لگی۔ انہیں عوام میں عزت میسر آئی۔ چرچ کے عہدے اتنے اہم ہو گئے ۔ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہونے لگی اور چرچ کے عہدیدار حصول اقتدار میں کوشاں ہوئے۔ چرچ کی بڑھتی ہوئی قوت کے سبب روم کے بت پرستوں کو اپنے مذہب کے بچاؤ کی فکر ہونے لگی۔ اس طور پر کلیسا نے علم و حکمت کا مبداء و منشاء بن کر اس کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور اس کے فیصلوں کی تکمیل کے لئے زور حکومت ہر وقت تیار رہنے لگا۔ اس طرز عمل نے اس کے آئندہ کارناموں پر جبر و تحکم کی مہر لگا دی اور ایک ہزار سال تک وہ یورپ کی دماغی ترقی کا سدراہ بنا رہا۔[193]

قسطنطین کی مسیحیت کی حمایت اور عیسائیت میں شرک کے اثرات

چوتھی صدی عیسوی کی ابتداء چرچ کے لیے سرکاری سرپرستی کا پیغام لائی۔ اس دور میں شہنشاہیت کے دعویداروں میں شدید خانہ جنگی شروع ہوئی۔ قسطنطین فاتح کی حیثیت سے ابھرنے لگا۔ ۳۰۰ء میں اس نے چرچ آف روم کو امان دی۔ جس سبب اسے افواج کی مکمل وفاداریاں میسر آ گئیں۔ چرچ نے پوری سلطنت میں ففتھ کالم کا کردار ادا کیا۔ ہر عیسائی پرچم کا شیدائی بنا اور آخر کار آنے والے چند برسوں نے قسطنطین کو بلا شرکت غیرے سلطنت روم کا شہنشاہ بنا دیا۔[194] 305 عیسوی میں ڈایوکلیشن نے اپنی مرضی سے تخت چھوڑ دیا۔ قسطنطین، جو اقتدار کے حریفوں میں سے تھا، نے دانشمندی سے مسیحیت کی حمایت کا اعلان کیا، جس سے مرد، عورتیں، بچے، اور بوڑھے سب اس کے حمایتی بن گئے اور اس کی خاطر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شاہی فوج میں موجود مسیحی سپاہی بھی قسطنطین کے ساتھ شامل ہو گئے۔ سلویا کے پل کے قریب ایک بڑی جنگ ہوئی جس میں قسطنطین کو مکمل فتح حاصل ہوئی، اور اس کے منصوبے کامیاب ہو گئے۔ بعد میں اس کے حریف میکسن اور لائسینس کی موت نے بھی اس کے اقتدار کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کر دیں، اور وہ قیصر کے تخت پر پہلی مسیحی حکمران کے طور پر بیٹھا۔ اب جو بھی فاتح جماعت میں شامل ہوا، اسے بڑے مرتبے ملنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیادار لوگ، جو مذہب کو اہمیت نہیں دیتے تھے، مسیحیت کے سب سے زیادہ جوشیلے حمایتی بن گئے۔ چونکہ یہ لوگ ظاہر میں عیسائی لیکن حقیقت میں بت پرست اور مشرک تھے، ان کے اثر سے عیسائیت میں بت پرستی اور شرک کے عناصر شامل ہونے لگے۔ قسطنطین، جو خود بھی انہیں میں سے تھا، نے کوئی

---

[193] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص 150

[194] عبدالقادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص 65

ایسا اقدام نہیں کیا جس سے اس منافقانہ رویے کو روکا جا سکے۔ اس نے اپنی پوری زندگی بداعمالیوں میں گزاری اور آخر کار 337 عیسوی میں زندگی کے آخری وقت میں کلیسا کے مذہبی اصولوں کو اپنانا شروع کیا۔ یہ وہ تبدیلیاں تھیں جو عیسائیت میں بیرونی اثرات کی وجہ سے شامل ہوئیں، اور ان کی وجہ سے عیسائیت کو بعد میں سائنس سے کشمکش کا سامنا کرنا پڑا۔[195]

ظفر علی خان لکھتے ہیں۔

"بہت سی رسموں کے ساتھ بت پرستوں اور پوپ روما کے پیروؤں کے توہمات کی اجزا سے لاینفک ہیں اور یہی نہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وہی مندر اور وہی بت جو ایک زمانہ میں جوپیٹر اور اس کی برادری کے دوسرے خناسوں سے نامزد تھے آج مریم عذرا اور دوسرے مسیحی اولیا سے منسوب ہیں۔ دونوں کی عبادت کی رسمیں اور کتبے ایک سے ہیں اور جو معجزے اور کرامتیں زمانہ سلف میں بت پرستوں کا منہاج ارادت تھیں وہی آج کے دن مسیحیوں کی عقیدت کی تکیہ گاہ ہیں۔ غرض کل کی کل بت پرستی مسیحیت میں منتقل ہو گئی ہے۔ دونوں کا مبدا و منشا ایک ہی اصول و فروع ایک ہیں۔ یہاں تک کہ قدیم و جدید اور بت پرست و مسیحی روما میں طریقہ عبادت کے لحاظ سے نہ صرف توافق بلکہ تطابق نام پایا جاتا ہے۔"[196]

مسیحیت کی سرکاری سرپرستی کا آغاز:

جب چوتھی صدی میں مسیحیت مسند شہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی تو ان مجالس کے احکام کی تعیل لازمی ہو گئی اور احکام کا نفاذ بزور حکومت ہونے لگا اس واقعہ نے کلیسا کی کایا ہی پلیٹ دی۔[197] قیصر قسطنطین کے عہد سے مسیحیت کا وہ دور شروع ہوتا ہے جب کہ اس نے مذہبی رنگ چھوڑ کر سیاسی رنگ اختیار کیا اور اسے دنیوی سلطنت حاصل کرنے کی فکر شروع ہوئی۔ اگرچہ ایک لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذہب کرتے کرتے بت پرستی کی شکل میں مسخ ہو گیا لیکن دوسرے اعتبار سے یہ کہنا بھی نادرست نہ ہو گا کہ اس نے ترقی کرتے کرتے قدیم یونانی اصنم پرستی کی نشو و نما پذیر فتہ صورت اختیار کر لی۔ یہ اصول کہ جب دو جسم آپس میں ٹکراتے ہیں تو دونوں کی صورت بدل جاتی ہے طبیعیات و عمرانیات دونوں پر یکساں صادق آتا ہے۔ بت پرستی نے مذہب عیسوی کے اصول میں تغیر پیدا کر دیا اور مذہب عیسوی نے بت پرستی کی ہئیت بدل دی۔ مصر میں جہاں قدیم الایام سے تثلیث کا زور رہا ہے مسیحی تثلیث کے معرکہ الارا مسئلہ کا چھڑنا ایک لازمی بات تھی۔ سب سے زیادہ اہم بحث اس مسئلہ میں یہ تھی کہ ابن اللہ ہونے کی حیثیت سے مسیح کا کیا درجہ قرار دیا جائے۔ اسکندریہ میں ان دنوں ایک پادری ایریس نامی رہتا تھا جو ایک دفعہ بشپ

---

[195] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص137

[196] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص149

[197] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص317

(اسقف) کی خدمت کا امیدوار تھا مگر محروم رہا۔ اس نے یہ بحث پیش کی کہ بلحاظ رشتہ فرزندی و پدری ضرور ہے کہ ایک وقت ایسا ہوا ہو جب کہ بیٹے کا وجود نہ تھا۔ اس لئے کہ باپ کی عمر بیٹے سے زیادہ ہونی چاہئے۔ پس حضرت مسیح نے یہاں تک حکم دے دیا کہ جس شخص کو اس کافر کی کوئی کتاب ملے اور وہ اسے جلا نہ ڈالے اس کی گردن ماری جائے۔ اسی طرح شہنشاہ تھیوڈوسیس اصغر کے زمانہ میں نسطور کو جلاوطنی کی سزا دے کر صحرائے افریقہ کے ایک دور دراز حصہ میں جہاں درختوں کے ایک جھنڈ اور پانی کے ایک چشمے کے سوا صدہا فرسنگ تک ریگ رواں اور سموم سوزان کا عمل تھا، بھیج دیا گیا۔[198]

کلیسا کی تاریخ

مسیحیت کے سیاسی و مذہبی پس منظر کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ عیسائیت کی ابتدا میں ہی فرقہ واریت اور اندرونی اختلافات نے جڑ پکڑ لی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد، عیسائیوں کے درمیان فرقے بننے شروع ہو گئے تھے۔ ان میں یہودی پیروکار اور غیر یہودی (جنہیں Gentiles کہا جاتا ہے) کے درمیان کشمکش جاری رہی۔ جیسے جیسے مسیحیت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، حضرت عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی چلی گئیں، اور لوگوں نے اپنے ذاتی خیالات و نظریات کے مطابق اپنے اپنے عقائد بنا لیے۔ عقائد میں اس کثرت نے مختلف فرقوں کو جنم دیا، اور ان فرقوں کے اندر بھی تقسیم در تقسیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر فرقے نے اپنی الگ کلیسا قائم کی اور خود کو حضرت مسیحؑ کی صحیح تعلیمات کا علمبردار قرار دیا، جبکہ دوسرے فرقوں کو بدعتی کہا۔ اس طرح یہ اختلافات رفتہ رفتہ عداوت اور دشمنی میں بدل گئے، اور مذہبی اختلافات کے ساتھ ساتھ اقتدار کی کشمکش نے بھی خوفناک جنگوں کو جنم دیا۔ یہ تمام فرقے اگرچہ عقائد میں ایک دوسرے کے مخالف تھے، لیکن ان میں ایک بات مشترک تھی: ان کی اندرونی نفرت اور عداوت، جس نے ہر فرقے کو دوسرے کا دشمن بنا رکھا تھا۔ اس طرح، سیاسی و مذہبی معاملات کی پیچیدگی اور فرقہ واریت کے اس اثر نے عیسائیت کو اندرونی طور پر تقسیم کر دیا، اور وقت کے ساتھ ان اختلافات میں شدت آتی گئی۔

کلیسا کی مختصر تاریخ

انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق "عیسائی عقیدے کے مطابق کلیسا کی اصطلاح ایک مکمل عیسائی مذہبی معاشرے یا ایک مکمل پیروکاروں کی تعظیم کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ چرچ کے لئے یونانی زبان میں بنیادی طور پر لفظ "اکلیسا" کا استعمال کیا جاتا ہے جو کہ اس زمانے میں شہریوں کے سرکاری اجتماع کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ خاص طور پر جب وہ مذہبی مقاصد کے لئے اکٹھے ہوتے

---

[198] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب و سائنس، ص150-151

تھے جیسا کہ عدالت کی سماعت کے لئے۔ کتاب پیدائش (9:1018:16) عہد نامہ جدید کے مطابق یہ پوری دنیا کی مسیحی برادری کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کتاب متی میں (16:18) یا کتاب اعمال (5:11) کے مطابق ایک مخصوص علاقے کے پیروکاروں کے لئے، یا پھر کتاب رومیوں (16:5) میں ایک مذہبی اجلاس کے لئے خاص قسم کے گھر کو "ہاؤس یا چرچ" کہا جاتا ہے"۔[199]

عیسائیت میں انگریزی لفظ "چرچ یونانی کلیسا (کلیسا) کا مترادف اور اپنی اصل کی طرح تین معنوں میں مستعمل ہے۔ چرچ یا کلیسیا کے ایک معنی تو

- اس عمارت کے ہیں، جہاں عیسائی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔
- دوسرے معنی عیسائی امت کے ہیں، جس میں تمام عیسائی خواہ وہ کسی قوم و ملک کے ہوں برابر کے شریک ہیں۔
- اور تیسرے معنی میں چرچ یا کلیسا عیسائیت کے مذہبی رہنماؤں کی وہ جماعت ہے جو مذہبی امور میں تمام عیسائیوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہے۔

عام زبان میں چرچ ایک مذہبی ادارہ ہے، جو عیسائیوں کے مذہبی معاملات کی نگرانی، رسوم کی ادائیگی، عبادت، روحانی رہبری اور مقدس عمارتوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔[200]

حضرت عیسیٰؑ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں مسیحیت فلسطین سے باہر رومی سلطنت کے مختلف شہروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں قائم ہو چکی تھی۔ دوسری طرف دوسری صدی عیسوی کے دوران ہی مخصوص حالات کے تحت یہ رجحان عام ہو گیا تھا کہ ہر علاقے کے مختلف شہروں کی عیسائی جماعتیں اپنے علاقے کے مرکزی شہر کے چرچ سے منسلک سبھی جانے لگی تھیں اور اس مرکزی شہر کا دینی سربراہ جو بشپ یا بطریق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اپنے پورے علاقہ کی تمام مقامی جماعتوں کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔[201]

کلیسا کی تنظیم میں ترقی:

مسیحیت کے ابتدائی سالوں میں کلیسائی نظام منظم نہیں تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ کلیسائی تنظیم میں ترقی ہوئی اور

---

[199] https://www.britannica.com/topic/church-Christianity Date accessed 03.11.2023

[200] عماد الحسن آزاد فاروقی، دنیا کے بڑے مذہب، ص208

[201] عبد القادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص61

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کلیسا ہی واحد منتظم ادارہ رہ گیا۔ول ڈیورانٹ کے مطابق "ہر کلیسا یا چرچ اپنے رہنمائی کے لیے ایک یا زیادہ پریسبیاٹروئی یعنی (بزرگ، پادری) منتخب کرتا، اور ان کی مدد کے لیے ایک یا زیادہ قاری، معاون، نائب پادری، اور ڈیکنز مقرر کرتا تھا۔ جب عبادت گزاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان کے معاملات پیچیدہ ہونے لگے، تو ہر شہر میں ایک پادری یا عوامی شخصیت کو اپیسکوپوس (نگران یا بشپ) منتخب کیا گیا تاکہ ان کے کام کو مربوط و منظم رکھا جاسکے۔ جیسے جیسے بشپس کی تعداد بڑھتی گئی، ان کی نگرانی اور ہم آہنگی اور باہمی رابطے کے لیے بھی اعلیٰ درجہ کی قیادت درکار ہوئی۔ چوتھی صدی میں ہمیں آرچ بشپس، میٹروپولیٹنز، یا پرائمیٹس کا ذکر ملتا ہے جو صوبے کے بشپس اور کلیساؤں کا انتظام سنبھالتے تھے۔ مجموعی طور پر پادریوں کے مراتب پدران کلیسا (پیتر یارکس) تھے، جو قسطنطنیہ، انطاکیہ، یروشلم، اسکندریہ، اور روم میں حکمرانی کرتے تھے۔"[202]

عماد الحسن فاروقی کلیسا کی تنظیم کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

، مقامی عیسائی جماعتوں کی نگرانی مقامی بشپ کے پر تھی، جو اپنے شہر اور اس کے اطراف واکناف کے عیسائیوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مقامی طور پر اس کی مدد کے لئے پادریوں اور ڈیکن (منتظم) کی جماعت ہوتی تھی، جو عبادات، وعظ و تلقین اور رفاہ عام کے کاموں میں بشپ کی مدد کرتے تھے۔ البتہ یہ تقریباً یقینی ہے کہ اگرچہ مقامی عیسائی جماعتوں کی سربراہ کا نظام کی کس طور پر ابتدا سے ہی موجود تھا، مگر ان سربراہوں کی باقاعدہ تعلیم اور نجات کا محض ان کے وسیلہ سے حاصل ہونے کا تصور پختہ طور پر دوسری اور تیسری صدی عیسوی تک ہی اپنی تکمیل کو پہنچ پایا تھا۔[203]

چرچ میں فکری انتشار:

جب شہنشا قسطنطین عالم مسیحیت کا مالک بنا تو اس کو سب سے بڑی ضرورت پوری مسیحی دنیا میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھی ۔ کیونکہ مصری، شامی، یونانی اور رومن چرچ ایک دوسرے سے سنگین اختلافات رکھتے تھے۔ ہر چرچ کے اپنے اعتقادات تھے جو جزو ایمان بن چکے تھے۔ اختلافات میں شدید ترین اختلاف عقیدہ تثلیث کی نوعیت اور عیسویت (Christology) پر تھا۔ ہر چرچ صرف خود کو مسیحی قرار دیتا تھا اور باقی ساری دنیا کو کافر۔ پس ہر چرچ کی فکر کے انداز جدا تھے ہر علاقے میں فرقہ بندی تھی۔ ابیانی Epionite اور نزارانی (Nazranes) فرقے حضرت عیسیٰؑ کو صرف نبی مانتے تھے ابن اللہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ناستک (Gnostic) فرقہ مسیح کی الوہیت کا سختی سے قائل تھا۔ دوسیطی فرقے کا عقیدہ تھا کہ مسیح کنواری ماں کے بطن سے پیدا ہونے

---

[202] Will Durant ,The Age of Faith, Vol.1 P. 45

[203] عماد الحسن آزاد فاروقی، دنیا کے بڑے مذہب، ص310

کے بجائے آسمان سے اترے تھے۔ مصر کے مفکر آریوس (Arius) نے تثلیث کا عقیدہ دیا تھا چرچ آف روم اسے کسی قیمت پر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔ آریوس نے فرزند کو مخلوق کہا سبیلیزم (Sabillianism) کے نزدیک فرزند اور خداوند پدر میں فرق تھا۔[204]

اس ذہنی انتشار کو دور کرنے کے لئے قسطنطین نے عالم مسیحیت کے تمام بشپ طلب کئے اور نیقیہ کے مقام پر ۳۲۵ء میں ایک عالمی مذہبی اجلاس منعقد کیا۔ یہ اجلاس دو ماہ جاری رہا، جب اعتقادات پر بحث ہوئی تو شدید قسم کے اختلافات سامنے آئے۔ عقیدہ تثلیث پر سب سے زیادہ بحث و مباحثہ ہوا۔ جب نظری اختلافات کی نوبت ہاتھا پائی تک پہنچی تو قسطنطین نے رومن چرچ کے عقیدہ تثلیث کے حق میں فیصلہ دے دیا، عالم مسیحیت پر رومن عقیدہ مسلط کر دیا گیا۔ بعد ازاں اس عقیدے کو بزور بازو نافذ بھی کروایا گیا اور اس کے نہ ماننے والوں پر شدید تنقید کے ساتھ ساتھ جلاوطنی کی سزا بھی مقرر کی گئی۔ قسطنطین کے عہد حکومت میں چرچ کو جو قوت نصیب ہوئی اس میں ہر روز اضافہ ہوتا گیا۔ جیسے جیسے روما سلطنت پر زوال آتا تھا چرچ کا غلبہ اسی مناسبت سے بڑھتا گیا۔ چرچ کے مخالفین کو ختم کرنے کیلئے محکمہ احتساب کا قیام عمل میں لایا گیا اور سخت قسم کی سزائیں دی جاتی تھیں تاکہ آئندہ دور میں بھی چرچ کے خلاف آواز نہ اٹھا سکے۔ ایک وقت آیا کہ چرچ اور سلطنت ایک دوسرے کے حریف ہو گئے، چرچ اور سلطنت باہم دست و گریبان رہے، پھر وہ وقت بھی آیا کہ سلطنت چرچ کی کنیز بن گئی۔ عہد وسطیٰ کے چرچ کے فیصلے میں مغرب کا ہر شعبہ حیات آ گیا۔ پھر وقت کے ساتھ چرچ کا اقتدار بڑھتا گیا۔ آٹھویں صدی عیسوی تک شہنشاہیت چرچ کی مرہون منت بن گئی۔ چرچ شہنشاہی عطا کرتا اور جس سے چاہتا شہنشاہی کو چھین بھی سکتا تھا۔ ایک ملک کو دوسرے ملک پر حملہ کرنے کا پروانہ عطا کرتا۔ کسی ملک میں امن قائم کرنا اور کسی ملک کا امن ختم کرنا وغیرہ جیسے کام کرنا اسکے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ دوسری طرف آٹھویں صدی عیسوی تک فرانسیسی قبائل کے سرداروں میں سے ایک خاندان وسطیٰ اور مغربی یورپ کے بہت بڑے علاقہ پر جس میں موجودہ فرانس بھی شامل تھا، اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس خاندان کے پہلے بادشاہ پیپن نے اپنی تاج پوشی عیسائی کلیسا کے سربراہ اعلیٰ پوپ سے کرائی اور کلیسا اور فرانسیسی ریاست کے درمیان تعلق کی بنیاد رکھی، جس نے پیپن رومی سلطنت کا وارث اور عیسائی کلیسا کے سرپرست کی حیثیت سے مقدس رومی سلطنت کا دعویدار بنا دیا۔ تخت فرانس اور عیسائی کلیسا کے اس تعلق کا ایک اہم نتیجہ یہ بھی نکلا کہ حکومت فرانس نے بروز شمشیر اٹلی کے لومبارڈ قبائل کو ہٹا کر شہر روم اور

---

[204] عبدالقادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص 61

اس کو نواح میں پوپ کی براور است حکومت کے لئے ریاست کی بنیاد ڈال دی۔[205]

کلیسا کا فکری تسلط:

اس زمانے میں علم فکر پر کلیسا کا قبضہ تھا۔ ہر علم جس کا سرچشمہ "کلیسا" نہ ہوتا ممنوع قرار دیا جاتا تھا، علوم صرف وہی قابل قبول ہوتے تھے جن کو کلیسا کی سند حاصل ہوتی تھی۔ فکر کا محور مذہب اور چرچ تھا۔ کتابیں سختی کے ساتھ سنسر کی جاتی تھیں سنسر شپ کا اختیار کلیسا ہی کے پاس تھا۔ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے۔ اسکندریہ کا کتب خانہ جس میں اندازاً سات لاکھ کتابیں تھیں جولیس سیزرز (۴۴-۵۰) ق م کے حکم سے برباد کر دیا گیا اور اس کے نصف کتابیں جلادی گئیں۔[206] قرون وسطی میں راہباؤں کی علمی سرگرمیاں یہ تھیں کہ وہ یونان ورومانی کتابیں جلا کر ان کی جگہ مسیحی اولیاء کی داستانیں رکھ دیتے تھے۔[207] سپین میں مسلمانوں کے بڑے بڑے ثقافتی مرکز چار تھے۔ قرطبہ غرناطہ اشبیلیہ اور طلیطلہ (نالیڈو)۔ ہر مرکز میں عظیم الشان کتب خانے تھے۔ جنہیں پادریوں نے جلادیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشپ زمنیز (Xminese) (۱۴۳۷-۱۵۱۷ء) نے مسلمانوں کو اسی ہزار کتابیں سپرد آتش کیں۔[208]

انگلستان کا ایک مورخ سٹرلنگ لکھتا ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں راہبوں کے گروہ جابجا گھومتے نظر آتے تھے۔ یہ جہاں بھی کوئی کتاب یا آرٹ کا کوئی نمونہ پاتے اسے جلادیتے تھے۔[209] غرض یہ کہ کلیسا نے خود کو مختار کل مان لیا تھا جو چاہے کر سکتا تھا۔ ہر طرح کے اختیارات اس کے پاس تھے حتی کہ عقائد کو بھی تبدیل کر سکتا تھا۔ کلیسا خود کو تنقید سے بالاتر تصور کرتا تھا۔ ان حالات کا نتیجہ مطلق العنانیت کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس مطلق العنانیت کے باعث کلیسا کے ہر شعبہ اور ہر طبقے میں بدعنوانی کا عنصر شامل ہوتا گیا۔ اور جب معاشرے نے کلیسا کے قائم کردہ نظام کو ارتقائی تقاضوں کی تکمیل میں معاون نہ پایا تو اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ کلیسا نے ان مطالبات اور مطالبات کرنے والوں سختی سے دبایا۔ اس سختی سے مذہبی اصلاح کی تحریکوں میں شدت پیدا ہوئی۔ چرچ نے صدیوں تک فکر انسانی پر پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد آزادی فکر کے حامیوں نے چرچ پر شدید حملے کئے۔ پاسکل اور میکیاولی نے معاشرے کی تمام بدعنوانیوں کا ذمہ دار چرچ کو ٹھہرایا۔ مسیحی خانقاہی نظام، رہبانیت،

---

[205] عماد الحسن آزاد فاروقی، دنیا کے بڑے مذہب، ص314

[206] مولانا ظفر علی خان، معرکہ مذہب وسائنس، ص146

[207] رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت، مترجم عبدالماجد سالک، مجلد ترقی ادب، کلب روڈ، ص228

[208] رابرٹ بریفالٹ، تشکیل انسانیت، مترجم عبدالماجد سالک، مجلد ترقی ادب، کلب روڈ، ص266

[209] غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، یورپ اور اسلام کے احسان، غلام علی پرنٹرز، ص94

تجرد، تبرکات کی پرستش، کلیسا، پوپ عیسائی عقائد غرض سب کچھ تنقید کی زد میں آیا۔ کلیسا کو یکسر تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہونے گئی۔ لوتھر اور اس کے ساتھیوں نے مل کر سولہویں صدی میں کلیسا کے خلاف ایک مکمل تحریک چلائی۔ پوری عالم مسیحیت کو اس تحریک نے متاثر کیا اور اس تحریک نے کلیسا کی اصطلاح میں اہم کردار ادا کیا۔

کلیسائی درجہ بندی کا مفہوم

کلیسائی درجہ بندی دراصل مختلف مسیحی فرقوں کے درمیان ایک نظام ہے، جس میں یہ فرقے اپنے مذہبی عقائد، تعلیمات، اور عمل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ درجہ بندی عموماً نظریاتی اختلافات، سماجی عوامل، اور مذہبی روایات کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ پہلی صدی عیسوی میں مسیحیت کی بنیاد رکھی گئی، اور ابتدائی کلیساؤں میں ایک ہی مرکزیت تھی۔ تاہم، جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، مختلف خطوں اور ثقافتوں میں مسیحی عقائد میں فرق پیدا ہوا۔ یہ فرق مختلف مسیحی فرقوں کی تشکیل کی بنیاد بنے۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ جب کلیساؤں نے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی انفرادیت قائم کرنے کی کوشش کی تو ان کے پیروؤں میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ بعد ازاں یہ نظری اختلافات عداوت اور دشمنی میں تبدیل ہو گئے۔ کلیسائی درجہ بندی کا عمل مسیحی تاریخ میں ایک اہم واقعہ ہے جو مختلف کلیساؤں کی علیحدگی اور ان کے درمیان موجود نظریاتی اختلافات کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ درجہ بندی مختلف عوامل کی بنا پر وجود میں آئی، جن میں مذہبی عقائد، روایات، اور قیادت کے طریقے شامل ہیں۔

اختلافات کی وجوہات

کلیسائی درجہ بندی کے عمل کی کئی وجوہات ہیں، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

(نظریاتی اختلافات) مختلف کلیساؤں کے درمیان عقائد، اصولوں اور تعلیمات میں فرق، جیسے کہ تثلیث (Trinity)، نجات کے طریقے، اور گناہ کی نوعیت۔ یہ نظریاتی اختلافات بعض اوقات اتنے شدید ہو جاتے تھے کہ فرقے ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے تھے۔

(سماجی اور ثقافتی عوامل) مختلف معاشرتی اور ثقافتی پس منظر کی وجہ سے ہر فرقے کی شناخت، عبادت کے طریقے، اور مذہبی رسومات مختلف ہو گئیں۔ مثلاً، مغربی اور مشرقی کلیساؤں میں ثقافتی فرق نے ان کے عقائد میں نمایاں تبدیلیاں کیں۔

(پالیسی اور قیادت) بعض اوقات، کلیسائی حکام کی جانب سے اختیار کردہ مختلف پالیسیوں اور قیادت کے انداز نے بھی فرقہ بندی کو بڑھایا۔ بعض فرقے ایک مخصوص رہنما یا عقیدہ کی پیروی کرنے کے لیے خود کو علیحدہ کر لیتے تھے۔

عداوت اور دشمنی

کلیسائی درجہ بندی کے نتیجے میں اختلافات نہ صرف نظریاتی رہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ عداوت اور دشمنی میں بھی تبدیل ہو گئے۔ یہ عداوت مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئی، جیسے:

(لڑائیاں اور متشدد تنازعات) مختلف فرقوں کے پیروکاروں کے درمیان مذہبی جنگیں، جیسے کہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان ہونے والی جنگیں، جو یورپ کی تاریخ میں نمایاں ہیں۔

(معاشرتی تناؤ) معاشرتی سطح پر، مختلف فرقوں کے درمیان عدم اعتماد اور دشمنی نے مذہبی اور سماجی تناؤ کو جنم دیا، جس کے نتیجے میں کئی بار مذہبی امتیاز اور تشدد بھی ہوا۔

(مذہبی رواداری کی کمی) کلیسائی درجہ بندی نے مذہبی رواداری کو متاثر کیا، جس کی وجہ سے مختلف فرقوں کے پیروکار ایک دوسرے کے عقائد کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

کلیسائی درجہ بندی کے تاریخی اثرات

کلیسائی درجہ بندی کے عمل کے کئی تاریخی اثرات ہیں:

- **(فرقوں کی تشکیل)** یہ عمل مختلف مسیحی فرقوں کی تشکیل کا سبب بنا، جیسے کہ کیتھولک، پروٹسٹنٹ، اور آرتھوڈوکس۔
- مذہبی آزادی : کلیسائی درجہ بندی نے مختلف فرقوں کے پیروکاروں کے درمیان مذہبی آزادی کے مطالبات کو بھی جنم دیا، جس نے بعد میں مذہبی آزادی کے نظریات کی بنیاد رکھی۔
- **(سماجی ترقی)** مختلف فرقوں کی علیحدگی نے معاشرتی ترقی کے نئے راستے کھولے، جہاں لوگ اپنی اپنی شناخت اور عقائد کے تحت زندگی گزارنے لگے۔

کلیسائی درجہ بندی کا یہ عمل مذہبی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا، جس نے نہ صرف مختلف فرقوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اس کے سماجی، ثقافتی، اور سیاسی نتائج بھی نکلے۔ موجودہ دور میں بھی، یہ نظریاتی اختلافات اور عداوتیں کئی مسیحی فرقوں کے درمیان موجود ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ مسیحیت میں تاریخی مذہبی فرقہ واریت کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔

کلیساؤں کے باہمی اختلافات اور مسیحیت کی تاریخ کا تجزیہ

مسیحیت کی تاریخ میں مذہبی اختلافات، عقائد میں فرق، اور اقتدار کی جدوجہد ہمیشہ سے اہم موضوعات رہے ہیں۔ ابتدا میں مسیحیت ایک باقاعدہ مذہبی ڈھانچے کے بغیر تھی، اور اس کے ماننے والوں کے پاس واضح ضابطہ یا نظام عمل موجود نہیں تھا۔ ابتدائی مسیحی رہنما پولوس (St. Paul) کی تعلیمات میں مذہبی اصول زیادہ تھے، مگر حکومت و سیاست کی رہنمائی نہیں کی گئی

تھی۔ مسیحیت کا زور دنیاوی امور سے ہٹ کر روحانیت اور اخروی نجات پر تھا، جس کی وجہ سے حکومتی نظم و نسق کے بارے میں کوئی واضح رہنمائی موجود نہ تھی۔

سیاسی اثرات اور اختلافات کی شروعات

- **(قسطنطین کا دور)** مسیحیت کا باضابطہ ریاستی مذہب بننا 313ء میں رومی شہنشاہ قسطنطین اول کے ذریعے ہوا۔ قسطنطین نے مسیحیت کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا، جس کے بعد سے مذہب اور سیاست کے درمیان تعلقات میں تبدیلیاں آئیں۔ اس تبدیلی کے ساتھ ہی مسیحی دنیا میں کئی مسائل اور تنازعات نے جنم لیا۔
- **(ضابطے کی کمی)** مسیحیت میں باضابطہ قوانین یا اصول نہ ہونے کی وجہ سے ابتدائی حکمرانوں اور مذہبی رہنماؤں کو اپنے نظریات اور تشریحات کے مطابق دینی اور سیاسی امور سرانجام دینا پڑے، جس سے مذہب میں مختلف فرقے بننے لگے۔

ابتدائی فرقے اور عقائد میں اختلافات

- **(مسیحیت میں پہلی بڑی تقسیم)** مشرقی (بازنطینی) اور مغربی (رومی) کلیسا کے درمیان ہوئی، جسے گریٹ شزم (Great Schism) کہا جاتا ہے اور یہ 1054ء میں واقع ہوئی۔ اس اختلاف نے مشرقی آرتھوڈوکس چرچ اور رومن کیتھولک چرچ کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔
- **(مذہبی رسوم و عبادات میں فرق)** دونوں کلیساؤں میں مذہبی رسومات، عقائد، اور قیادت کے معاملات پر مختلف نظریات سامنے آئے، جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو دائرہ ایمان سے خارج سمجھنے کا رجحان بڑھنے لگا۔

پروٹسٹنٹ تحریک اور کلیسائی تقسیم

- **(16ویں صدی میں مارٹن لوتھر)** کی اصلاحی تحریک نے پروٹسٹنٹ کلیسا کی بنیاد رکھی، جو رومن کیتھولک چرچ کے رد عمل میں ظہور پذیر ہوا۔ اس تحریک نے مسیحیت کو مزید فرقوں میں تقسیم کر دیا، اور اس سے انگلینڈ، جرمنی، اور دیگر یورپی ممالک میں عیسائیوں کے درمیان فرقے وجود میں آئے۔
- **(کلیسائے انگلستان کی علیحدگی)** ہنری ہشتم کے دور میں انگلینڈ میں کلیسا کو رومی کیتھولک چرچ سے الگ کر دیا گیا، جس سے چرچ آف انگلینڈ (Church of England) کی بنیاد رکھی گئی۔

مسیحی مذہبی اختلافات کے نتیجے میں جنگیں اور نفرتیں

- **(صلیبی جنگیں)** مسیحیت کی تاریخ میں اختلافات کے نتیجے میں کئی جنگیں اور تنازعات ہوئے، جن میں مشہور ترین

کروسیڈز یا صلیبی جنگیں ہیں جو مسلمانوں کے خلاف لڑی گئیں۔ اس کے علاوہ یورپی ممالک میں خود مسیحیوں کے درمیان بھی کئی مذہبی جنگیں ہوئیں، جیسے فرانس کی ہگنوٹ جنگیں اور تھرٹی ایئر وار۔

- **(سماجی اقدار اور اصولوں کی خلاف ورزی)** ان جنگوں میں اخلاق و انسانیت کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کیا گیا اور تشدد کے ہولناک طریقے اختیار کیے گئے۔

جدید دور میں کلیسائی اتحاد کی کوششیں

- اگرچہ صدیوں تک مسیحیت میں فرقہ بندی اور نفاق کی خلیج بڑھتی گئی، مگر جدید دور میں مسیحیت کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کی کوششیں بھی دیکھی جاتی ہیں۔ ایکومنیکل موومنٹ (Ecumenical Movement) جیسے اقدام کے ذریعے مسیحی فرقوں میں مصالحت کی راہ ہموار کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

عیسائیوں کے آپس کے جھگڑوں کو ایک پادری اس طرح بیان کرتا ہے۔

"گو ابتداء سے کلیسا میں تفرقہ بندی چلی آرہی ہے۔۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد یگانگت پیدا ہو گئی تھی۔ اب تفرقہ بندی میں صدیاں گزر چکی ہیں نفاق کی خلیج بڑھتی ہی جاتی ہے۔۔ اول الذکر مشرق و مغرب (یعنی بازنطینی اور روی کلیسا) کی تفریق ہے جو بارہویں صدی سے جاری ہے اور موخر الذکر وہ فرقہ بندی ہے جس نے کلیسائے روم کو انگلستان، جرمنی اور دیگر یورپی ممالک کی کلیساؤں میں بانٹ دیا ہے۔ اس تفرقہ بندی کو چار سو برس گزر چکے ہیں۔ ہر علاقہ کا کلیسا اپنے آپ کو کامل خودی در ایمان کا محافظ مسائل کا پاسدار اور خطا سے پاک سمجھتا ہے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے ہم چوں ما دیگرے نیست (یعنی کہ مجھ جیسا کوئی نہیں)۔[210] مسیحیت کی تاریخ میں فرقہ بندی، مذہبی اور سیاسی اختلافات، اور جنگیں ایک گہرا اثر چھوڑ چکی ہیں۔ مذہب کا یہ پہلو جدید دور میں مختلف مسیحی فرقوں کے درمیان مکالمے اور مصالحت کی کوششوں کے ذریعے حل کیا جا رہا ہے۔ فرقہ واریت اور مذہبی اختلافات کی مسیحیت کی تاریخ پر گہری چھاپ ہے، اور خود مسیحی دانشور اور رہنما اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ فرقہ بندی نے مسیحی پیغام اور اخلاقیات کو نقصان پہنچایا۔ مسیحیت کے مختلف فرقے اور گروہ ایک دوسرے پر تنقید کرتے رہے ہیں، مگر ایکومنیکل موومنٹ جیسے اقدامات سے مسیحی دنیا میں اتحاد اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ مسیحیت کے مختلف فرقوں اور ان کے اختلافات پر خود مسیحی حلقوں میں تنقید کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے۔ یہ تنقید مختلف پہلوؤں سے کی گئی ہے، جن میں مذہبی نظریات میں اختلافات، حکومتی اثر و رسوخ، فرقہ وارانہ جنگیں، اور اجتماعی مسیحی اقدار سے انحراف شامل ہیں۔

---

[210] تاریخ کلیسائے رومۃ الکبریٰ، ص 63

مسیحیت کے فرقوں پر مسیحی حلقوں کی تنقید

1. فرقہ وارانہ تقسیم اور اتحاد کا فقدان

- پیٹر براؤن، ایک ممتاز مسیحی مورخ، اپنی کتاب The Rise of Western Christendom میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی مسیحی دور سے ہی کلیسائی تقسیم نے عیسائیوں کے درمیان نفاق کو فروغ دیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح 1054ء کی عظیم تقسیم نے مشرقی اور مغربی کلیساؤں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور بعد کے ادوار میں دونوں گروہ ایک دوسرے پر تنقید کرتے رہے۔

2. پروٹسٹنٹ تحریک پر کیتھولک چرچ کی تنقید

- رومن کیتھولک چرچ نے ہمیشہ پروٹسٹنٹ تحریک پر تنقید کی ہے، خاص طور پر مارٹن لوتھر اور جان کیلون کے نظریات کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ 1545ء میں منعقد ہونے والی کونسل آف ٹرینٹ (Council of Trent) میں رومن کیتھولک چرچ نے پروٹسٹنٹ نظریات کی مذمت کی اور انہیں بدعت قرار دیا۔ کونسل کے مطابق، پروٹسٹنٹ تحریک نے مسیحیت کے حقیقی پیغام کو نقصان پہنچایا اور چرچ کے بنیادی اصولوں سے انحراف کیا۔

3. مسیحی تاریخ میں جنگوں اور تشدد پر تنقید

- رولینڈ بینٹن اپنی کتاب Christianity in the West میں بیان کرتے ہیں کہ کس طرح مسیحی فرقوں میں آپس کی جنگوں اور جھگڑوں نے مسیحی اقدار کو نقصان پہنچایا۔ بینٹن کے مطابق، صلیبی جنگیں اور تھرٹی ایئر وار جیسے واقعات نے عیسائیوں کے درمیان نفرت کو بڑھایا اور مسیحیت کو بطور امن کا مذہب پیش کرنے میں رکاوٹ بنے۔
- Rethinking Christianity میں آلڈن میڈ کہتے ہیں کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک گروہوں کی جنگوں میں شامل ہولناک تشدد نے غیر مسیحی دنیا میں عیسائیت کے پیغام کو مسخ کر دیا۔

4. فرقوں کے نظریاتی تضادات پر مسیحی رہنماؤں کی تنقید

- C.S. Lewis، جو کہ ایک معروف مسیحی دانشور ہیں، نے اپنی کتاب Mere Christianity میں عیسائی فرقوں کے نظریاتی تضادات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فرقہ بندی نے مسیحی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیچیدہ اور متضاد بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے لوگ اصل پیغام سے دور ہو جاتے ہیں۔
- Faith and Order نامی کتاب میں اولیور کیلی لکھتے ہیں کہ مختلف کلیساؤں کے درمیان عقائد اور رسومات میں اختلافات نے مسیحیت کی عالمگیر وحدت کو نقصان پہنچایا ہے۔ انہوں نے اس پر زور دیا کہ ایک مضبوط اور متحد عیسائی

اتحاد کے بغیر مسیحیت اپنے بنیادی پیغام کو کھو سکتی ہے۔

.5 ایکومنیکل موومنٹ اور فرقہ بندی کی مذمت

- ایکومنیکل موومنٹ (Ecumenical Movement) کے قیام کا مقصد مختلف مسیحی فرقوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا تھا۔ 20ویں صدی میں اس تحریک کے تحت مختلف مسیحی رہنماؤں نے فرقہ وارانہ تقسیم کو عیسائی اقدار کے خلاف قرار دیا اور اس بات پر زور دیا کہ عیسائی فرقے اپنے اختلافات کو ختم کریں اور امن و محبت کا پیغام عام کریں۔
- The Ecumenical Movement: An Anthology میں بیان کیا گیا ہے کہ 1948ء میں ورلڈ کونسل آف چرچز کے قیام کے وقت کئی مسیحی رہنماؤں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ ماضی میں کلیساؤں کی فرقہ وارانہ تقسیم اور آپس کی جنگوں نے مسیحی اصولوں کو نقصان پہنچایا ہے اور اس کے خلاف متحد ہو کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

کلیساؤں کے باہمی اختلافات:

مسیحیت ایک باقاعدہ مذہب نہیں تھا مسیحیت کے پاس کوئی بھی ضابطہ قانون اور دستور عمل موجود نہ تھا۔ پولوسی مسیحیت کو سیاست و تمدن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دنیا کی حکمرانی کے لئے مسیحیت نے اپنے پیروکاروں کے لئے کوئی رہنمائی نہ کی تھی۔ مگر جب اتفاق سے ان پر سلطنت کی ذمہ داریاں آپڑیں تو ان کے پاس کسی بھی قسم کا ضابطہ اخلاق موجود نہیں تھا۔ اس لئے اس جہانبانی و حکمرانی کو شریعت نفس کے مطابق سرانجام دینا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے خدا کی زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا۔ ابتداء سے ہی مسیحیوں میں دین کے نام پر تفرقے پڑ گئے۔ ان میں گروہ بندیاں ہوئیں۔ وہ ایک دوسرے کو دائرہ مذہب سے خارج کرنے لگے۔ اس میں نہ بادشاہوں کی تخصیص تھی، نہ پوپوں کی نہ عوام کی۔ ان کے عقائد، عبادات، رسومات اور تعلیمات فرض سب باتوں میں اختلاف ہوتا گیا اور یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے دشمنی اور عداوت میں تبدیل ہو گیا۔ مذہبی اختلافات کے علاوہ اقدار کا بھی مسئلہ تھا جس کے حصول کے لیے عیسائی ملکوں میں خوفناک جنگیں ہوئیں۔ مسیحیت کی تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مسیحیت قسطنطین کے دور سے لے کر موجودہ دور تک اختلافات، تضادات کشمش، افسوس ناک اور سنگین جنگوں کا مذہب رہی ہے۔ مسیحیوں اور غیر مسیحیوں اور خود مسیحیوں میں باہم اس قدر لڑائیاں ہوئی ہیں، ان میں اخلاق و انسانیت کے مبادی و اصول کو بالائے طاق رکھ کر ہولناک و وحشیانہ طریقے اختیار کئے گئے۔

خودآزمائی

1 رومی سلطنت کے سیاسی ورثے، عیسائیت کی بنیاد، شہنشاہی نظام کی طرف رجوع، اخلاقی بگاڑ، عیش و عشرت،اور طاقت ودولت کے تصور کے باہمی تعلقات کا تجزیہ کریں۔

2 عیسائیت کی ابتدائی تشکیل، حضرت عیسیٰ کی تعلیمات، کلیسا کے قیام،اور اس کے دنیامیں پھیلاؤ کو مختصر طور پر بیان کریں۔

3 رومی حکمرانوں کے عیسائیت سے خوف، قسطنطین کی حمایت،اور مسیحیت کی سرکاری سرپرستی کے آغاز کی تاریخ بیان کریں۔

4 کلیسا کی تاریخ، تنظیم کی ترقی، فکری انتشار،اور فکری تسلط کے اثرات کا جائزہ پیش کریں۔

5 کلیسائی درجہ بندی کا مفہوم،اس کے اختلافات کی وجوہات، عداوت،اور تاریخی اثرات کا جائزہ پیش کریں۔

6 مسیحیت کی تاریخ میں کلیسائی اختلافات،ان کے سیاسی اور مذہبی اثرات، ابتدائی فرقوں کے عقائد،اور جدید دور میں اتحاد کی کوششوں کا تجزیہ کریں۔

7 مسیحیت کے فرقوں اور کلیساؤں کے باہمی اختلافات پر مسیحی حلقوں کی تنقید کا جائزہ پیش کریں۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں،مزید تفصیل کے لئے فٹ نوٹس میں مذکور ماخذ و مصادر سے رجوع کریں۔

یونٹ:9

پروٹسٹنٹ اصلاحات اور کلیسائی بحران: اثرات اور چیلنجز

مؤلف: ڈاکٹر حافظ محمد فاروق عبداللہ
نظر ثانی: ڈاکٹر حافظ محمد سجاد،
ڈاکٹر محمد عبداللہ،
ڈاکٹر غلام شمس الرحمان

فہرست

یونٹ کا تعارف 180

یونٹ کے مقاصد 180

پاپائیت کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ 181

پوپ اور حکمرانوں کے درمیان کشمکش 182

پوپ کے انتخاب کا طریقہ 182

کلیسا کا سائنس کی مخالفت پر مبنی تاریخی طرز عمل: 184

کیتھولک چرچ میں مغفرت ناموں کی تجارت:- 186

مارٹن لوتھر (Martin Luther) 191

لوتھر کی ابتدائی زندگی اور خوف 191

تعلیم اور کلیسا کے خلاف رد عمل 192

مشہور 95 تھیسس اور احتجاجی تحریک 192

لوتھر کی تعلیمات اور عقائد 192

مسیحیت پر لوتھر کے اثرات 193

پروٹسٹنٹ ازم (Protestantism) کا وجود اور مسیحی عقائد پر اثرات 193

پروٹسٹنٹ ازم کی بنیاد 193

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد میں فرق 194

پروٹسٹنٹ اصلاحات کے اثرات اور مسلم نقطہ نظر 195

چرچ میں اخلاقی تنزل کے نتیجے میں خرابیاں اور نتائج 195

.1 مغفرت ناموں (انڈلجنس) کی فروخت 196

.2 چرچ کی سیاسی طاقت اور پاپائی نظام کی بدعنوانیاں 196

.3 پادریوں کی غیر اخلاقی زندگی اور عیش و عشرت 196

.4 تعلیم اور اصلاحات کی مخالفت 196
.5 مذہبی رسوم ورواج پر حد سے زیادہ زور 196
ان خرابیوں کے نتائج 197
پروٹسٹنٹ اصلاحات:..... 197
چرچ اور ریاست میں دوری 197
سائنسی اور علمی ترقی کی راہ ہموار:..... 197
مذہب پر اعتماد کا فقدان 197
عیسائی دنیا کی تقسیم:..... 197
خود آزمائی..... 203
جوابات 203

یونٹ کا تعارف

یورپی تاریخ کے تناظر میں کلیسا اور پاپائیت کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ ڈیڑھ ہزار سالہ پاپائیت کی تاریخ نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی اور سماجی معاملات میں بھی گہرے اثرات مرتب کرتی رہی۔ پوپ اور حکمرانوں کے درمیان طاقت کی کشمکش، کلیسا کی سیاسی بدعنوانیاں، اور علمی و سائنسی ترقی کی مخالفت جیسے عوامل نے عیسائی دنیا میں اصلاحات اور تبدیلی کی راہ ہموار کی۔ مغفرت ناموں کی تجارت، پادریوں کی غیر اخلاقی زندگی، اور مذہبی رسوم و رواج پر غیر ضروری زور جیسے مسائل نے کلیسا کے اخلاقی معیار کو متاثر کیا۔ مارٹن لوتھر کی 95 تھیسس نے احتجاجی تحریک اور پروٹسٹنٹ ازم کی بنیاد رکھی، جس نے مسیحیت کو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد میں تقسیم کر دیا۔ جدید دور میں چرچ کو ہم جنس پرستی اور اخلاقی اصولوں سے انحراف جیسے چیلنجز کا سامنا ہے، جو نہ صرف چرچ کی ساکھ کو متاثر کرتے ہیں بلکہ مسیحی عقائد پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اس یونٹ ان تاریخی اور معاصر پہلوؤں کا جامع تجزیہ پیش کیا جائے گا، جن کی وجہ سے مسیحی عقائد میں تحریف ہوئی، اور دور جدید کی مسیحیت میں بائبل کی تعلیمات سے انحراف کے بعد نئے سیاسی و سماجی مسائل پیدا ہوئے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. پاپائیت کی تاریخی اہمیت، پوپ کے انتخاب کے طریقہ کار، اور حکمرانوں کے ساتھ اس کے تعلقات اور کشمکش کا تجزیہ کر سکیں۔
2. کلیسا کے سائنس کی مخالفت اور مغفرت ناموں کی تجارت جیسے تاریخی طرز عمل کا جائزہ پیش کر سکیں۔
3. مارٹن لوتھر کی زندگی، تعلیمات، کلیسا کے خلاف رد عمل، احتجاجی تحریک، اور مسیحیت پر اثرات کا تجزیہ پیش کر سکیں۔
4. پروٹسٹنٹ ازم کی بنیاد، اس کے مسیحی عقائد پر اثرات، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد کے فرق، اور پروٹسٹنٹ اصلاحات کے اثرات کو مسلم نقطہ نظر سے بیان کر سکیں۔
5. چرچ میں اخلاقی تنزل، بدعنوانیوں، مذہبی رسوم پر زور، اور ان کے نتائج، بشمول پروٹسٹنٹ اصلاحات، چرچ اور ریاست کی علیحدگی، علمی ترقی، اور عیسائیت کی تقسیم کا تجزیہ کر سکیں۔
6. عیسائیت اور روشن خیالی کی تحریک کے پس منظر اور تعارف کی روشنی میں واضح کر سکیں کہ اسلام اور مسیحیت اپنی مشترکہ اقدار کی بنیاد پر کس طرح جدید دور میں مذہب کے احیاء میں کردار ادا کر سکتے ہیں۔

پاپائیت کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ

مذہب انسان کی فطری ضرورت ہے۔اسی ضرورت نے مذہبی طبقے کو جنم دیا۔یہ معاملہ جب تک پیغمبروں اور نیک لوگوں کے ہاتھ میں رہا، یہ ایک رضاکارانہ سرگرمی تھا۔انہوں نے سماج سے کبھی معاوضہ طلب نہیں کیا۔قرآن مجید نے رسالت مآب ﷺ کے الفاظ میں یہ کہلوایا کہ آپ فرما دیجیے، میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں، یہ تو حقِ قرابت ہے جو میں ادا کر رہا ہوں (شوریٰ: 23)۔انبیاؑ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے، نیک لوگ جب دین کی دعوت دیتے ہیں تو اپنی ذات کے لیے کوئی مطالبہ نہیں کرتے۔تاہم سماج سے دین کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی نصرت کرے۔دعوتِ دین کے لیے اگر کوئی ادارہ بنتا ہے تو اس کی معاونت کرے۔اسی اصول پر مختلف معاشروں میں مذہبی ادارے اور جماعتیں وجود میں آتی رہی ہیں۔مذہب کے ساتھ چونکہ عقیدت وابستہ ہو جاتی ہے، اس لیے لوگ اس مقصد کے لیے بے پناہ مالی ایثار کرتے ہیں۔ایک مطالعہ بتاتا ہے کہ امریکہ میں، صرف 1995ء میں لوگوں نے خیرات کے نام پر 64 بلین ڈالر دیے۔ان میں سے پچاس فی صد، چرچ اور اس کی سرگرمیوں کے لیے تھے۔[211]

پاپائے روم یا پوپ کے عہدے کی تاریخ ڈیڑھ ہزار سال پرانی ہے۔عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے اور ان کی حیات نو کے بعد، کئی سو سال تک مسیحیت کا کوئی مرکزی نظام نہیں تھا۔اس زمانے میں مسیحیت کے پانچ اہم مراکز تھے۔یروشلم، اسکندریہ، انتاکیہ، قسطنطنیہ اور روم۔روم کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہوئی کہ یہ سلطنت روما کا دارالحکومت رہا ہے اور روم کے بشپ کو یورپ کے عیسائیوں میں اہم مذہبی حیثیت حاصل تھی۔شہنشاہ کانسٹنٹائن کے زمانہ میں روم کے بشپ کو پاپائے روم یا پوپ کہا جانے لگا۔شہنشاہ کانسٹنٹائن جب اپنا دارالحکومت روم سے قسطنطنیہ لے گیا تو پوپ کا مرکز روم ہی میں رہا اور یوں پوپ اور مملکت کے درمیان ایک واضح حد فاصل قائم ہو گئی اور پوپ کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہو گئی۔پوپ کو حضرت عیسیٰؑ کے حواری سینٹ پیٹر کا جانشین تصور کیا جاتا ہے اور روم میں مسیحیت کے مرکز کے قیام کے لیے انجیل سے یہ توجیح پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کا یہ قول تھا کہ 'میں ایک چٹان پر اپنا کلیسا تعمیر کروں گا' اور چونکہ پیٹر کے معنی چٹان کے ہیں لہذا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا اشارہ سینٹ پیٹر کی جانب تھا۔یہ بھی روایت ہے کہ سینٹ پیٹر روم آئے تھے اور یہیں انہوں نے جام شہادت پیا تھا اور ویٹیکن میں سینٹ پیٹرس بیسیلیکا گرجا گھر کے نیچے دفن ہیں۔چنانچہ اس بناء پر روم کو

---

[211] https://ghamidi.tv/articles/concept-of-religion-of-our-rulers-326
Accessed on 01.02.2024

مسیحیت اور پوپ کا مرکز بنایا گیا۔[212]

پوپ اور حکمرانوں کے درمیان کشمکش

پوپ کے عہدہ کے تانے بانے، یورپ کی تاریخ سے ایسے گتھے ہوئے ہیں کہ یورپ کی تاریخ سے پاپائے روم کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ صدیوں تک پاپائے روم اور بادشاہوں کے درمیان ایک دوسرے پر بالادستی کی کشمکش رہی ہے اور ایک عرصہ تک پوپ کا تقرر بادشاہوں کی مرضی کے مطابق ہوتا رہا۔ تیرہویں صدی میں پوپ بونی فیس ہشتم نے یہ دعویٰ کیا کہ بنی نوع انسان کے مذہبی اور دنیاوی امور پر پوپ کو مکمل اختیار حاصل ہے اور یہ بات انہوں نے منوالی کہ پوپ سنیٹ پیٹر کے جانشین ہونے کے ناطے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں اور نہ کوئی ان کا محاسبہ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوپ کو پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زیادہ رومن کیتھولک عیسائیوں پر مکمل بالادستی حاصل ہے اور ساری دنیا میں رومن کیتھولک آرچ بشپس اور بشپس پر مکمل اختیار ہے۔ پوپ کو کارڈینلز کی تقرری کا بھی کلی اختیار ہے جو نئے پوپ کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایک مقصد اس روایت کا یہ ہے کہ نیا پوپ ایسا شخص منتخب ہو جو رواں پوپ کی پالیسیوں اور موقف میں تسلسل برقرار رکھ سکے۔ پوپ جان پال دوم نے موجودہ ایک سو پینتیس کارڈینلز میں سے ایک سو اٹھائیس کارڈینلز خود مقرر کیے تھے اور انہوں نے ایک اور شرط نئے پوپ کے انتخاب کے لیے یہ رکھی کہ کاڈینلز میں سے صرف وہ کارڈینلز نئے پوپ کا انتخاب کریں گے جن کی عمر اسی سال سے کم ہے۔[213]

پوپ کے انتخاب کا طریقہ

نئے پوپ کا انتخاب اس قدر خفیہ ہوتا ہے کہ کارڈینلز کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا کہ کس نے کس کے حق میں ووٹ دیا۔ نئے پوپ کے انتخاب سے پہلے ایک قدیم رسم چلی آ رہی ہے کہ پوپ کے انتقال کے بعد پوپ کے چیمبر لین، سیکریٹری، پوپ کا تین بار پیدائشی نام لے کر چاندی کے ایک چھوٹے سے ہتھوڑے سے پوپ کی میت کے سر پر تین ضربیں لگاتے ہیں اور ان کے منہ پر ایک جال ڈالتے ہیں یہ جاننے کے لیے کہ واقعی پوپ کا دم نکل چکا ہے اور وہ انتقال کر گئے ہیں۔ پوپ کے انتقال کے بعد ان کے کمرے سے ان کی میت لے جائے جانے کے بعد ان کا تمام سامان وہاں سے نکال لیا جاتا ہے اور کمرے کو نئے پوپ کے انتخاب

---

[212] آصف جیلانی، بی بی سی اردو، لندن، 3 اپریل، 2005
https://www.bbc.com/urdu/regional/story/2005/04/printable/050403_papacy_history_zs

[213] آصف جیلانی، بی بی سی اردو، لندن، 3 اپریل، 2005
https://www.bbc.com/urdu/regional/story/2005/04/printable/050403_papacy_history_zs

تک مقفل کر دیا جاتا ہے۔اسی کے ساتھ ان کی انگوٹھی اور سرکاری نشانیاں تلف کر دی جاتی ہیں تاکہ کوئی نقلی پوپ انہیں استعمال نہ کر سکے۔پوپ کی تدفین کے بعد نو روز تک ان کا سوگ منایا جاتا ہے اور اس کے بعد نئے پوپ کے انتخاب کا عمل شروع ہوتا ہے۔ساری دنیا سے کارڈینلز پوپ کے محل کے ایک ہال میں جمع ہوتے ہیں۔اس اجتماع کو 'کانکلیو' کہا جاتا ہے۔اس ہال کو مقفل کر دیا جاتا ہے اور نئے پوپ کے انتخاب سے پہلے کسی کارڈینل کو باہر رابطہ کی اجازت نہیں ہوتی۔پہلے کارڈینلز کی کوشش ہوتی ہے کہ مکمل اتفاق رائے سے نیا پوپ منتخب کیا جائے۔جب یہ ممکن نہیں ہوتا تو پھر خفیہ بیلٹ کے ذریعہ دو تہائی اکثریت سے نیا پوپ منتخب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ہر روز دو بار بیلٹ ہوتے ہیں اور اگر تیرہ روز تک یہ ممکن نہ ہو تو پھر سادہ اکثریت سے نئے پوپ کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے اور جیسے ہی یہ کسی فیصلہ پر پہنچتے ہیں تو خفیہ رائے شماری کی تمام پرچیاں نذر آتش کر دی جاتی ہیں۔پھر پوپ کے محل کی چمنی سے سفید دھواں اٹھتا ہے یوں سینٹ پیٹر سکوائر میں جمع منتظر افراد اور پوری دنیا کو یہ نوید ملتی ہے کہ نیا پوپ منتخب کر لیا گیا ہے جس کے بعد نیا پوپ سینٹ پیٹر کے گرجا گھر کی بالکونی پر نمودار ہوتا ہے۔مذہب انسان کی فطری ضرورت ہے۔اسی ضرورت نے مذہبی طبقے کو جنم دیا۔یہ معاملہ جب تک پیغمبروں اور نیک لوگوں کے ہاتھ میں رہا، یہ ایک رضاکارانہ سرگرمی تھا۔انہوں نے سماج سے کبھی معاوضہ طلب نہیں کیا۔قرآن مجید نے رسالت مآب ﷺ کے الفاظ میں یہ کہلوایا کہ آپ فرما دیجیے، میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں، یہ تو حقِ قرابت ہے جو میں ادا کر رہا ہوں (شوریٰ: 23)۔انبیاؑ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے، نیک لوگ جب دین کی دعوت دیتے ہیں تو اپنی ذات کے لیے کوئی مطالبہ نہیں کرتے۔تاہم سماج سے دین کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی نصرت کرے۔دعوتِ دین کے لیے اگر کوئی ادارہ بنتا ہے تو اس کی معاونت کرے۔اسی اصول پر مختلف معاشروں میں مذہبی ادارے اور جماعتیں وجود میں آتی رہی ہیں۔مذہب کے ساتھ چونکہ عقیدت وابستہ ہو جاتی ہے، اس لیے لوگ اس مقصد کے لیے بے پناہ مالی ایثار کرتے ہیں۔ایک مطالعہ بتاتا ہے کہ امریکہ میں، صرف 1995ء میں لوگوں نے خیرات کے نام پر 64 بلین ڈالر دیے۔ان میں سے پچاس فی صد، چرچ اور اس کی سرگرمیوں کے لیے تھے۔[214]

آنجہانی پوپ جان پال دوم، ساڑھے چار سو سال بعد پہلے غیر اطالوی پوپ تھے۔ان کا تعلق کمیونسٹ پولینڈ سے تھا اور اسی بناء پر ان کے انتخاب کو بڑی حد تک سیاسی کہا جاتا تھا۔انہوں نے اپنے دور کے اوائل میں پولینڈ جا کر کمیونزم کو چیلنج کیا۔پولینڈ پہلا کمیونسٹ ملک تھا جہاں کمیونزم کے خلاف بغاوت ہوئی اور کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہوا۔یہ مشرقی یورپ میں سویت یونین

[214] https://ghamidi.tv/articles/concept-of-religion-of-our-rulers-326
Accessed on 01.02.2024

کے اثر کے خاتمے اور بالا خر خود سویت یونین کی مسماری کی شروعات تھیں۔ رومن کیتھولک فرقہ کے روحانی سربراہ اور کمیونزم کے درمیان سویت یونین کے قیام کے اوائل سے سخت کشمکش رہی ہے حتی کہ پوپ پائس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دوسری عالم گیر جنگ کے دوران وہ نازی ازم سے زیادہ کمیونزم کو خطرہ سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہٹلر کی مذمت نہیں کی۔ اسی طرح اسپین میں جہاں فاشسٹ آمر فرانکو کے خلاف کمیونسٹ برسرپیکار تھے پوپ پائس نے فرانکو کی حمایت کی۔ پوپ جان پال دوم اس لحاظ سے تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے کہ انہوں نے پہلے کمیونزم کے خلاف جنگ لڑی اور اس کے بعد انہوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف لڑائی لڑی۔ وہ خاص طور پر مغربی جمہوریتوں میں اخلاقی اقدار کے انحطاط کے خلاف سرگرم تھے۔ انہیں اس لحاظ سے بھی یاد رکھا جائے گا کہ انہوں نے پوری دنیا میں خاص طور پر لاطینی امریکا اور افریقہ میں رومن کیتھولک عقیدہ کو فروغ دیا۔ ان سے پہلے پوپ پال جن کا دور سن انیس سو تریسٹھ سے انیس سو اٹھستر تک رہا ہے پہلے پوپ تھے جنہوں نے ہوائی جہاز میں سفر کیا۔ پوپ جان پال دوم نے اپنے چھبیس سالہ دور میں ایک سو پندرہ ملکوں کے ایک سو ستر سفر کیے۔ گو اس وقت دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ رومن کیتھولک ہیں لیکن ان کے مقابلے میں روسی آرتھوڈاکس، یونانی آرتھوڈاکس کلیسا اور پروٹسٹنت کلیسا کافی مقبول اور مضبوط کلیسا ہیں۔ پروٹسٹنٹ کلیسا پوپ کو ایک اہم پیشوا مانتا ہے اور اب ان کے بیچ اتنی مخاصمت نہیں جتنی کہ چند صدیوں پہلے تھی لیکن روسی اور یونانی کلیسا پوپ کو یکسر تسلیم نہیں کرتے۔[215]

کلیسا کا سائنس کی مخالفت پر مبنی تاریخی طرز عمل:

کلیسیا نے اپنی تعلیمات کے نفاذ میں بڑے مبالغہ سے کام لیا تھا۔ اس کے لیے اس نے وعظ وارشاد کی بجائے جبر کا طریقہ پسند کیا۔ اس نے اختلاف رائے کو ممنوع قرار دے دیا اور عملی وسائنسی مباحثے بھی ممنوع قرار پائے۔ اور اس طرح کی بحث کرنے والوں کے خلاف کفر کے فتوے جاری کئے گئے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا آگ میں جلانا تھا۔ بارہویں کونسل نے جو چوتھی لیٹرن کونسل منعقدہ ۱۳۱۵ء کی رو کلیسا کی ہر مخالف رائے کو جرم قرار دے دیا گیا۔ باقاعدہ محکم تفتیش کا قیام عمل میں لایا گیا۔ علماء کی جاسوسی کی جاتی تھی۔ ابتدا میں محکمہ احتساب (inquisition) کا باقاعدہ استعمال ان عیسائی مصلحین کے خلاف ہوا جو کلیسائے روم کے مقتدر سربراہوں کی آمریت کے خلاف تھے۔ پوپ لیوسیس سوم (Lucius) نے ۱۱۸۵ء میں حکم دیا کہ بشپ اور کلیسائی حکام باقاعدہ دورے کر کے کلیسا کے غیر وفادار اور عقیدہ کے مشکوک لوگوں کی پڑتال کرتے رہیں اور انہیں

---

[215] آصف جیلانی، بی بی سی اردو، لندن، 3 اپریل، 2005
https://www.bbc.com/urdu/regional/story/2005/04/printable/050403_papacy_history_zs

گرفتار کر کے سزائیں دیں۔[216]

معلمین عالموں اور سائنسدانوں کے ساتھ بھی بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ گلیلیو (۱۶۴۲ء) فلارنس اٹلی کا وہ مشہور ہئیت دان ہے۔ جس نے دور بین ایجاد کی تھی۔ جب اس نے کاپر نیکی (۱۵۴۳ء) کے نظام کسی کی تائید کی تو پوپ نے اسے گرفتار کر کے مذہبی عدالت کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے وہاں ڈر سے توبہ کر لی لیکن (۱۶۳۲ء) میں اپنی کتاب "نظام عالم" شائع کر دی۔ جس پر اسے جیل میں پھینک دیا گیا۔ جہاں وہ دس سال تک انتہائی دکھ اٹھانے کے بعد (۱۶۴۲ء) میں فوت ہو گیا ہے۔[217] بارہویں اور تیرہویں صدی میں جنوبی فرانس کے البی جینیسس فرقہ (Albigenses) کے لوگ جو مسیح کی تصلیب اور مر کر جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ پوپ انوسنٹ سوم نے ان کے خلاف جہاد (Crusade) کا اعلان کیا۔ جس میں ایک لاکھ سے زائد افراد مارے گئے اور ان کی بستیاں تباہ و برباد کر دی گئیں۔[218] اٹلی کے مشہور فلسفی برونو کو جو کاپر نیکی (۱۵۴۳ء) کی موت سے سات سال بعد پیدا ہوا تھا اور فلسفہ میں ابن رشد (۱۱۹۸ء) اور اسپوزا (ڈچ فلسفی ۱۶۷۷ء) کا پیرو تھا، مذہبی عدالت نے ۱۶۰۰ء میں زندہ جلا دیا۔[219] اس طرح کے اور بہت سارے واقعات سے تاریخ مسیحیت بھری ہوئی ہے۔ جس میں عام لوگوں، عالموں اور مصلحین پر ظلم و تشدد کیا گیا۔ کلیسا نے عوام کی طرح امراء و حکام پر بھی اپنے قوانین کا نفاذ ضروری قرار دیا اور ان کے لیے بھی عہدوں سے جبری محرومی اور لعنت کی قرار دادیں پاس کی گئیں۔ ان ایکوپیڈیا میں ہے۔ پاپ گریگوری نے ہنری چہارم کو مذہب کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے۔[220] اسی طرح تیرہویں کونسل (۱۲۴۵ء) میں پوپ انوسنٹ چہارم نے فرانس میں منعقد ہونے والی کونسل میں فریڈرک ثانی شاہ فرانس کو معزدل قرار دے دیا تھا۔ ارباب کلیسا نے اپنی زبردست طاقت کا ناجائز استعمال کیا۔ انھوں نے اس سے اپنے شخصی اثر و اقتدار کے لئے فائدہ اُٹھایا اور کلیسا کے ارباب اختیار بدستور پستی، جہالت کی تاریکیوں میں پڑے رہے۔ پوپ اور شہنشاہیت کی کشمکش، عناد اور منافرت سے لوگ تنگ آ گئے اور انہوں نے اصلاح کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔

---

[216] The Age of Faith, Vol. V. P. 779

[217] جان ولیم ڈریپر، معرکہ مذہب و سائنس، مترجم ظفر علی خاں، مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور، ص337

[218] The Age of Faith, Vol. V. P. 774-775

[219] معرکہ مذہب و سائنس، ص289

[220] انسائکلوپیڈیا تاریخ عالم، ج2، ص401

کیتھولک چرچ میں مغفرت ناموں کی تجارت:-

مغفرت نامے (indulgences) مسیحیت میں پائے جاتے تھے،اور خاص طور پر رومن کیتھولک چرچ میں ان کا رواج تھا۔ مغفرت نامے وہ دستاویزات تھیں جو گناہوں کی معافی کے لیے خریدی جاسکتی تھیں۔ خورشید احمد ندیم لکھتے ہیں۔

"جہاں پیسہ ہوتا ہے، وہاں اخلاقی مسائل جنم لیتے ہیں۔ چرچ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ ان گنت اخلاقی اور مالی سکینڈلز نے اہلِ مذہب کو گھیر لیا۔ یہی نہیں، اہلِ مذہب امیر ہوئے تو انہوں نے اقتدار سے بھی اپنا حصہ وصول کرنا چاہا۔ ایک وقت آیا کہ انہوں نے بادشاہ کو بھی اپنا تابعِ فرمان بنا لیا۔ یورپ کی تاریخ پر لکھی کی گئی ان گنت کتابیں، اہلِ کلیسا کے سیاسی اثر ورسوخ کی داستانیں بیان کرتی ہیں۔ اہلِ مذہب کے ان مظالم کے ردِ عمل میں اصلاحِ مذہب کی تحریک اٹھی۔ مذہب کے خلاف شدید ردِ عمل ہوا اور اسے کلیسا کی چار دیواری میں مقید ہونا پڑا۔ اس سے یہ تو ہوا کہ مذہب سیاسی زندگی سے نکل گیا، لیکن لوگوں کی زندگی سے نہیں نکل سکا کیونکہ یہ ان کی فطری ضرورت تھا۔ کلیسا نے سیکولرازم کو قبول کرتے ہوئے، اپنے کردار پر نظر ثانی کی۔ اس سے مذہبی طبقہ باقی رہا۔ آج سیاست کی حریفانہ کشمکش میں وہ فریق نہیں، لیکن سیاست پر بھی اس کے اثرات ہیں۔ اس نے اپنی سماجی اور معاشی بنیادیں مستحکم کر لیں۔ آج مغرب میں چرچ کا شمار امیر ترین اداروں میں ہوتا ہے۔ ویٹیکان کا اپنا بینک ہے اور مختلف اداروں میں اس کی سرمایہ کاری ہے۔ اس کا شاخسانہ مالی سکینڈل ہیں۔ موجودہ پوپ فرانسس نے چرچ کی مالی اور اخلاقی اصلاح کو اپنی ترجیح بنایا ہے۔ یہ ان کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے"۔[221]

متولی یوسف لکھتے ہیں۔

بارہویں کونسل نے یہ طے کیا کی مسیح نے کلیسائے دوم کو دستاویز نجات اور پروانہ مغفرت دینے کا اختیار دیا ہے۔ اس دور میں پوپ کا عقیدہ یہ تھا، کہ وہ خدا کا نائب ہے، اور مسیحؑ کا قائم مقام ہے اس کا نہ کوئی فیصلہ غلط ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے حکم پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ وہ گناہ کاروں کے گناہ معاف کر سکتا ہے۔ اس عقیدہ کو بارہویں کونسل میں پیش کیا گیا اور منظور کروالیا گیا۔ یہی عقیدہ آہستہ آہستہ معافی ناموں کی شکل اختیار کر گیا۔ ابتدیوں ہوئی کہ صلیبی جنگوں میں پوپ اربن دوم (Urben(ii)) نے یہ اعلان کیا کہ جو لوگ بذات خود جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دیں اس کے بدلہ میں انہیں معافی نامہ دے دیا جائے گا، جو اس کی نجات کا ذریعہ ہو گا۔

---

[221] https://ghamidi.tv/articles/concept-of-religion-of-our-rulers-326

Accessed on 01.02.2024

اس پروانے کی تحریر یہ ہوتی تھی۔

اے فلاں تم پر ہمارا رب مسیح رحم کرتا اور اپنے مقدس آلام کے ساتھ تم میں حلول کرتا ہے۔ اور میں اپنے پیغمبرانہ اختیارات سے جو مجھے دیئے گئے ہیں تمہیں تمام معاوضوں، احکام، اور کلیسا کے واجبات سے سبک دوش کرتا ہوں اور تمہارے تمام گناہ معاف کرتا ہوں۔ خواہ کسی نوعیت کے ہوں اور اگرچہ یہ پاکیزگی صرف مسیح اور کلیسا کے نمائندے کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس وقت میں تمہارے گناہوں اور غلطیوں کی تمام گندگی کو مٹاتا ہوں اور ان تمام قصاص اور سزاؤں کو بھی معاف کرتا ہوں جن کے کفارے کے لیے تم پریشان تھے اور از سر نو تمہیں کلیسا کے اسرار کا محرم اور مقدسین کا شریک بناتا ہوں اور تمہیں اس پاکی اور نیکی کی طرف لوٹاتا ہوں جو بپتسمہ لیتے وقت تمہارے اندر آئی تھی۔ اب تمہاری موت کے وقت وہ دروازہ بند ہو جائے گا جس سے گناہگار لوگ جہنم کے لیے گزرتے ہیں اور خوشیوں کی جنت تک پہنچانے والا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ تم اگر کئی برسوں کے بعد بھی مرے تو یہ نعمت تمہیں مل کر رہے گی اور پھر باپ، بیٹے اور روح القدس کے نام سے تمہارا آخری وقت آجائے گا۔[222]

خورشید احمد ندیم لکھتے ہیں۔

مذہب کی فطری ضرورت کے تحت، مغرب میں جو مذہبی طبقہ پیدا ہوا، اس کے مطالبات نے مذہبی مطالبات پر غلبہ پالیا۔ اب اس طبقے کا معاشی مفاد تھا جو مذہب سے وابستہ تھا۔ اسی سے مذہبی استحصال نے جنم لیا۔ ماضی میں پادری پیسے لے کر نجات کے پروانے بانٹتا اور لوگوں کے مذہبی جذبات کا استحصال کرتا تھا۔ مارٹن لوتھر نے جب بندے اور خدا کے مابین چرچ کے واسطے کو چیلنج کیا تو اہلِ کلیسا کے لیے استحصال کرنا مشکل ہو گیا۔ تاہم اس نے اپنا وجود برقرار رکھا اور اپنے معاشی وسائل کا تحفظ کیا۔ آدم سمتھ نے اپنی معرکہ آرا کتاب "دولتِ اقوام" میں اسے بھی موضوع بنایا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ شخصی مفاد اہلِ مذہب کے لیے اسی طرح بطور محرک کام کرتا ہے جس طرح کسی غیر مذہبی طبقے میں۔ بعد کے ادوار میں جب لوگوں نے کلیسا پر تحقیق کی تو انہوں نے دو ماڈلز کی بنیاد پر اپنے نتائجِ فکر بیان کیے۔ ایک چرچ بطور کلب اور دوسرا چرچ بطور ایک کاروباری ادارہ۔ جن لوگوں نے دوسرا ماڈل اختیار کیا، ان کا کہنا ہے کہ جو چرچ اس ماڈل کو اپناتا ہے، اس کی حکمتِ عملی بھی کاروباری ہوتی ہے۔ ایک نتیجۂ فکر یہ ہے کہ انیسویں صدی میں، امریکہ میں مسیحیت میں دو فرقے Methodist اور Baptist زیادہ پھیلے اور اس کی وجہ ان کی بہتر مارکیٹنگ تھی۔[223]

---

[222] متولی یوسف، مسیحیت، مترجم مولانا شمس تبریز خان، ادارہ اسلامیات، 1986ء ص152

[223] https://ghamidi.tv/articles/concept-of-religion-of-our-rulers-326

Accessed on 01.02.2024

پادری خورشید عالم نے مغفرت ناموں کی پوری تاریخ کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

مغفرت نامے زمانہ متوسط سے چلے آتے ہیں بلکہ ازمنہ وسطی سے قبل بھی مختلف صورتوں میں ان کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب کلیسا سے کسی شخص کا اخراج کسی مہلک گناہ کی وجہ سے کر دیا جاتا تھا تو داخلہ و توبہ اور اقرار گناہ کے بعد کیا جاتا تھا۔ جس عمل کو اطمینان کی رسم کہا جاتا۔۔۔۔اس اطمینان کی رسم نے دوسری صورت اعتراف کی اختیار کی کیونکہ جو پہلے گناہوں کا اقرار کلیسیا کے سامنے کیا جاتا تھا اب خادم الدین کے سامنے کیا جانے لگا۔ اس کو اختیار ملا کہ وہ ایسی سزا مقرر کرے جو گناہوں کو بدل سکے۔ یوں اعتراف عام کر دیا کیا اور اس نے دستور کی شکل اختیار کر لی۔ سو اس اعتراف پر کتابیں لکھی گئیں۔ جس میں واضح کیا گیا کہ فلاں گناہ کی سزا فلاں ہے سو ساتویں صدی کے بعد تائب گنہگار کی سزا جو کئی طرز کی تھی تیرہویں صدی میں دعاؤں، زبور، خیرات میں بدل گئی۔ اور یہ سب باتیں اعتراف کے ضابطہ میں درج کی گئیں۔۔۔۔۔جب خادم الدین کو اختیار تھا کہ وہ اس سزا کا ساتواں، تیسرا یا نصف حصہ کم کر دے سو ایسے عمل نے مغفرت ناموں کی صورت کو روشن کر دیا۔[224] معافی نامے پوپ صاحبان اور ان کے مقرر کردہ مذہبی رہنماؤں کے پاس حصول دولت کا ایک ایسا ذریعہ تھے جس کی وجہ سے ان کے خزانے بھر جاتے تھے۔ یہ مذہبی عہدیدار نذرانے اور عطیے وصول کرتے اور ان کے عوض نہ صرف زندوں بلکہ مردوں کی بھی بخشش اور مغفرت کے پروانے جاری کرتے۔ جن سے ارواح جہنم کے عذاب سے نکل کر آرام کی جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ کڈ (Kidd) کے حوالے سے سی ایس پی کلارک اپنی تاریخ کلیسا میں اس رسم کی تفصیل بتائے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اگر لوگ اس فرض کے لیے پیسے دینے کو تیار ہوتے تو جیسے ہی پادری کے صندوق میں سکوں کے گرنے کی آواز آتی تو مردے کی روح جسے نجات دلانے کے لیے پیسے ڈالے گئے ہیں فوراً سیدھی جنت میں پہنچ جاتی۔[225]

صلیبی جنگوں میں پوپ اربن دوم (Urban(ii)) کے اعلان کے بعد جب پوپ لیو دہم نے (Leo x) سینٹ پیٹر کا گرجا بنوانے کا ارادہ کیا تو اس نے بھی اسی قسم کے معافی نامے فروخت کرنا شروع کر دیئے۔ پوپ لے نے اودہم کا مغفرت ناموں کے بارے یہ اعلان تھا کہ جس کو شہزادہ البرٹ آف برآنڈ نبرگ جو آرچ بشپ آف میز تھا نے تیار کیا تھا اور جان ٹٹرل جو ڈومینکن راہب تھا۔ اس اعلان کو مشتہر کرنے جا رہا تھا۔ اشتہار یہ تھا کہ روم میں مقدس پطرس کے گرجے کو دوبارہ تعمیر کرنے اور اس کے مزار کو اُس کی شان کے لائق بنانے کے لیے روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ روپیہ کی فراہمی مغفرت ناموں کی فروخت

---

[224] پادری خورشید عالم، تاریخ اصلاح کلیسیا، اردو ٹیکسٹ کمیٹی، گوجرانوالہ تھیالوجیکل سیمنری، 1965ء، ص86

[225] اظہار الحق، بائبل سے قرآن تک، ج2، ص382

سے کی جائے گی۔ جس کی نصف آمدن آرچ بشپ میز کو ملے گی، جو عہدہ کے حصول میں کافی مقروض ہو چکا تھا۔ اس لئے اُسے روپیہ پوپ کو ادا کرنا تھا۔[226]

تو گویا یہ پاپ اور پادریوں کی ملی بھگت تھی اپنے خزانوں کو بھرنے کی جس کی وجہ سے انہوں نے عوام کو معافی ناموں کی خرید و فروخت میں مصروف کر دیا۔ معافی ناموں کا یہ کاروبار لوگوں کے احساسات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسحور کن انداز میں عمل میں لایا جاتا تھا۔ معافی نامے فروخت کرنے والا علاقے میں کمشنر کی حیثیت سے جاتا تھا۔ اس کا خوب استقبال کیا جاتا تھا۔ علاقے کے خادم دین اور سب ذمہ دار افراد، اساتذہ اور طلباء اور گاؤں کے عام عوام ہاتھوں میں روشن موم بتیاں پکڑ کر جلوس کی صورت میں کمشنر کا استقبال کرتے اور مغفرت ناموں کی پالکی کو جھنڈے ہلاتے نعرے لگاتے گاؤں کی طرف لے جاتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مغفرت اسے عمل کے کپڑے میں لپیٹ کر سونے کی پلیٹ میں رکھے جاتے تھے۔ ان مغفرت ناموں میں مختلف گناہوں کی قیمتیں مختلف تھیں۔ ہر ایک ایجنٹ کے پاس ان کی فہرست موجود ہوتی تھی۔ مختلف گناہوں کی معافی کی مختلف قیمتیں تھیں۔ زنا کے لئے چھ ڈکٹ، قتل کے لئے آٹھ ڈکٹ مقرر کئے گئے تھے اور باقی گناہوں اسقاط حمل، چوری، دروغ گوئی جیسے گناہوں کی معافی کی قیمت مقرر تھی۔ یہ معافی نامے صرف اپنے گناہوں کی میل دھونے کے لیے نہ ہوتے بلکہ مردوں کے لئے بطور کفارہ بھی ہوتے تھے ان معافی ناموں کے لئے ایجنٹ کچھ اس قسم کی آوازیں لگاتے تھے۔ اب آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ آؤ اپنے گناہوں کی معافی لے لو اے پاسبانو، نوابو اور اے نوجوانو کیا تم اپنے دوستوں اور عزیزوں کی آواز نہیں سنتے جو اعراف میں پکار رہے ہیں کہ نہایت عذاب میں ہیں اور تھوڑی سی (خیرات) قیمت جو تم کرو گے وہ ہم کو اعراف سے خلاصی بخشی گی۔ یاد رکھو کہ جب تمہارا روپیہ صندوق میں پڑ کر آواز دیتا ہے۔ اس وقت اعراف سے روح باہر نکل جاتی ہے وسے اے بے پرواہ انسان صرف بارہ بھیڑیں دینے سے جب تم اپنے والدین کو اعراف سے نکال سکتے ہو۔ تو تم کتنے ناشکر گزار ہو کہ تم انہیں بچاتے نہیں ہو۔[227] معافی اور مغفرت زبانی ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ تحریری بھی ہوتی تھی اور پھر صرف ان گناہوں ہی کے بارے میں نہ ہوتی تھی جو ہو چکے ہوں بلکہ آئندہ جو گناہ کرنا ہوتا۔ اس کی بھی معافی اور بخشش پیشگی کر دی جاتی تھی۔ مغفرت کے ان پروانوں کے ذریعے جب ہر گناہ معاف کیا جانے لگا تو اخلاق و کردار کی کیا حالت ہو سکتی تھی اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔ ۱۵۱۷ء میں ایک پادری جان ٹیٹزل (Tetzel) نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں کی بے حرمتی کی ہو اور وہ کچھ

---

[226] پادری خورشید عالم، تاریخ اصلاح کلیسیا، اردو ٹیکسٹ کمیٹی، گوجرانوالہ تھیالوجیکل سیمنری، 1965ء، ص87

[227] پادری خورشید عالم، تاریخ اصلاح کلیسیا، اردو ٹیکسٹ کمیٹی، گوجرانوالہ تھیالوجیکل سیمنری، 1965ء، ص91

پوپ کے مغفرت نامے کے صندوق میں ڈال دے تو پوپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے گناہ معاف کر دے اگر پوپ نے گناہ معاف کر دیا تو خدا کو بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا۔

ان مغفرت ناموں کے باعث لوتھر شدید قسم کے ذہنی دباؤ کا شکار ہو گیا اور اس نے ان حالات کو درست کرنے کے لیے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔

دی بائبل دی بائیو گرافی، کی برطانوی مصنفہ کیرن آرمسٹرانگ کے مطابق

چنانچہ اس پر اسی کیفیت کے زیر اثر اصلاحی سرگرمیوں کا جنون سوار ہو گیا۔ اسے خاص طور پر پادریوں کی طرف سے جنت کے سرٹیفکیٹس کی فروخت پر شدید غصہ تھا کیونکہ یہ سب کچھ چرچ کے چندے کے صندوق بھرنے کی ترکیبیں تھیں [228]۔

سولہویں صدی میں اصلاح کلیسا (Reformation) کی تحریک کے دوران ان مغفرت ناموں پر شدید تنقید کی گئی، خاص طور پر مارٹن لوتھر نے اپنی 95 تھیسس میں ان کی مذمت کی۔

Any true Christian, whether living or dead, participates in all the blessings of Christ and the church; and this is granted to the Christian by God, even without indulgence letters[229].

ترجمہ: کوئی بھی حقیقی مسیحی، چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ، مسیح اور کلیسا کی تمام برکتوں میں شریک ہوتا ہے؛ اور یہ برکتیں خدا کی طرف سے مسیحی کو عطا کی جاتی ہیں، چاہے اس کے پاس مغفرت نامے ہوں یا نہ ہوں۔

اس اقتباس میں مارٹن لوتھر مغفرت ناموں کے رواج پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حقیقی مسیحیوں کے لیے مسیح اور کلیسا کی برکتیں خود خدا کی طرف سے دی گئی ہیں، اور یہ مغفرت ناموں یا کسی بھی انسانی وسیلے کی محتاج نہیں ہیں۔ لوتھر کے مطابق، نجات اور برکتیں براہ راست خدا سے ملتی ہیں اور چرچ کے کسی دستاویزی معاہدے یا خرید و فروخت پر انحصار نہیں کرتیں۔ لوتھر چرچ کے مالی فائدے کے لیے مغفرت ناموں کی فروخت کے عمل پر تنقید کرتے ہوئے اس نظام کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔

---

[228] کیرن آرمسٹرانگ، دی بائبل دی بائیو گرافی، مترجم، محمد یحییٰ خان، نگارشات، 2009، ص 161

[229] Martin Luther, William R. Russell, Timothy F. Lull, Martin Luther's Basic Theological Writings, Fortress Press, P. 36

مارٹن لوتھر (Martin Luther)

مارٹن لوتھر (Martin Luther) ، جرمنی کے علاقے سکسنی میں 1483ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ہانس لوتھر ایک غریب کان کن تھے، مگر اپنے ایمان، تقویٰ اور خود مختار طبیعت کے لیے جانے جاتے تھے۔ والدہ مارگریٹ روزانہ جنگل سے لکڑیاں اکٹھا کر کے لاتی تھیں، اور اپنے خدا ترس اور راست باز کردار کے باعث پورے علاقے میں معروف تھیں۔ ان کے والدین نے انہیں دعا کرنا، دس احکام، اور رسولی عقیدہ سکھایا، اور خداوند کی دعا سے روشناس کرایا۔ ان کے بچپن میں ہی والدین نے ان کے دل میں یہ بات بٹھادی تھی کہ بادشاہت خدا کی طرف سے ہوتی ہے، اور بادشاہ عوام کا محافظ اور رہنما ہوتا ہے۔ مارٹن کو یہ بھی سکھایا گیا کہ پوپ کلیسیا کا سربراہ ہے اور یوں روم کے بشپ کو بھی ایک روحانی باپ کی حیثیت حاصل ہے۔

لوتھر کی ابتدائی زندگی اور خوف

لوتھر کی پرورش ایک سخت گیر ماحول میں ہوئی، جہاں مذہب اور خوف کا عنصر نمایاں تھا۔ لوتھر کا بچپن ان نظریات کے زیر سایہ گزرا، جس میں فرشتوں، چڑیلوں، جادوگری اور شیطان کا خوف شامل تھا۔ انہیں یہ یقین دلایا گیا کہ گرجا گھر کے گھڑیال میں شفا کی قوت موجود ہے اور وہ گاؤں کی بزرگ عورتوں سے بھی خائف رہا کرتے تھے، جنہیں وہ جادوگر سمجھتے تھے۔ ان کے والدین بھی انہیں انہی مذہبی خیالات کے تحت خوف میں رکھ کر تربیت دیتے تھے۔ لوتھر کی ابتدائی مذہبی تربیت نے ان کے شعور میں خوف، جزا، سزا، اور روحانیت کے نظریات کو راسخ کیا۔

عالمی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے۔

لوتھر کا اصل نام: (Eisleben) ایزلیبن تھا اور وہ جرمنی میں ایک کسان ہانس لوتھر اور اس کی بیوی مارگریٹ کے ہاں پیدا ہوا۔ دہشت اور سزا کی دینیات سے خوفزدہ جوڑے نے اپنے بچوں کی پرورش سخت گیر انداز میں کی۔ والدین اور بچے ہوا میں منڈلاتے ہوئے فرشتوں، چڑیلوں اور شیطانوں پر یقین رکھتے اور ایسے خدا کو مانتے تھے جس نے نوع انسانی کے کافی بڑے حصے کے مقدر میں دائمی جہنم لکھ دی تھی ہے۔[230]

متولی یوسف لکھتے ہیں۔

مارٹن لوتھر جرمنی کے علاقہ سکسنی میں پیدا ہوا۔ والد ہنس لوتھر تر غریب کان کن ہونے کے باوجود خدا ترسی، راست باز اور آزاد طبیعت انسان تھا۔ والدہ مارگریٹ لکڑیاں جمع کر کے پیٹھ پر اٹھا کر لایا کرتی تھی۔ اس کی راست بازی کے سب مداح

---

[230] عالمی انسائیکلوپیڈیا، ج2، ص1832

تھے۔ یہ خاندان خداپرست تھا۔اس لیے انہوں نے مارٹن لوتھر کو دعا مانگنا، دس احکام، رسولی عقیدہ اور خداوند کی دعا سکھائے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے دل میں احساس بھی پیدا کیا کہ بادشاہ خدا کی طرف مقرر ہوتا ہے اس لیے وہ ایسا حکمران ہے جو انہیں عثمانی ترکوں کے علم واستبداد سے بچائے گا۔ کلیسیا پوپ کا گھرانہ اور روم کا بشپ اس کا باپ ہے یہ زیرک اور ہوشمند لڑکا جانتا تھا کہ اس کے گھر کے قریب رہنے والی بوڑھی عورتیں جادوگر ہیں۔ وہ اُن سے خائف رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گرجوں کے گھڑیال میں شفا کی قوت موجود ہے۔ سومارٹن لوتھر کی تعلیم وتربیت گھر میں مذہبی خیالات کے تابع ہوئی، جس سے وہ کافی متاثر تھا۔[231]

تعلیم اور کلیسا کے خلاف ردعمل

مارٹن لوتھر نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز ابتدائی مذہبی تربیت کے ساتھ کیا۔ مگر جب وہ بالغ ہوئے، تو کلیسا کے اندر ہونے والی بدعنوانیاں اور غلط رسومات پر انہوں نے غور کرنا شروع کیا۔ لوتھر کی زندگی میں ایک فیصلہ کن موڑ اس وقت آیا جب وہ روم کے سفر پر گئے اور وہاں کے مذہبی رہنماؤں کی بدعنوانیوں اور دولت پرستی کو دیکھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کلیسا کے پادری خدا کی بجائے دنیاوی مال ومتاع اور طاقت کی عبادت کر رہے ہیں۔ اسی نے انہیں کلیسا کی اصلاح کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔

مشہور 95 تھیسس اور احتجاجی تحریک

لوتھر کا سب سے بڑا کام 1517ء میں سامنے آیا، جب انہوں نے "95 تھیسس (Ninety-Five Theses)" کے نام سے اپنے اعتراضات اور اصلاحی تجاویز کا مجموعہ لکھا اور انہیں ویٹن برگ کے گرجا گھر کے دروازے پر آویزاں کیا۔ ان تھیسس میں انہوں نے کلیسا کی مالی اور روحانی بدعنوانیوں پر کھلی تنقید کی، خاص طور پر "مغفرت ناموں" کی فروخت پر، جسے کلیسا لوگوں کی جنت میں داخلے کے لیے بیچ رہا تھا۔ لوتھر نے کہا کہ حقیقی مسیحیت کا راستہ خدا اور ایمان کے ذریعے ہی ہے، اور کلیسا کو ان غلط رسومات سے باز آنا چاہیے۔ ان اعتراضات نے ایک اصلاحی تحریک کو جنم دیا، جسے پروٹسٹنٹ اصلاحات (Protestant Reformation) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

لوتھر کی تعلیمات اور عقائد

لوتھر کی بنیادی تعلیمات کا محور ایمان، محبت اور عاجزی تھا۔ وہ مانتے تھے کہ انسان کو نجات محض خدا پر ایمان اور اُس کی رحمت پر یقین کے ذریعے ہی مل سکتی ہے، نہ کہ کلیسا کے قوانین اور رسومات کے ذریعے۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ بائبل کو اپنی زبان میں پڑھے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔ لوتھر نے لاطینی کے بجائے جرمن زبان میں

---

[231] متولی یوسف، مسیحیت، مترجم مولانا شمس تبریز خان، ادارہ اسلامیات، 1986ء ص156-157

بائبل کا ترجمہ کیا، جس نے بائبل کو عوام تک پہنچایا اور لوگوں کو اس کے حقیقی پیغام سے روشناس کرایا۔

مسیحیت پر لوتھر کے اثرات

مارٹن لوتھر کے خیالات اور اصلاحی تحریک نے عیسائیت میں ایک بڑی تبدیلی کو جنم دیا۔ انہوں نے کلیسا کی اصلاح اور مذہبی اصولوں کی تجدید کی راہ دکھائی۔ ان کے نظریات نے پروٹسٹنٹ ازم کو بنیاد فراہم کی اور مسیحیت کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کر دیا۔ ان کی تعلیمات نے لوگوں کو خدا کے قریب آنے اور اس پر ایمان کو مضبوط کرنے کی دعوت دی۔ مارٹن لوتھر آج بھی عیسائیت میں اصلاحات کے رہنما اور عقائد کی سچائی کے ایک عظیم علمبردار کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کے کام نے عیسائیت کو جمود سے نکال کر ایک نئی روحانی اور فکری ترقی کی طرف راغب کیا، اور آج بھی وہ عیسائیت میں انقلابی رہنما مانے جاتے ہیں۔

تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

مارٹن لوتھر: ۱۳۸۳ء میں پروٹسٹنٹ فرقہ کا بانی مارٹن لوتھر پیدا ہوا۔ جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری میخ ٹھونک دی۔[232]

پروٹسٹنٹ ازم (Protestantism) کا وجود اور مسیحی عقائد پر اثرات

مارٹن لوتھر کی تعلیمات نے پروٹسٹنٹ اصلاحات کو بنیاد فراہم کی، جس کے نتیجے میں کیتھولک کلیسا سے ایک نیا عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ ازم (Protestantism) وجود میں آیا۔ لوتھر کے اعتراضات اور اصلاحی تجاویز، جن میں کلیسا کی بدعنوانیوں، رسومات اور مغفرت ناموں کی فروخت پر تنقید شامل تھی، نے عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ روایتی عقائد پر سوال اٹھائیں اور اپنی روحانی زندگی کو نئے طریقے سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

پروٹسٹنٹ ازم کی بنیاد

مارٹن لوتھر نے 1517ء میں "95 تھیسس" پیش کیے، جس میں انہوں نے زور دیا کہ نجات کا راستہ صرف ایمان اور خدا کی رحمت سے ہی ممکن ہے، نہ کہ کلیسا کی رسومات یا مغفرت ناموں کے ذریعے۔ انہوں نے لوگوں کو اس بات کی طرف مائل کیا کہ بائبل کو اپنی زبان میں پڑھیں اور سمجھیں، اور کلیسا کے پادریوں کی بجائے براہِ راست خدا کی رہنمائی طلب کریں۔ یہ نظریات جرمنی اور یورپ کے دیگر علاقوں میں پھیلتے گئے، جس سے پروٹسٹنٹ ازم کی بنیاد پڑی اور مختلف نئے فرقے جیسے کہ

---

[232] تقی عثمانی، عیسائیت کیا ہے۔ ص 77

لوتھرن، کیلون ازم، اور اینگلیکن چرچ وجود میں آئے۔

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد میں فرق

عقائد	کیتھولک	پروٹسٹنٹ
نجات کا حصول	کیتھولک چرچ یہ مانتا ہے کہ نجات حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ اچھے اعمال، رسومات اور کلیسا کی تعلیمات کی پیروی ضروری ہے۔	پروٹسٹنٹ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نجات صرف خدا کے فضل اور ایمان کے ذریعے ممکن ہے اور اچھے اعمال نجات کی شرط نہیں ہیں بلکہ ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔
بائبل اور کلیسا کی حیثیت	کیتھولک کلیسا بائبل اور کلیسا کی تعلیمات دونوں کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ پوپ اور کلیسا کے علماء کو بائبل کی تعبیر و تشریح میں اختیار حاصل ہے۔	پروٹسٹنٹ کا عقیدہ ہے کہ بائبل ہی خدا کا واحد اور مکمل کلام ہے، اور ہر شخص کو اس کا براہ راست مطالعہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ پروٹسٹنٹ چرچ پوپ یا کلیسا کو حتمی روحانی اختیار نہیں مانتا۔
رسومات	کیتھولک کلیسا میں سات مقدس رسومات (ساکرامنٹس) ہوتے ہیں، جیسے بپتسمہ، اعترافِ گناہ، اور عشائے ربانی، جو نجات کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہیں۔	پروٹسٹنٹ فرقے عام طور پر صرف دو رسومات، بپتسمہ اور عشائے ربانی، کو اہم سمجھتے ہیں اور انہیں نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ ایمان کی علامت مانتے ہیں۔
پوپ کی حیثیت	کیتھولک چرچ میں پوپ کو روحانی رہنما اور کلیسا کا سربراہ مانا جاتا ہے، اور اس کی تعلیمات کو کلیسا کے اصولوں کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔	پروٹسٹنٹ ازم میں پوپ کو کسی بھی خاص روحانی حیثیت یا اختیار کا حامل نہیں مانا جاتا اور ہر چرچ کا اپنا رہنما ہوتا ہے۔
تصویری و مجسماتی عبادت	کیتھولک چرچ میں مریم اور مختلف سینٹوں کی تصاویر و مجسموں کی تعظیم اور ان کے وسیلے سے	پروٹسٹنٹ چرچ اس طرح کی تعظیم سے اجتناب کرتا ہے اور اسے بائبل کی

	دعا کرنے کا رواج ہے۔	تعلیمات کے خلاف سمجھتا ہے، کیونکہ ان کے مطابق عبادت کا واحد محور خدا ہے۔
اعتراف گناہ	کیتھولک کلیسا میں لوگ پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور پادری ان کے لیے دعا کرتا ہے۔	پروٹسٹنٹ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہر فرد براہ راست خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکتا ہے، اور کسی درمیانی شخص کی ضرورت نہیں۔

پروٹسٹنٹ اصلاحات کے اثرات اور مسلم نقطہ نظر

پروٹسٹنٹ اصلاحات کے نتیجے میں عیسائیت میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں آئیں۔ یہ تحریک نہ صرف مذہبی دائرے تک محدود رہی بلکہ اس نے یورپ کے معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی نظام پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ بائبل کو عوامی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا، جس سے لوگوں کو مذہبی تعلیمات تک رسائی ملی اور علم کی ترویج میں اضافہ ہوا۔ پروٹسٹنٹ فرقوں کی آزادی پسندی اور پوپ کے اختیار کی مخالفت نے کلیسا اور ریاست کے تعلقات میں بھی بہت زیادہ تبدیلیاں اور مخالفتیں پیدا کیں۔ مسلمانوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسیحیت کی یہ اصلاحات اور اختلافات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انسانی مداخلت نے عیسائیت کے پیغام کو کس طرح متاثر کیا اور مذہب کو ذاتی مفادات کے تابع بنا دیا۔ قرآن کریم کے مطابق، اللہ کی ہدایت میں کوئی تحریف یا اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ وحی الٰہی پر مبنی ہے۔ پروٹسٹنٹ اصلاحات کے نتیجے میں عیسائیت میں فرقوں کی تشکیل اور مذہبی اصولوں میں نمایاں اختلافات پیدا ہوئے، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ انسانی ہاتھوں میں مذہب کی تشریح کا نتیجہ ہمیشہ انتشار اور اختلاف کا سبب بنتا ہے۔ مسلم نقطہ نظر کے مطابق یہ معاملہ بہت اہم ہے کہ وحی الٰہی اور شریعت کو حقیقی صورت میں محفوظ رکھا جائے تاکہ دین کے اصل پیغام کو برقرار رکھا جا سکے۔ اور مذہب اور سیاست کے تعلقات میں اعتدال ضروری ہے۔ دین اور دنیا کے معاملات کو الگ نہیں کیا جا سکتا بلکہ انہیں ایک دوسرے کے مطابق چلایا جانا چاہیے۔

چرچ میں اخلاقی تنزل اور اس کے نتیجے میں خرابیاں اور نتائج

چرچ میں اخلاقی تنزل ایک ایسا موضوع ہے جس پر قرون وسطیٰ کے دور سے ہی مباحثے ہوتے آئے ہیں۔ خاص طور پر 13 ویں سے 15 ویں صدی کے دوران چرچ میں بدعنوانی اور غیر اخلاقی رویوں میں اضافہ ہوا، جس نے لوگوں کے مذہب سے اعتماد کو کمزور کیا اور کلیسا کے خلاف ردعمل کا باعث بنا۔ اس اخلاقی انحطاط میں مختلف خرابیاں شامل تھیں، جو درج ذیل ہیں:

.1 مغفرت ناموں (انڈلجنس) کی فروخت

چرچ نے مغفرت ناموں (indulgences) کو فروخت کرنا شروع کر دیا تھا، جنہیں گناہوں کی معافی کا ذریعہ بتایا جاتا تھا۔ چرچ کا کہنا تھا کہ ان مغفرت ناموں کو خریدنے سے انسان کو اپنے گناہوں کی سزا سے بچنے کا موقع ملتا ہے، اور یہ مغفرت نام مرنے کے بعد عذاب سے نجات دلائیں گے۔ اس کا مقصد کلیسا کے مالی مفادات کو بڑھانا تھا، جس سے چرچ کے نظام پر لوگوں کا اعتماد متزلزل ہو گیا۔

.2 چرچ کی سیاسی طاقت اور پاپائی نظام کی بدعنوانیاں

چرچ کے سربراہوں، خاص طور پر پوپ کے پاس بہت زیادہ سیاسی اور روحانی طاقت ہوتی تھی۔ وہ اکثر بادشاہوں اور حکمرانوں کو عہدے پر رکھتے یا معزول کرتے، اور اسی اختیار کو ذاتی اور مالی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا۔ اس سے پوپ کے ادارے میں سیاسی سازشوں اور بدعنوانیوں کا سلسلہ بڑھ گیا اور چرچ کا دینی اثر کم ہو گیا۔

.3 پادریوں کی غیر اخلاقی زندگی اور عیش و عشرت

بہت سے پادری اور دیگر مذہبی رہنما غیر اخلاقی طرزِ زندگی گزارنے لگے تھے، جن میں بدکرداری، بے حیائی، اور عیش و عشرت شامل تھیں۔ مذہبی رہنما، جو عوام کو راستبازی کی تعلیم دیتے تھے، خود ان اصولوں کی پیروی نہیں کر رہے تھے۔ اس دہرے معیار نے لوگوں کے دلوں میں چرچ کے خلاف نفرت پیدا کی۔

.4 تعلیم اور اصلاحات کی مخالفت

چرچ نے علم اور سائنس کی ترویج کی بجائے بائبل کی اپنی مخصوص تشریح کو مسلط کیا۔ جو افراد چرچ کی تعلیمات پر سوال اٹھاتے، جیسے کہ جان ویکلف، جان ہس، اور بعد میں مارٹن لوتھر، انہیں بدعتی قرار دے کر سزائیں دی جاتیں۔ اس رویے نے چرچ کو تعلیمی و علمی ترقی کے میدان میں محدود کر دیا اور لوگوں میں چرچ کی سخت گیر پالیسیوں کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا۔

.5 مذہبی رسوم و رواج پر حد سے زیادہ زور

چرچ نے مذہبی رسومات کو اس حد تک اہم بنا دیا کہ لوگ بنیادی عقائد کی بجائے ان رسومات کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے۔ بائبل اور مسیحی تعلیمات کے بجائے چرچ نے اپنے عقائد اور رسومات کو ہی دین کا درجہ دے دیا، جس سے عوام میں دین کی اصل

روح کی سمجھ بوجھ کم ہوتی گئی اور چرچ کی بالادستی برقرار رہی۔[233]

خرابیوں کے نتائج اور اثرات

چرچ میں اخلاقی تنزل کے نتائج انتہائی گہرے اور دوررس ثابت ہوئے:

پروٹسٹنٹ اصلاحات : مارٹن لوتھر اور دیگر اصلاح پسندوں نے چرچ کے غلط اور غیر اخلاقی اقدامات کے خلاف آواز بلند کی، جس سے پروٹسٹنٹ ازم کا آغاز ہوا۔ پروٹسٹنٹ تحریک نے لوگوں کو بائبل کا براہِ راست مطالعہ کرنے کی دعوت دی اور چرچ کی اجارہ داری کے خلاف ایک مزاحمتی تحریک چلائی۔

چرچ اور ریاست میں دوری : چرچ کی اخلاقی تنزلی اور اس کے سیاسی کردار نے ریاست کو مجبور کیا کہ وہ چرچ کے اثر و رسوخ کو محدود کرے۔ نتیجتاً، کلیسا اور ریاست کے تعلقات میں دوری آئی اور سیکولرازم کی ابتدا ہوئی، جہاں مذہب کو سیاسی اور حکومتی معاملات سے الگ رکھنے کا نظریہ پروان چڑھا۔

سائنسی اور علمی ترقی کی راہ ہموار : چرچ کی تعلیمات کو محدود کرنے کی پالیسی کے خلاف تحریک نے علم اور سائنس کی ترقی کو فروغ دیا۔ لوگوں نے تحقیق، تجربہ اور آزاد خیالی کو ترجیح دی، اور اس نے یورپ کو نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے دور میں داخل کیا، جس نے جدید سائنس اور فلسفے کو فروغ دیا۔

مذہب پر اعتماد کا فقدان : چرچ کی بدعنوانیوں اور غیر اخلاقی رویوں نے لوگوں کے دلوں میں دین کے خلاف بدگمانی پیدا کی۔ عوام میں مذہبی رہنماؤں کے کردار پر اعتماد کم ہو گیا اور ان کے دل میں روحانیت کی بجائے عقیدے سے نفرت اور بیزاری پیدا ہونے لگی۔

عیسائی دنیا کی تقسیم : پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے درمیان اختلافات بڑھنے سے عیسائی دنیا میں تقسیم پیدا ہو گئی، جس سے مذہبی فرقہ واریت کا آغاز ہوا۔ یہ اختلافات آج تک موجود ہیں، اور عیسائیت کی مجموعی وحدت پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ چرچ کی یہ خرابیوں اور ان کے نتیجے میں اصلاحات کی تحریک نے عیسائی دنیا کو ایک نئی سمت اور نیا رخ دیا اور مسیحیت کو فرسودہ رسم و رواج کے بوجھ سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا۔[234]

---

[233] Diarmaid MacCulloch, The Reformation: A History, New York : Viking, 2004, P. 50, 100, 170, 600

[234] Steven Ozment, The Age of Reform (1250-1550), Yale University Press, UK

عیسائیت اور روشن خیالی (Christianity and Enlightenment)

روشن خیالی (Enlightenment) کو سمجھنے کے لیے اس کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ قرونِ وسطیٰ سے لے کر سترہویں صدی تک یورپ میں مذہب اور کلیسا کی حیثیت انتہائی طاقتور رہی۔ کلیسا نہ صرف مذہبی معاملات بلکہ سیاست، سماج، اور علم و فلسفہ پر بھی اجارہ داری رکھتا تھا۔ پوپ اور پادریوں کے فیصلے حتمی مانے جاتے تھے، اور ان سے اختلاف کرنے والے سخت سزاؤں کا نشانہ بنتے تھے۔ قرونِ وسطیٰ میں کلیسا صرف مذہبی ادارہ نہیں تھا بلکہ وہ سیاست، سماج اور علم و فلسفہ پر بھی حاوی تھا۔ پوپ اور پادریوں کی بات کو حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا، اور جو کوئی اس سے اختلاف کرتا وہ انکویزیشن[235] جیسی عدالتوں کا سامنا کرتا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ اجارہ داری کمزور ہونے لگی۔ پندرہویں اور سولہویں صدی میں نشاۃِ ثانیہ نے یورپ کو قدیم یونان اور روم کے علوم سے دوبارہ متعارف کرایا۔ فنونِ لطیفہ، ادب اور سائنس میں نئی سوچ ابھرنے لگی، اور چرچ کے بیانیے کو کھلے عام چیلنج کیا جانے لگا۔ سائنسی انکشافات نے بھی کلیسا کی گرفت ڈھیلی کی۔ کوپرنیکس، کیپلر اور گلیلیو نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں، بلکہ سورج کے گرد گھومتی ہے۔ بعد میں نیوٹن نے اپنے قوانین کے ذریعے فطرت کو ایسے اصولوں کے تحت بیان کیا جنہیں عقل اور تجربے سے پرکھا جا سکتا تھا۔ یہ سب کلیسا کے اس تصور سے بالکل مختلف تھا کہ کائنات صرف مذہبی تعبیر سے ہی سمجھی جا سکتی ہے۔

اسی دوران پروٹسٹنٹ اصلاحات نے کلیسا کی مذہبی طاقت کو جھنجھوڑ ڈالا۔ مارٹن لوتھر اور دیگر مصلحین نے بدعنوانیوں اور مغفرت ناموں کی فروخت کے خلاف آواز اٹھائی، اور یہ کہا کہ فرد کا براہِ راست تعلق خدا سے ہے، چرچ اس تعلق کا واحد ذریعہ نہیں۔ دوسری طرف یورپ میں نئی قوم-ریاستیں ابھر رہی تھیں جنہوں نے کلیسا کے سیاسی کردار کو محدود کر دیا۔ یوں رفتہ رفتہ ایک ایسا ماحول بنتا گیا جس میں عقل، سائنس اور فرد کی آزادی کو زیادہ اہمیت ملنے لگی۔ یہی ماحول روشن خیالی کی تحریک کے ظہور کا باعث بنا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کئی عوامل نے کلیسا کی اس مطلق العنان طاقت کو چیلنج کیا۔

1. نشاۃِ ثانیہ: (Renaissance)

پندرہویں اور سولہویں صدی میں نشاۃِ ثانیہ نے یورپ کو قدیم یونانی و رومی علوم سے دوبارہ روشناس کرایا۔ فنون، ادب اور سائنس میں نئی تحقیق نے چرچ کے پرانے بیانیے کو کمزور کیا اور عقل و فن کی آزادی کو فروغ دیا۔

---

[235] "انکویزیشن" (Inquisition) مسیحیت میں ایک خصوصی عدالت یا قانونی نظام تھا جو بنیادی طور پر عقیدے کی حفاظت اور کافر یا ہرٹک (Heresy) کے خلاف کارروائی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ یہ عام عدالت یا سول عدالت سے مختلف تھی اور اسے کیتھولک چرچ نے شروع کیا تھا۔

2. سائنسی انکشافات:

کوپر نیکس، کیپلر اور گلیلیو نے کائنات کے ایسے نظریات پیش کیے جو کلیسا کے روایتی عقائد سے مختلف تھے۔ بعد میں نیوٹن کے قوانین نے فطرت کو میکانکی اصولوں کے تحت بیان کیا، جس سے "خدا کی براہِ راست مداخلت" کا کلیسائی تصور کمزور پڑ گیا۔

3. پروٹسٹنٹ اصلاحات (Reformation)

مارٹن لوتھر اور جان کیلون نے کلیسا کی بدعنوانیوں اور مغفرت ناموں کی فروخت کے خلاف آواز بلند کی۔ اس تحریک نے کلیسا کی مذہبی اجارہ داری کو توڑ دیا اور فرد کے براہِ راست خدا سے تعلق کے تصور کو اجاگر کیا۔

4. سیاسی تبدیلیاں:

یورپ میں نئی قوم-ریاستوں (Nation-States) کا ابھرنا کلیسا کے سیاسی کردار کو محدود کرنے کا سبب بنا۔ حکمرانوں نے مذہب کی گرفت کو کم کر کے ریاست کو مضبوط بنانے کی کوشش کی۔

یہ تمام عوامل بالآخر ایک ایسے فکری ماحول کے لیے راستہ ہموار کرتے گئے جس میں عقل، سائنس اور فرد کی آزادی کو مرکزی حیثیت ملنے لگی۔ یہی ماحول آگے چل کر روشن خیالی کی تحریک کا پیش خیمہ بنا۔[236]

روشن خیالی کی تحریک (Enlightenment movement)

روشن خیالی سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی وہ فکری تحریک تھی جس نے یورپ کے فکری اور سماجی ڈھانچے کو یکسر بدل ڈالا۔ اسے اکثر "عہدِ خرد (Age of Reason)" بھی کہا جاتا ہے۔ اس تحریک نے عقل، تجربہ، سائنسی تحقیق اور فرد کی آزادی کو بنیادی اقدار کے طور پر پیش کیا۔ یہ دراصل کلیسا کے صدیوں پرانے تسلط کے خلاف ایک ردِ عمل تھا۔ روشن خیالی کے مفکرین نے کہا کہ مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے، لیکن سیاست، سماج اور علم کی دنیا میں عقل اور سائنس کو رہنما ہونا چاہیے۔ اس سوچ کے نتیجے میں چرچ کی مطلق طاقت کمزور ہوئی، مذہبی جبر کے بجائے مذہبی رواداری اور آزادیِ ضمیر کو فروغ ملا، اور یورپ میں سیکولرزم اور انسانی حقوق جیسے نظریات نے جنم لیا۔ روشن خیالی نے بائبل اور عیسائی عقائد کو بھی عقل کی کسوٹی پر

---

[236] The Cambridge History of Christianity: Volume 7 — Chapter: Enlightenment, Reawakening and Revolution 1660–1815 (Editors: Stewart J. Brown & Timothy Tackett) ،Cambridge University Press, UK.

پر کھا۔ اس سے عیسائیت کو اپنے کئی روایتی تصورات پر نظرِ ثانی کرنا پڑی اور اسے نئے سائنسی و فکری ماحول کے مطابق ڈھلنے کی کوشش کرنا پڑی۔ مختصراً، روشن خیالی وہ موڑ تھی جس نے عیسائیت اور یورپ کے تعلق کو نئی سمت دی۔ اس نے کلیسا کی گرفت کمزور کی، مذہب کو زیادہ تر نجی زندگی تک محدود کیا، اور جدید مغربی تہذیب کے کئی اہم اصولوں کی بنیاد رکھ دی۔

1. **سائنس کی ترقی** —کوپرنیکس، کیپلر، اور گلیلیو کی تحقیقات نے کلیسا کے قائم کردہ کائناتی نظریات کو چیلنج کیا۔
2. **پروٹسٹنٹ اصلاحات** —مارٹن لوتھر اور دوسرے مصلحین نے چرچ کی بدعنوانیوں کے خلاف آواز اٹھا کر مذہبی اجارہ داری کو کمزور کیا۔
3. **سماجی اور سیاسی تبدیلیاں** —یورپ میں نئی قوم-ریاستوں (Nation-States) کے ابھرنے سے کلیسا کے سیاسی اثرات محدود ہونے لگے۔

ان عوامل نے ایک فکری فضا پیدا کی جس میں روشن خیالی نے جنم لیا۔ روشن خیالی نے یہ تصور پیش کیا کہ:

- مذہب کو فرد کی نجی زندگی تک محدود ہونا چاہیے۔
- سیاسی اور سماجی معاملات میں عقل اور سائنسی علم کو رہنما ہونا چاہیے۔
- تمام انسان بنیادی طور پر مساوی ہیں اور انہیں مذہبی و فکری آزادی حاصل ہے۔

اس تحریک نے عیسائیت کے روایتی ڈھانچے پر گہرے سوالات اٹھائے۔ بائبل کی تعبیر و تشریح کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔ چرچ کی طاقت اور اس کے مذہبی دعوے کمزور پڑ گئے، اور یورپ میں مذہب اور معاشرت کے تعلق کی نئی صورت گری ہونے لگی۔ روشن خیالی کی تحریک نے عیسائیت کو روایتی مطلق اختیار سے ہٹا کر تنقید اور تحقیق کے دائرے میں داخل کیا۔ یورپ کو ایک نئے دور کی طرف دھکیلا، جہاں سیکولرزم، انسانی حقوق اور مذہبی آزادی جیسے تصورات پروان چڑھے۔ اور عیسائیت کو مجبور کیا کہ وہ اپنے عقائد اور رسومات کو عقل اور جدید سائنس کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرے۔ یورپ کی روشن خیالی کی تحریک نے مسیحیت کے لیے ایک بڑے فکری اور سماجی چیلنج کو جنم دیا۔ صدیوں تک کلیسا نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی و سماجی طاقت بھی رکھتا تھا، لیکن روشن خیالی نے عقل، سائنس اور فرد کی آزادی کو بنیادی اہمیت دے کر اس طاقت کو محدود کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب رفتہ رفتہ اجتماعی معاملات سے پیچھے ہٹ گیا اور زیادہ تر انفرادی اور نجی زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا۔ یہ صورتِ حال بظاہر مسیحیت کے ادارہ جاتی ڈھانچے کے لیے نقصان دہ تھی، لیکن دوسری طرف اس نے انسان کو یہ موقع بھی دیا کہ وہ ایمان کو جبر کے بجائے شعور اور ذاتی اختیار کے ساتھ اپنائے۔ اس طرح روشن خیالی نے مسیحیت کو کمزور بھی کیا اور ایک نئے فکری دروازے بھی کھول دیے۔

اسلام اور مسیحیت: موجودہ دور کے چیلنجز

آج صرف مسیحیت نہیں بلکہ اسلام سمیت تمام مذاہب جدیدیت اور مادیت کے اثرات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ٹیکنالوجی اور سائنس نے زندگی کو سہولتیں تو دیں، لیکن اخلاقی و روحانی اقدار کو پس منظر میں دھکیل دیا۔ انسان کے پاس طاقت اور علم تو بڑھ گیا، مگر سکون اور مقصد کمزور پڑ گئے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام اور مسیحیت، اپنی مشترکہ اقدار کی بنیاد پر، انسانیت کو ایک متوازن سمت دینے کے لیے جدید معاشرے میں مذہب کے احیاء کے لئے اکٹھے جدوجہد کر سکتے ہیں؟

مشترکہ اقدار اور امکانات

1. اللہ پر ایمان اور انسان کی تکریم

اسلام اور مسیحیت دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انسان اللہ کی مخلوق اور اس کا خلیفہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے : "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔237 (بنی آدم کو ہم نے بزرگی بخشی)۔ یہ تعلیم اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ہر انسان کی عزت اور حرمت قائم رکھنا دینی فریضہ ہے۔

اخلاقی اصولوں کی بقا اور فروغ

اسلام نے صدق، عدل، رحم اور محبت کو بنیادی اخلاقی اقدار قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔238 (مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں)۔ آج کی دنیا کو ان مشترکہ اخلاقی اقدار کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے امن اور اعتماد پر استوار ہوں۔

2. روحانیت کا احیاء

جدیدیت نے مادی ترقی تو دی لیکن روحانی خلا کو بڑھا دیا۔ انسان کے دل کو سکون، اطمینان اور قربِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ قرآن کہتا ہے: "أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔239 (دلوں کا اطمینان صرف اللہ کے ذکر میں ہے)۔ اگر آج ان مشترکہ اقدار کو فروغ دیا جائے تو جدید انسان کو وہ امید اور سکون مل سکتا ہے جس کی اسے شدید ضرورت ہے۔

---

237 سورۃ بنی اسرائیل 70:17

238 أخرجه الحاكم في «مستدركه» برقم: 4244، والبيهقي في «سننه الكبير» برقم: 20839، وأحمد في «مسنده» برقم: 9074

239 سورۃ الرعد 28:13

3. بین المذاہب ہم آہنگی اور عملی تعاون

اسلام عدل، خدمتِ خلق اور اصلاحِ معاشرہ پر زور دیتا ہے۔ قرآن میں ہے" :وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى۔240 (نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو)۔ یہی اصول ہمیں بتاتا ہے کہ غربت کے خاتمے، عدل کے قیام اور ماحولیاتی تحفظ جیسے شعبوں میں مشترکہ اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح دونوں مذاہب نہ صرف ایک دوسرے کے قریب آئیں گے بلکہ دنیا کے سامنے مذہب کا مثبت اور تعمیری کردار بھی اجاگر ہوگا۔

یورپ کی روشن خیالی کی وجہ سے مسیحیت کو ایسے فکری سوالات اور معاشرتی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، جنہوں نے اس کے صدیوں پرانے اثر ورسوخ کو کمزور کر دیا۔ عقل، سائنس اور فرد کی آزادی کو جس زور وشور کے ساتھ پیش کیا گیا، اس نے کلیسا کی بالادستی کو محدود کر کے مذہب کو زیادہ تر نجی زندگی تک محدود کر دیا۔ یہ تبدیلی مسیحیت کے لیے محض ایک نقصان نہ تھی بلکہ ایک نئے فکری موقع کی صورت بھی تھی، کیونکہ اس نے انسان کو ایمان کو جبر کے بجائے شعور اور اختیار کے ساتھ اپنانے کا راستہ دکھایا۔

اسی طرح جدیدیت اور مادیت کی لہر کی وجہ سے اسلام سمیت تمام مذاہب کو بھی نئے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔ آج مذہب کو اس سوال کا جواب دینا ہے کہ وہ تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں کس طرح اپنی معنویت برقرار رکھ سکتا ہے۔ انسان کے پاس آج زیادہ علم اور زیادہ طاقت ہے، لیکن وہ پہلے سے زیادہ ذہنی دباؤ، بے سکونی اور اخلاقی زوال کا شکار ہے۔ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ مذہب کو ختم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اسے نئے انداز سے سمجھنے اور اپنانے کی ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان تعاون کے امکانات بہت وسیع ہیں۔ دونوں مذاہب خدا کی بندگی، انسان کی حرمت، انصاف، رحم اور محبت جیسے اصولوں پر زور دیتے ہیں۔ یہ مشترکہ اقدار کسی بھی مکالمے اور عملی تعاون کی مضبوط بنیاد فراہم کر سکتی ہیں۔ اگر یہ دونوں مذاہب ان اصولوں پر اکٹھے ہوں تو وہ دنیا کو یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ مذہب محض تاریخ کا ورثہ نہیں بلکہ آج اور کل کی ضرورت ہے۔ مادیت کا پیدا کردہ بحران ایک موقع ہے۔ اگر اسلام اور مسیحیت اپنی مشترکہ اقدار کو اپنے اپنے معاشروں میں انسانیت کے سامنے پیش کریں تو وہ نہ صرف مذہب کو عصر حاضر میں دوبارہ معاشرتی زندگی میں فعال بنا سکتے ہیں، اور بڑھتے ہوئے الحادی افکار کے سامنے بند باندھ سکتے ہیں، بلکہ جدید معاشرے کے انسان کو امن، سکون اور ایک بامقصد زندگی بھی دے سکتے ہیں۔

---

240 سورۃ المائدہ 2:5

خودآزمائی

1. پاپائیت کی تاریخی اہمیت، پوپ کے انتخاب کے طریقہ کار، اور حکمرانوں کے ساتھ اس کے تعلقات اور کشمکش کا تجزیہ کریں۔
2. کلیسا کے سائنس کی مخالفت اور مغفرت ناموں کی تجارت جیسے تاریخی طرز عمل کا جائزہ پیش کریں۔
3. مارٹن لوتھر کی زندگی، تعلیمات، کلیسا کے خلاف رد عمل، احتجاجی تحریک، اور مسیحیت پر اثرات کا تجزیہ پیش کریں۔
4. پروٹسٹنٹ ازم کی بنیاد، اس کے مسیحی عقائد پر اثرات، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد کے فرق، اور پروٹسٹنٹ اصلاحات کے اثرات کو مسلم نقطہ نظر سے بیان کریں۔
5. چرچ میں اخلاقی تنزل، بدعنوانیوں، مذہبی رسوم پر زور، اور ان کے نتائج، بشمول پروٹسٹنٹ اصلاحات، چرچ اور ریاست کی علیحدگی، علمی ترقی، اور عیسائیت کی تقسیم کا تجزیہ کریں۔
6. عیسائیت اور روشن خیالی کی تحریک کے پس منظر اور تعارف کی روشنی میں واضح کریں کہ اسلام اور مسیحیت اپنی مشترکہ اقدار کی بنیاد پر کس طرح جدید دور کے معاشرے میں مذہب کے احیاء میں کردار ادا کر سکتے ہیں؟۔

جوابات

تمام سوالات کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔